پرورش دل کی اگر مدنظر ہے تجھ کو
مردِ مومن کی صحبت اختیار کر بس

تربیۃ السالکین

مؤلف

فقیر یوسف احمد نقشبندی

ناشر

مکتبۂ فقیر: ۵۱/اوبرن سٹریٹ، بولٹن، یو، کے

جملہ حقوق بحق مؤلف وناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

کتاب کا نام:...تربیۃ السالکین

مؤلف کا نام:...فقیر یوسف احمد نقشبندی

کمپوزنگ: (قاری) عبد الرحمٰن بھڑکودروی (09924661786)

صفحات : ۲۴۶

ایڈیشن : پہلا ایڈیشن

تعداد : ۱۰۰۰

سن اشاعت : جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ مطابق مئی ۲۰۱۲ء

طباعت: تاج پریس، مغل سرائے، سورت

﴿ ملنے کا پتہ ﴾

صحت یونانی اینڈ آیورویدک اسٹورس، ہجوری چیمبرس کے بازو میں،
سوپر یارن مارکیٹ کے سامنے، صلابت پورا، مین روڈ، سورت،
گجرات، انڈیا۔

﴿ یو، کے میں ملنے کے پتے ﴾

(1) MAKTAB-E-FAQEER: 51, AUBURN STREET
BOLTON, BL3 6UE, U.K.

(2) KHALID ZAFAR: 133, ST. JAMESS ROAD,
BLACKBURN, U.K.

All Copy Rights Reserved

Reg. No. 100903660

International Reg. No. 0031230

انتساب

فقیر اپنی ان طالبانہ کوششوں کا انتساب اپنے رہبر و مرشد میرے آقا **(حضرت شیخ مولانا اسماعیل واڈی صاحب چشتی ، صابری نقشبندی مجددی دامت برکاتہم)** کے نام کرتا ہے۔

☆ جن کی تعلیمات کی گھنی چھاؤں نے فقیر کو زندگی کی کڑکتی دھوپ سے بچائے رکھا۔

☆ جن کی توجہات نے خودشناسی اور خداشناسی کی منزل کا راہی بنایا۔

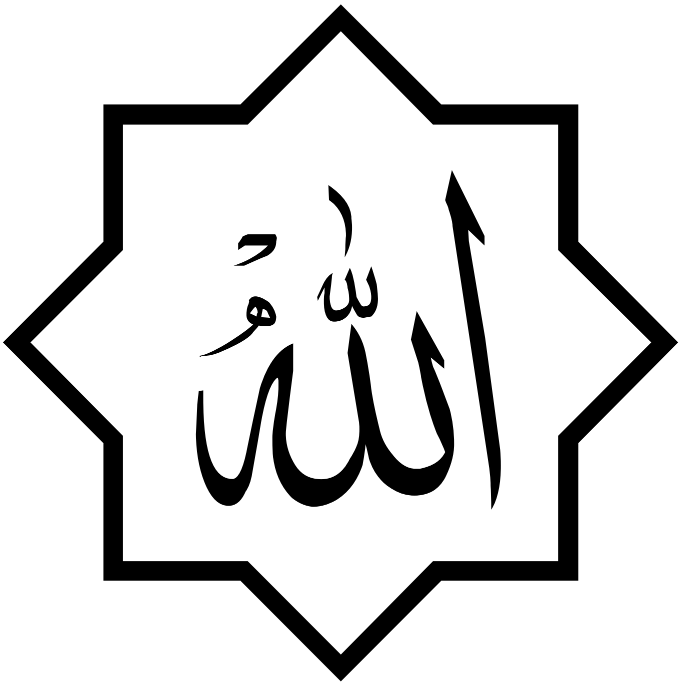
الله

فہرست

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
12	تقریظ از حضرت اقدس مولانا اسماعیل واڈی صاحب مدظلہ العالی	1
16	تقریظ از شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری رشید احمد اجمیری دامت برکاتہم	2
20	تأثرات از حضرت مولانا مفتی اسلم واڈی والا صاحب دامت برکاتہم	3
21	پیش لفظ	4
23	عرض مؤلف	5
26	حمد حق تعالیٰ	6
27	اصلاح قلب (دل) و باطن کی اہمیت	7
28	شیخ کی ضرورت	8
30	شیخ کیسا ہونا چاہیے؟	9
31	توحیدِ مطلب	10
32	علم کی ضرورت	11
33	نصیحت	12
34	نصیحت: اللہ تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہنا	13
36	وصول کسے کہتے ہیں؟	14
36	اصولِ مقصد کے آٹھ اہم طریقے	15
37	(۱) باوضو رہنا	16
38	(۲) تقلیل طعام	17

18	(۳) تقلیلِ کلام	38
19	(۴) دوامِ خلوت	39
20	خلوت اور ایک شبہ کا جواب	41
21	(۵) دوامِ ذکر	43
22	دل کی اصلاح کا طریقہ ذکر وفکر	40
23	کلمۂ طیبہ کے فضائل	44
24	ذکر اللہ کے فضائل	46
25	ذکر اللہ کے آداب وشرائط	47
26	(۶) خواطر کی نفی	49
27	خواطر کی قسمیں	50
28	(۷) شیخ کے ساتھ ربط	51
29	شیخ کا ظاہری وباطنی ادب	53
30	شیخ کا باطنی ادب	54
31	(۸) ترکِ اعتراض	54
32	ان آٹھوں شرائط کے فائدے	56
33	حقوق شیخ واصلاح کے آداب	57
34	سلسلۂ نقشبندیہ	62
35	اصطلاحاتِ نقشبندیہ کی تشریح	65
36	ہوش در دم	65
37	نظر بر قدم	66
38	سفر در وطن	68

39	خلوت در انجمن	69
40	یاد کرد	70
41	بازگشت	71
42	نگہداشت	71
43	یادداشت	71
44	وقوفِ زمانی	72
45	وقوفِ عددی	72
46	وقوفِ قلبی	73
47	مقاماتِ عشرہ کا بیان	74
48	حقیقتِ نفس	75
49	لغزشوں کا بیان	77
50	مسائل برائے کاملین وسالکین	78
51	نسبت یا ولایت	87
52	اقسامِ اولیاء اللہ	88
53	انسان کی عظمت	88
54	لطائفِ عشرہ کا بیان	95
55	طریقۂ ذکر کی تعلیم	98
56	طریقۂ توجہ	102
57	سلبِ امراض	103
58	خواجہ خواجگان پیر طریقت حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبندؒ	104
59	شرابی کی توبہ	110

60	حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری	110
61	حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات	111
62	قریب راستہ	111
63	ولایت	111
64	طریقۂ نقشبندیہ	112
65	مراقبہ، مشاہدہ اور محاسبہ	113
66	حق تعالیٰ کی پہچان	113
67	شرک	114
68	فیضِ صحبت	114
69	ذکر خفی کی حقیقت اور خصوصیت طریقۂ نقشبندیہ	114
70	چار نسبتیں	115
71	کرامت	116
72	وفات	117
73	امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ	118
74	آپ کا نسب	118
75	تعمیر قلعہ وشہر سرہند	118
76	آپ کی نسبت اولیائے سابقین کی بشارتیں	120
77	حضرت خلیل اللہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کا الہام	120
78	دیگر مشائخ کرام کے الہام	121
79	شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد	121
80	آپ کی علم شریعت میں تعلیم	121

81	آپ کے دیگر اساتذہ	122
82	آپ کا علم طریقت	122
83	آپ کا سفر دہلی اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات	123
84	طریقۂ نقشبندیہ میں آپ کی بیعت	123
85	حضرت خواجہ کا خاص واقعات آپ سے ظاہر فرمانا	124
86	حضرت خواجہ کی جناب میں آپ کی عقیدت	125
87	آپ کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت	125
88	حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خرقہ کی حوالگی اور شاہ سکندر قادری سے آپ کو خلافت	125
89	سب طریقوں کی نسبت کا طریقہ مجددیہ میں شمول	126
90	آپ کے متعلق حضرت خواجہ کے ارشادات	126
91	آپ کے نام حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا خط	128
92	آپ اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے آداب	128
93	حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص کمالات	129
94	آپ کا ایک واقعہ	130
95	آپ کے سلوک کی سیر	133
96	آپ کے مکتوبات	134
97	آپ کا وصال	134
98	تصوف وسلوک کی حقیقت	135
99	آج کل کا سلوک وتصوف	139
100	برائے مدارس وعلماء	140

101	حقیقی علم کا مفہوم	141
102	علم اور معلومات کا فرق	142
103	علمِ دین کے لیے عمل وخشیت لازم ہے	143
104	حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف	144
105	مدارس میں سلوک واخلاق کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ضروری ہے	146
106	تربیت کی ضرورت	148
107	عالمِ دین بھوکا نہیں رہ سکتا	149
108	بعض متفرق باتیں	150
109	سیورِ اربع	156
110	(۱) سیر الی اللہ	156
111	(۲) سیر فی اللہ	157
112	(۳) سیر عن اللہ باللہ	159
113	(۴) سیر فی الاشیاء باللہ	161
114	خلاصۂ بیان	161
115	سالکین کو وصیت	164
116	ابو عمران فقیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہما	165
117	عبداللہ بن سعید اور جنید رحمۃ اللہ علیہما	165
118	عملیات وتعویذات	170
119	جناتوں کے ذریعہ علاج	175
120	ہمزاد کیا ہے؟	177
121	خلاصہ	188

122	خلاصۂ طریقت	191
123	دعاء	194
124	مکتوبات	195
125	مکتوب (۱) نعمت کے شکر ادا کرنے کے بارے میں	196
126	مکتوب (۲) کامل فنا کے بارے میں	199
127	مکتوب (۳) بزرگواروں کی مزاروں پر بیٹھ کر چندہ اکٹھا کرنا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی تعلیمات کے بارے میں	201
128	مکتوب (۴) علماء وفقہا چار جماعتوں میں منقسم ہیں ، کے بارے میں	208
129	مکتوب (۵) علم کی حقیقت کے بارے میں	212
130	مکتوب (۶) حق تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں	215
131	مکتوب (۷) سیر وسلوک کا خلاصہ کے بارے میں	218
132	مکتوب (۸) شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے کے بارے میں	220
133	آثار سلوک و ولایت	224
134	آثار سلوک ونبوت	225
135	مکتوب (۹) حق تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں	227
136	مکتوب (۱۰) تصوف کی چار سیروں کے بارے میں	229
137	مکتوب (۱۱) مرید اور مراد کے بارے میں	232
138	مکتوب (۱۲) بچے کی موت پر تعزیت کے بارے میں	235
139	مکتوب (۱۳) فنا وبقاء کے بارے میں	238
140	شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ	242

تقریظ

از: شیخ المشائخ قطب برطانیہ عارف زماں
حضرت اقدس مولانا اسماعیل واڈی صاحب چشتی، صابری، نقشبندی مجددی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی ، أما بعد :

حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخِ دعوت وعزیمت میں سلطان المحققین مخدومِ جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کے متعلق تحریر فرمایا:

’’ آپ کے مکتوبات ایک زندہ جاوید کارنامہ اورعلوم ومعارف کا بیش بہا خزانہ ہے، شاید کسی نے اپنے قلم اور زورِتحریر سے خطوط ومکتوبات کے ذریعہ اتنا عظیم الشان ، انقلاب انگیز اور دیرپا وسیع اصلاح وتربیت کا کام نہیں کیا، جیسا کہ آپ نے ، نہ صرف تصوف کے ذخیرے میں بلکہ علوم ومعارف ، نکات ولطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص امتیاز رکھتا ہے اوراپنی تاثیر، ادب وانشا کی قوت ، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پوری فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہوں گی‘‘ ۔ (انتہی)

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے:

تصوف دین وایمان کی جان ہے ۔صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے، خواہشات نفسانی کے قبضے سے باہراورحقائقِ موجودات کا ماہر ہے ۔

پھر لکھتے ہیں: اگرتصوف کی ابتداء پرغور کروگے تو اس کوحضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے ۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں ، ان کو حق

تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا، پھر " اصطفا " و" اجتبا " کے مقام پر پہنچایا، خلافت عطا فرمائی، پھر صوفی بنایا۔

مرید کو آغازِ ارادت میں چلّہ کرنا پڑتا ہے " خَمَّرْتُ طِيْنَةَ آدَمَ بِيَدِيْ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً " (میں نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا) جب یہ تجرید کا چلّہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہ نے اس میں روح عنایت فرمائی، اور عقل ودانش کا چراغ ان کے دل میں روشن کردیا۔ پھر کیا، دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منھ سے انوار واسرار کے پھول جھڑنے لگے، جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو مستی میں جھوم گئے، خدا کا شکر واحسان بجالائے۔ حضرت سرکارِ دوعالم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا: " مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً أَظْهَرَهُ اللّٰهُ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةَ مِنْ قَلْبِهِ عَلٰى لِسَانِهٖ " (جس نے خلوص قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لیے خاص کردئے، اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے جاری فرمائے گا) پھر پوری بہشت کی سیر کی، وہاں کے رموز واسرار سے آگاہی حاصل کی۔ کہا گیا کہیں اپنے جی سے کوئی بات نہ کرلینا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، ذرا سنبھل کے چلنا، مگر از خود رفتگی اور انبساط کے عالم میں روکے نہ رکے، اور ﴿ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴾ (آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گئے)، آپ چونک پڑے، عرقِ ندامت میں ڈوب گئے، اب بجز استغفار کے کوئی چارہ نہ تھا، جان ودل سے اس کام میں لگے گئے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنْفُسَنَا ﴾ (اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا)۔

صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ہوتی ہے، عرصہ تک روتے رہے، پھر دریائے رحمتِ خداوندی جوش میں آیا اور درجۂ اصطفا عطا کیا گیا۔ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ ﴾۔ اب کیا تھا، تصفیۂ کامل ہوگیا۔ صوفی صافی بن گئے، وہ مرقع جو الحاح وزاری کے بعد پہنایا گیا، آپ اس کو نہایت عزیز رکھتے تھے، اخیر عمر میں وہ مرقع حضرت شیس علیہ السلام

کو آپ نے پہنایا اور خلافت بھی سپرد کی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا، اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے۔ چنانچہ صوفیِ صافی اول حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت اور انجمن کے لیے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی، یعنی دنیا کی پہلی خانقاہ کعبۂ مکرم ہے، اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔خرقہ وخانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے ہمیشہ وہی ایک کمّل رکھا، جو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو عنایت فرمایا تھا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ہمیشہ جامۂ صوف پہنا کرتے تھے۔خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی، اسی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا، پھر جب خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ آیا تو آپ نے بھی اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اپنایا﴿ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ ﴾ اور اسی خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔اس کے علاوہ مسجد نبوی میں ایک گوشہ متعین کیا، اصحاب میں سے جو سالکانِ راہ طریقت بعنوانِ خاص تھے، ان سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں، ان میں سے بعض بوڑھے اور بعض جوان تھے، جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت معاذ وبلال وابو ذر وعمار رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں آپ وہاں بٹھاتے اور اسرارِ الٰہی کی باتیں کرتے۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں کہ بڑے بڑے فصحاءِ عرب اور عام صحابہ اس کے مغز تک نہیں پہنچ سکتے تھے، اس خاص جماعت کے لوگ قریب قریب ستّر (۷۰) اشخاص تھے۔ آپ ﷺ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابی کی عزت وتکریم فرماتے تو اس کو ردائے مبارک یا اپنا پیراہن شریف عنایت فرماتے۔صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا، ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ تصوف وطریقت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس کا تتمّہ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا۔(مکتوبات منیری ملخصاً)

اسی تصوف وطریقت کے بارے میں عزیزم حافظ یوسف صاحب سلّمہٗ نے یہ چند اوراق کتابی شکل میں تحریر فرمائے ہیں، اپنی نقاہت اور کمزوری کی بنا پر فقط بعض مقامات کو میں نے سنا، اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، اگر کوئی صاحبِ علم کتابت میں کوئی غلطی یا کمزوری پر مطلع ہو تو صاحبِ کتاب حافظ یوسف صاحب کو مطلع کریں، تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کردی جائے۔

فقط والسلام

(شیخ المشائخ حضرت مولانا)

اسماعیل احمد واڈی (صاحب دامت برکاتہم)

(خلیفۂ مجاز مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحبؒ

وشیخ الحدیث حضرت مولانا ابرار احمد دھولیوی صاحبؒ)

بقلم فضل حق

مؤرخہ: ۲۷ / ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

مطابق ۲۰ / مارچ ۲۰۱۲ء بروز منگل

تقریظ

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری رشید احمد اجمیری صاحب (دامت برکاتہم)

نحمده و نصلي علی رسوله الکریم .

تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب، جس کا دوسرا نام تصوف وسلوک ہے، اس کی افادیت اور اہمیت ہر زمانہ میں مسلم رہی ہے، اور کتاب وسنت میں اس کا واضح ثبوت موجود ہے، اس کی ابتداء نیت سے اور انتہاء " أن تعبدوا اللّٰه كأنك تراه "(حدیث شریف) آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور آپ کی نگاہِ کرم نے صحابۂ کرام کے دل کی دنیا پلٹ دی، پھر سرکار کی توجہ کامل سے فیض یافتہ صحابہ جہاں پہنچے وہاں خانقاہ کی شکلیں اور ان کی ذات سے فیض حاصل کیا جاتا رہا۔ تابعین کے دور سے یہ اصلاحِ باطن کی طرف مزید توجہ کی ضرورت کو محسوس کر کے اسے اور آسان تر طریقہ وصول الی اللہ، اہل اللہ کے ذہنوں اور دلوں پر القاء کئے جاتے رہے، اس سلسلہ میں مشائخ محنت کرتے رہے، مواعظ، ملفوظات، مکتوبات، مخطوطات اور کتابوں کے ذریعہ امت کو یہ محنت سمجھائی گئی، آج بھی یہ مبارک سلسلہ جاری ہے، حافظ یوسف صاحب نے بھی اس لائن سے ایک مختصر کتاب تحریر فرمائی ہے۔ سلوک سے ان کو اچھی وابستگی رہی ہے۔

حضرت شیخ المشائخ قطب برطانیہ عارف زماں مولانا اسماعیل واڈی صاحب چشتی، صابری نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے فیض یافتہ اور عشاق میں ہیں۔ جستہ جستہ مقامات دیکھے، اس نازک موضوع پر قلم اٹھانا جان جوکھوں کا معاملہ ہے، پھر بھی حضرت حافظ صاحب کی ہمت کو داد دینی چاہیے کہ انہوں نے کمرِ ہمت باندھ کر قلم چلایا، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے اسے امت کے حق میں مفید اور کار آمد بنائے اور لغزشوں کو درگزر فرمائیں۔ آمین

(شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری)
رشید احمد اجمیری (صاحب دامت برکاتہم)
دار العلوم اشرفیہ، راندیر، سورت

تأثرات

از: حضرت مفتی اسلم واڈی والا صاحب دامت برکاتہم

تعریف کے تمام مرتبے اس یکتا کے واسطے مخصوص ہیں، جس کو تمام موجودات پوجتے ہیں، اور جو اپنے وجود میں تمام قیود سے آزاد اور پاک ہے اور بڑے مرتبہ والا ہے اور درود وسلام اور ہر شان کی نعمت ان محترم رسول ﷺ کے واسطے ہے، جو دنیا کے وجود کا سبب اور خدا کے سچے قائم مقام ہیں۔ خدا ان پر اور ان کے متعلقین اور دوستوں پر بارانِ رحمت نازل فرمائے۔ آمین

جاننا چاہیے کہ جب کبھی سالک کو خدا کی راہ پر چلنے اور اس کے صراط مستقیم پر گامزنی کی توفیق ایزدی شامل حال ہوتی ہے، تو اس کا قلب انوارِ ہدایت سے منور کردیا جاتا ہے، اور ضلالت وگمراہی سے صاف کردیا جاتا ہے اور وہ بندہ ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَشَآءُ ﴾ کا مصداق بن جاتا ہے، اور اس نور کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے نفرت آخرت کی طرف رغبت پیدا ہوجاتی ہے اور اپنے معاصی کو یاد کرکے عنان استغفار ہاتھ میں لے کر ارحم الراحمین اور غفور الرحیم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت کامیابی اور فوز مرامی بغیر کسی مرشد کامل کی درگاہ کی حاضری وخاک روبی کے حاصل نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا سالک کو بھی چاہیے کسی جامع شریعت وطریقت کی غلامی فخر حاصل کرے، تاکہ ہوائے نفسانی اور وساوس شیطانی سے محفوظ رہ سکے اور اپنے امراض ماضی کے لیے اسی حکیم صادق کے بتائے ہوئے نسخے کو استعمال کرے، کیونکہ جب تک اندرونی اور روحانی امراض کا انسداد نہ ہو جائے گا اور اوصاف رذیلہ کا ڈھول اور اخلاق حمیدہ کا حصول نہ ہو گا اس وقت تک بارگاہِ الٰہی کا وصول نہیں ہوسکتا۔ انہیں ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر کسی مرشد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا ضروری کردیا گیا ہے۔ ارشادِ باری ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ اسی طرح

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ﴾ ان دونوں آیتوں میں صیغہ امر مستعمل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوبی ہے۔ نیز بیعت کرنا اور کسی مرشد کامل کی غاشیہ برداری، اطاعت گزاری اور فرماں برداری ایک ایسا فعل ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف بھی منسوب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰه ﴾ اور ﴿ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حالات زندگی کے بارے میں خود رقمطراز ہیں ''پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیہ خصوصاً مشائخ نقشبندیہ کے اشتغال میں مصروف ہوگیا اور ان کی توجہ وتلقین سے بہرہ مند ہوتے ہوئے ان کے آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیہ حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلہ کو درست کرلیا''۔(حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ علم کے آفتاب وماہتاب تھے، تاہم ان کی بیعت کا تعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، حالانکہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقط کافیہ تک کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا　　دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی　　بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی
سگ اصحاب کہف روزے چند　　پئے نیکاں گرفت ومردم شد

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام دار الہجرہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو علم فقہ میں جو مقام حاصل تھا، اس میں کسی کو مجال مقال نہیں، لیکن اس کے باوجود دو سال کے بعد

ارشادفرمایا کہ " لو لا السنتان لهلك النعمان "(اگر وہ دوسال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا)۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

امام دار الہجرہ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ "(جس نے علم فقہ حاصل کیا ، مگر علم تصوف حاصل نہ کیا ، اس نے فسق کیا ، جس نے علم تصوف حاصل کیا ، مگر علم فقہ حاصل نہ کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے ان دونوں علوم کو جمع کیا ، پس وہ محقق ہوا)۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " الطَّرِيْقَةُ وَالشَّرِيْعَةُ مُتَلَازِمَتَانِ "(طریقت وشریعت دونوں لازم ملزوم ہیں)۔

شریعت میں ہے قیل وقالِ حبیبؐ طریقت میں ہے حسن وجمال حبیبؐ

چنانچہ اسی تصوف وسلوک کے متعلق مختصر ، لیکن سیر حاصل کتاب رفیق محترم جناب حافظ یوسف صاحب دامت برکاتہم - جو صحیح معنی میں " شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ " کے مصداق ہیں ، کہ کئی سالوں سے ان کی زندگی کے شب وروز ہمارے سامنے ہے اور تقویٰ وپرہیزگاری کے وصف کے ساتھ آراستہ ہیں اور " لَا يَخَافُوْنَ فِيْ اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِم " کی صفت کے ساتھ متصف ہیں - نے نہایت عمدہ پیرایہ میں ترتیب دیا ہے (جو فیض یافتہ ہیں شیخ المشائخ عارف باللہ بقیۃ السلف حضرت مولانا اسماعیل واڈی صاحب مدظلہم بالعافیۃ کے) کہ اس سے پہلے بھی گجراتی زبان میں ایک رسالہ ترتیب دے چکے ہیں ، اور خود فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے رسالہ میں زیادہ تر طریقہ جو بیان ہوا وہ چشتیہ طریقہ سے تعلق رکھتا ہے ، الخ۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں ، نقشبندیہ ، چشتیہ الگ الگ نام ہیں ، سب کی حقیقت ایک ہے ﴿ أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ ﴾ ۔ نیز فرماتے ہیں کہ بعض نقشبندیوں کا مزاج چشتی

ہوتا ہے اور بعض چشتیوں کا مزاج نقشبندی ہوتا ہے، یہ تعلیم ایسی ہے جیسے ﴿ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک ہیں، مقصود دونوں کا ایک ہے، صرف طریق تربیت میں فرق ہے۔ جو شخص ان کو باہم جدا سمجھے گا اور کسی ایک کی تنقیص کرے گا وہ دونوں سے محروم رہے گا، ان کو دو سمجھنا ایسا ہے جیسے بھینگا آدمی ایک چیز کو دو سمجھتا ہے۔ (مآثر حکیم الامت ص: ۱۳۵)

بہر حال! خلاصۂ طریق یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تک پہنچنے کا راستہ مل جائے، اخلاق رذیلہ جاتے رہیں، حمیدہ پیدا ہو جائیں، معاصی چھوٹ جائیں، طاعت کی توفیق ہو جائے، غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔

چنانچہ تربیۃ السالکین بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس کو صدیق محترم جناب حافظ یوسف صاحب مدظلہم نے بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی سے تالیف فرمایا اور اس میں بہت سے مضامین کو شامل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی مبارک کوشش کو بارآور فرمائے، اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر آخرت میں نجات کا ذریقہ بنائے اور نافع خلائق بنا کر امت کی اصلاح کا ذریعہ بنائے، اور قیامت کے دن سرخ روئی اور سید المرسلین ﷺ کی سفارش کا سبب بنائے۔ آمین

ایں دعا از من واز جملہ آمین باد

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين، والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه وأتباعه وأزواجه وأهل بيته وعلماء وصلحاء أمته أجمعين.

فقط والسلام
(استاذِ حدیث دار العلوم بولٹن)
(حضرت مولانا مفتی) اسلم واڑی والا (صاحب دامت برکاتہم)
(خطیب مسجد رحمٰن بولٹن، یوکے)

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والعاقبة للمتقین ، والصلاة والسلام علی سید المرسلین .

بعد حمد وصلوٰۃ کے فقیر خاکسار نے ایک رسالہ شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء میں لکھا تھا، گجراتی رسم الخط میں، جس کا نام ''تربیۃ السالکین'' رکھا تھا، کیوں کہ وہ گجراتی رسم الخط میں تھا تو اردو پڑھنے والے حضرات کی طرف سے بار بار فرمائش ہوتی رہی کہ اس رسالہ کو اردو رسم الخط میں بھی شائع کریں، لیکن اس فقیر کو اس میں اضافہ بھی کرنا تھا اور توفیق شامل حال ہو نہیں رہی تھی، مشغولیاں بھی تھیں، لیکن حق تعالیٰ نے فضل فرمایا اور موقع ہاتھ آ گیا تو لکھنا شروع کیا۔

پہلے جو رسالہ لکھا تھا، اس میں زیادہ تر طریقہ جو بیان ہوا ہے وہ چشتیہ طریقہ سے تعلق رکھتا ہے، کیوں کہ اس فقیر کو دونوں نسبتیں حاصل ہیں۔ الحمد للہ بعد میں نقشبندیہ نسبت غالب آئی اور اسی کا حکم ہوا ہے، تو نقشبندیہ طریقہ کے بارے میں اس کتاب میں اضافہ کیا اور جو جو نعمتیں ملی ہیں، اس کو ذکر کیا گیا ہے اور یہ سب حق تعالیٰ کا فضل اور فخر مشائخ، سلطانِ عارفین، میرے پیر و مرشد حضرت مولانا اسماعیل واڈی صاحب دامت برکاتہم کی توجہات بھی اس فقیر کے شامل حال رہی ہے، حق تعالیٰ قبولیت عطا فرماوے۔ آمین

اس کتاب کے شروع کے پینتیس، چالیس اوراق کے بعد کا حصہ اضافہ کیا گیا ہے اور کچھ احباب کی فرمائش پر اس میں اخیر میں کچھ مکتوبات بھی شامل کر لئے گئے ہیں، تا کہ سالک کو فائدہ مند ہو۔

بس ! حق تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کتاب کو سالکین کے لیے فائدہ مند بنائے اور اس کے ذریعہ ترقی روحانیت کا شوق پیدا فرماوے ، اور اس فقیر کے لیے رضامندی کا ذریعہ بنائے ۔ آمین یارب العالمین

کمترین خلائق
فقیر یوسف احمد نقشبندی
جمعہ: ۲۳ / جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷ / مئی ۲۰۱۱ء

عرض مؤلف

الحمد للّٰه رب العالمین ، والعاقبة للمتقین ، والصلاة والسلام علی سید المرسلین .

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مدد وعنایت کے بغیر نہ گناہوں سے پرہیز ہوسکتا ہے اور نہ نیکیاں کی جاسکتی ہیں ، ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں کہ اس نے ہم مسلمانوں کو اپنی کامل نعمتوں اور پورے فضل سے مخصوص کیا ہے ، ہم کو سب امتوں سے بہتر بنایا ہے اور ہماری جانب ایسے نبی کو بھیجا ہے جو فخر الانبیاء اور سید المرسلین ہیں ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ

بعد حمد وصلوۃ کے فقیر خاکسار یوسف احمد نقشبندی حق تعالیٰ اس کو اس کے مقاصد میں کامیاب فرمائے ، اس کا ارادہ ہوا کہ کچھ حقوقِ شیخ ومرید پہلی بار گجراتی رسم الخط میں شائع ہوئی تھی ، تاکہ گجراتی پڑھنے والے سالکین جن کو اللہ تعالیٰ نے سلوک وتصوف کے راستہ کی توفیق عطا فرمائی وہ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں ، لیکن اس ناکارہ نے جب اس کو لکھنا شروع کیا تو وہ ایک کتابی شکل بن گئی اور جس چیز کو لکھنا تھا وہ اسی کتاب کے آخر میں جمع کیا ، بس حق تعالیٰ کا فضل اور اس کی مدد کے بغیر یہ مشکل تھا اور فخرِ مشائخ سلطانِ عارفین جن کی کامل ستائش سے قلم کی زبان قاصر ہے ، جن کے مکارمِ اخلاق تعریف سے بالاتر ہے ، جن کے باطن پر علماء ، خواص وعوام رشک کرتے ہیں اور ظاہر پر فاجر اور خدا سے غافل لوگ حسد کرتے ہیں ، پیر ومرشد اور میرے دین کے رہنما اور دنیا کے مقتدیٰ ، میرے آقا یعنی حضرت شیخ مولانا اسماعیل واڈی صاحب دامت برکاتہم حق تعالیٰ ان کو ہمیشہ ارشاد وہدایت کے ساتھ صحیح سالم رکھیں ، خاص توجہ وعنایت اس فقیر پر ان کی رہی ہے ، جس کی برکت سے یہ فقیر اس کتاب کی تکمیل پر پہنچا ، ورنہ مجھ میں یہ قابلیت نہ تھی اور ہم اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتے ۔ امید ہے کہ حضرت ممدوح خصوصاً اور ناظرین عموماً

اس ناکارہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے، اور ناظرین کو جو غلطی نظر آئے اس کی اصلاح فرمائیں گے، کیوں کہ ہم اپنے آپ کو لغزشوں سے بری نہیں سمجھتے، باقی حاسدین کے حسد اور چشم عیب بین کی کوئی پرواہ نہیں ہے، کیوں کہ ان کے حسد اور ان کی عیب بینی کا نقصان انہیں کی گردن پر ہے۔اس کتاب کے لکھنے سے میرا مقصود وہی ہے، اگر کوئی مخلص سچے دل سے اس کا مطالعہ (پڑھے) کرے اور حق تعالیٰ اس کو معرفت حقیقی عطا فرمائے اور اتنا یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تمام چیزوں سے بالکل پاک ہے اور گناہوں کی نجاستوں میں آلودہ شخص ان کی بارگاہ کے لائق نہیں اور وہ اپنے بندوں سے اپنی محبت اور عبادت چاہتے ہیں، گناہوں اور ممنوعاتِ شرعیہ سے منع فرماتے ہیں۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے ابن آدم! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، تو بھی تو مجھ سے محبت کر'' اور زبان حال سے یہ فرماتے ہیں کہ ''اے ابن آدم! میں تیرا لازمی چارہ کار ہوں، یعنی میرے سوا تیرے لیے کوئی دوسرا چارہ کار نہیں کہ تو اپنے لازمی چارہ کار کا دامن مضبوط پکڑ لے اور میں تجھ کو ہر چیز سے کفایت کرتا ہوں اور مجھ سے تجھ کو کوئی چیز کافی نہیں ہے (یعنی میں ہر چیز کا بدل ہوں اور کوئی چیز میرا بدل نہیں ہے) بس اس علم ویقین کے بعد طلبِ نجات کے لیے ہمت باندھ کر ظاہر وباطن کے تزکیہ (صفائی) میں مشغول ہو جا اور دھیرے دھیرے راہِ حق کے سلوک کو اختیار کر لے، تاکہ مقرب ہو جائے اور اس حدیثِ قدسی کے مطابق ''میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں'' بارگاہِ حق تعالیٰ کے ساتھ انس وہم نشینی حاصل ہو جائے، حق تعالیٰ مجھ کو ہر نامناسب چیز سے محفوظ رکھے اور اچھی توفیق عطا فرمائے۔

حق تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ جس نے ابتداء کی توفیق بخشی، اسی طرح خوبی کے ساتھ انجام پر پہنچایا، چنانچہ حق تعالیٰ نے اس سیاہکار کے دل میں اس کتاب کا نام بھی

ڈال دیا، اس وجہ سے اس کا نام ''تربیت السالکین'' رکھا۔ ناظرین سے یہ درخواست ہے کہ جو حضرات اس سے نفع اٹھائے اس سیاہکار فقیر کے لیے دعا فرمادے کہ حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہو اور مرضیات الٰہی پر چلائے ،حق تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت پر خاتمہ کے ساتھ دنیا چھوٹے۔

کمترین خلائق

فقیر یوسف احمد نقشبندی

جمعہ: ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء

حمد حق تعالیٰ

لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه
لا موجود إلا اللّٰه   لا مشهود إلا اللّٰه
لا مقصود إلا اللّٰه   لا معبود إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه
وہ ہے منزہ شرکت سے   پاک سکون حرکت سے
کام ہے اس کے حکمت سے   کرتا ہے سب قدرت سے
لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه
اللہ واحد یکتا ہے   ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے   ایک ہی سب کی سنتا ہے
لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه
میں ہوں بندہ وہ مولیٰ   کون ہے اپنا اس کے سوا
میں ہوں اس کا وہ ہے میرا   جس نے بنایا اور پالا
لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه
جز میں وہ کل میں وہ   رنگ وبوئے اُول میں وہ
افغانِ بلبل میں وہ   نغمہ دے کل کل میں وہ
لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه
مولیٰ دل کا زنگ چھڑا   قلب ِنوری پائے چرا
دل کو کردے آئینہ   جس میں چمکے یہ کلمہ
لا إله إلا اللّٰه   لا إله إلا اللّٰه
لا إله إلا اللّٰه   محمد رسول اللّٰه

اللّٰہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالکین اس کو کہتے ہیں تہذیب، اخلاق کے بخل وحسد، ریا اور کبر وغیرہ تمام اخلاقِ رذیلہ دور کر کے سخاوت و اخلاص، تواضع و عاجزی وغیرہ اخلاقِ پسندیدہ حاصل کرے، طریقت وصوفیاء کی اصطلاح میں مقامات ومنازل الی اللہ طے کرنے والے کو کہتے ہیں۔

اصلاح قلب (دل) و باطن کی اہمیت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ ﴾ یعنی (فلاح (کامیاب) پا گیا وہ بندہ جو ستھرا (صاف) ہوا)۔ اور حدیث میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ''تحقیق جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اچھا (صحیح) ہے تو تمام جسم اچھا (صحیح) ہوتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو کہ وہ ٹکڑا دل ہے''۔

تشریح: حدیث میں قلب (دل) کو ''مُضْغَۃٌ'' فرمایا، دل کو ''مُضْغَۃٌ'' سے اس لیے تعبیر فرمایا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ جسم کے مقابلہ میں دل بہت چھوٹا ہے، لیکن قالب (بدن، جسم) کی اصلاح اور فساد (بگاڑ) قلب (دل) کے تابع ہے، " القلب سلطان البدن لما صلح السلطان صلحت الرعية " یعنی (اس لیے قلب (دل) جسم کا بادشاہ ہے، جب بادشاہ صحیح ہوگا تو رعیت بھی صحیح ہوگی (إذا صلحت) " أي: نورت بالإيمان والعرفان والإيقان " یعنی'' جب دل منور (روشن) ہو جائے، نور ایمان، نور عرفان اور نور ایقان سے (صلح الجسد) " أي: اعضائه كله بالأعمال ول الأخلاق والأحوال " یعنی '' جسم کے اعضاء سے اعمالِ صالحہ، اخلاق حمیدہ اور احوالِ جمیلہ ظاہر ہوں گے (وإذا فسدت) " أي: إذا تلفت وظلمت بالجحود والشك والكفران " یعنی'' جب قلب (دل)

برباد (بگڑ) ہوجائے ظلمتوں سے جو داور شک اور کفر سے‘‘ (فسدت جسد كله) ” أي: بالفجور والعصيان “ یعنی ’’جسم فاسد (خراب) ہوگا، نافرمانی سے گناہوں سے‘‘۔

(مرقات، ج۲)

پس! یعنی ہر شخص پر واجب ہے کہ قلب (دل) کی نگرانی رکھے۔علماء کا اجماع ہے کہ یہ حدیث جو اوپر گزری عظیم الشان ہے اور کثیر الفوائد ہے، اور یہ حدیث ان تین احادیث میں سے ایک ہے، جن پر اسلام کا دارومدار ہے۔ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث ثلث اسلام ہے، یعنی اس میں تہائی اسلام ہے۔

شیخ کی ضرورت

پس! سالک کو چاہیے کہ ایسے شیخ سے تعلق پیدا کرے جو اس کی ہر بات کی نگرانی کرے اور توحید صحیح کرنے والے عقائد تعلیم کرے۔مِثل مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر (شیخ) نہ ہو اس کا پیر (شیخ) شیطان ہے، اس کا مطلب بھی ایسا ہی ہے کہ جس کا کوئی رہبر نہ ہو، یعنی نہ ذاتی علم رکھتا ہو کہ راستہ دیکھ سکے اور نہ مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو کہ وہ راہِ حق دکھا سکے، تو ایسے شخص کو شیطان گمراہ بنا دیتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ﴾ یعنی (اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔اور جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ” أن أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم “ یعنی (میرے صحابہ ستاروں کے مانند (طرح) ہے جس کی بھی تم پیروی کرلوگے راستہ پالوگے) اس سے معلوم ہوا راہیابی (راستہ چلنے) کے لیے کسی اہل حق کو مقتدیٰ بنانا ضروری ہے، تاکہ اس کی پیروی سے (اطاعت) منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ” الشيخ في جماعته كالنبي في أمته“ یعنی (شیخ اپنی جماعت

میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں) اس کا مطلب یہی ہے کہ شیخ کامل نائب بن کر نبوت کی خدمت انجام دیتا ہے اور اپنی جماعت کو راہِ حق دکھاتا ہے اور گمراہیوں سے ڈراتا ہے۔

نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شیخ کی عظمت ظاہری موٹاپن (جاڑا) اور قوت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ عقل، فہم اور طریقۂ نجات میں تجربہ کار ہونے کے سبب سے ہے، اسی لیے بہت سے وہ غریب ونادار اور وہ جن کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، باعزت مشائخ بن چکے ہیں۔ پس شیخ کسی صورت، شکل کا اور کسی ذات یا قوم کا کیوں نہ ہو، مگر وہ ہونا چاہیے، جو طریقۂ حق پر چل رہا ہو، طریقت کی کسوٹی قرآن اور سنت و اجماعِ امت ہے۔ سو ایسے شخص کی بیعت کا کیا پوچھنا، صحبت بھی نعمت ہے۔ مرید ہونے والے پر لازم ہے کہ شیخ کامل کی تلاش کرے اور خوب جانچے کہ یہ شیخ شیخ بنانے کے لائق ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بہت سے طالب (مرید ہونے والے) اس راستہ میں بد دینوں کا اتباع کر کے گمراہ ہو چکے ہیں، بلکہ سچ پوچھو تو اس راستہ میں اکثر بربادی صرف اسی کی بدولت آتی ہے کہ شیخ کامل کی تلاش پوری نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو شیطان پکار کر کہے گا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوٓا أَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی اے لوگو! (بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا (کہ نیک کام کرو گے تو جنت ملے گی اور رسولوں کا کہنا نہ مانو گے تو جہنم میں جاؤ گے) اور ایک جھوٹا وعدہ تم سے میں نے بھی کیا تھا (کہ شریعت کی قید سے آزاد بنو گے تو مزے میں رہو گے اور حشر وحساب کتاب کے قصوں میں پڑو گے تو ذلیل وخوار بنو گے) سو میں نے اپنے وعدہ کے صحیح ہونے پر تمہارے سامنے کوئی سچی دلیل پیش نہیں کی تھی؟ اور صرف بلانے کے اپنے اتباع پر تم کو مجبور نہیں کیا تھا؟۔ سو تم نے میری جھوٹی پکار کو قبول کیا اور بہ رضاء و رغبت میرے پیچھے لگ گئے، جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہو، پس مجھے کیوں ملامت کرتے ہو، اپنے آپ کو ملامت کرو کہ وعدہ برحق سے تم ہی نے منھ

پھیرا تھا'' اس سے معلوم ہوا کہ قابل اتباع شیخ کی تلاش میں کوتاہی کی بدولت انسانی صورت میں شیطان کے پیچھے لگ گئے، جس کی ندامت قیامت کے دن اٹھانی پڑی، اس وقت پریشانی وافسوس سے کچھ نفع نہیں۔

پس! اچھی طرح جان لو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی خصوصاً اطاعت فرض ہے۔ نیز امت کا اس پر اجماع ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ قرآن میں بندوں پر فرض فرمایا ہے اور جو کچھ حدیث سے ثبوت کے درجہ پر پہنچ گیا ہے، اس کی فرضیت اور وجوب بندوں پر لازم ہے، اور عقل وحواس ہوتے ہوئے ولی ہو یا صدیق، کیسے ہی مرتبۂ کمال پر کیوں نہ پہنچا ہوا ہو، کسی حال میں بھی کسی کو اس سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں اور نہ کمی بیشی کا کسی کو اختیار ہے اور سالک کسی مقام پر کیوں نہ پہنچے، شریعت کا ادب اس سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

شیخ کیسا ہونا چاہیے

کتاب وسنت کے موافق عقائد رکھتا ہو اور طریقت وحقیقت کے علم کا بھی ماہر ہو، پانچ نمازیں سب کے نزدیک فرض ہیں، اگر اختلاف ہے تو جزئی فروع میں کہ کسی کے نزدیک تکبیرات میں رفع یدین سنت ہے اور کسی کے نزدیک نہیں، اور جس نے اصول میں غلطی کی وہ گمراہ ہوگیا اور اس گمراہی سے نجات ملنا کتاب وسنت اور اجماعِ امت کا اتباع کئے بغیر ناممکن ہے، اور فروع میں اختلاف ہونا موجبِ رحمت اور امت پر وسعت ہے، چنانچہ مجتہدین کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے کہ اجتہادی غلطی پر بھی ایک ثواب کا وعدہ ہے اور اگر اجتہاد سے وہ حکم نکل آیا جو عند اللہ صواب اور حق ہے، تب تو دہرا اجر ملے گا۔ پس جس شیخ کا یہ مذہب ہے وہ بے شک شیخ بنانے کے قابل ہے۔

اگر علمائے وقت بعض اہلِ علم اور سمجھدار صلحاء اور بوڑھے جوان، اہلِ دانش اس سے فیض بھی حاصل کرتے ہوں، دینی محبت رکھتے ہوں اور طریقت وحقیقت میں مستند تسلیم

کرتے ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ درحقیقت وہ راہِ حق کا ماہر ہے، پس اس کا دامن پکڑ لینا چاہیے اور جب اس سے بیعت کرلے تو دل سے اس کا فرمابردار بن جانا اور توحید مطلب کے ساتھ اس کی اطاعت کا حلقہ کان میں پہن لینا چاہیے۔

توحیدِ مطلب

توحیدِ مطلب اس کو کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق (بارے میں) اس کا یقین یہ ہونا چاہیے کہ دنیا میں اس کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک (مقصد تک) کوئی نہیں پہنچا سکتا، اور گو اس زمانہ میں دوسرے مشائخ بھی ہوں اور انہیں اوصافِ کاملہ سے متصف بھی، مگر میرا منزل مقصود پر پہنچنا اسی ایک کی بدولت ہوگا۔ سو توحیدِ مطلب سلوک کا بڑا رکن ہے اور جس کو یہ حاصل نہ ہوگا وہ پراگندہ، پریشان اور ہرجائی بنا پھرے گا، اور کسی جنگل میں بھٹکتا ہوا کیوں نہ مرجائے، حق تعالیٰ کو بھی اس کی مطلق پرواہ نہ ہوگی۔ پس! مشائخِ زمانے میں ہر شخص کے بارے میں یہ سمجھنا کے یہ بھی میری پیاس بجھا کر مطلب تک پہنچا سکتا ہے، سلوک کے لیے مضر (نقصان دہ) ہے، بلکہ جس طرح حق ایک اور قبلہ ایک ہے، اسی طرح رہبر شیخ بھی ایک ہی کو سمجھے، ورنہ بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، اور اسی میں بہت سے تباہ ہو گئے۔ سو اگر اس کا وسوسہ بھی آیا کہ عالَم (دنیا) میں اس شیخ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی مجھ کو مطلب تک پہنچا سکتا ہے، تو ضرور شیطان اس پر قبضہ جمائے گا، اور لغزش (غلطی) میں ڈال دے گا۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے شیطان کسی پیر کی صورت بن کر آئے گا اور چونکہ اس کا ضعیف قلب (کمزور دل) ہر شیخ کی طرف رہبری کا یقین کر لیتا ہے، اس لیے شیطان کو پیر بنا ہوا دیکھ کر اس کی طرف بھی جھکے گا اور وہ اس پر اپنا رنگ جما کر ایسا تسلط کر لے گا کہ پھر چھٹکارا مشکل ہے۔ غرض اس کو تباہ کر دے گا اور ایسے شُعبدے (داؤ) دکھلائے گا کہ اس کا عقیدہ

باطل پر جما دے گا اور چونکہ توحیدِ مطلب حاصل ہونے پر شیطان کو راہ نہیں ملتی اور وہ اس کے شیخ کی صورت بن نہیں سکتا، کیوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''شیخ اپنے مریدوں میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں'' یہ حدیث آگے آچکی۔اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند فرمایا کہ پس شیطان لعین جس طرح جناب رسالت مآب ﷺ کی شکل نہیں بن سکتا، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''من رَآني في المَنام فقَد رَآني فإنّ الشيطان لا يَتَمَثَّلُ بي '' (جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے واقع مجھ ہی کو دیکھا، کیوں کہ شیطان میری شکل ہرگز نہیں بنا سکتا) اسی طرح شیطان متبع شریعتِ محمدیہ شیخ کی صورت بھی نہیں بنا سکتا، پس مرید محفوظ رہتا ہے۔

علم کی ضرورت

ظاہر ہے کہ صوفیاء کے علوم کیفیات ہیں اور حالات نتیجہ ہیں اعمال کا۔ پس جب تک اعمال درست نہ ہوں گے تو حالات کیوں کر پیدا ہوں گے، اسی لیے صوفیاء نے فرمایا ہے کو جو شخص درود و وظائف سے محروم ہے وہ واردات و حالات سے بھی بے بہرہ ہے۔ اور ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس عمل سے دنیا میں حضورِ قلب وخضوع کی حالت نہ پیدا ہو، وہ آخرت میں بھی نافع نہ ہوگا اور عمل کی درستی (صحیح) کے لیے علم ضروری ہے، خصوصاً علم فقہ کہ نماز، روزہ وغیرہ عبادت میں سنت وفرض اور واجب ومستحب معلوم کرے اور معاملات میں حرام وحلال اور مکروہ کو جانے، پس سالک کے لیے ضروری ہے کہ عقائد صحیح کرنے کے بعد سب سے پہلے جس قدر ممکن ہو مسائل فقہ معلوم کرے۔بعض صوفیاء کا قول ہے کہ عمل بغیر علم کے سقیم و بیمار ہے اور علم بلا اعمال کے عقیم (بانجھ) و بیکار ہے۔
جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: کہ ''علم دین کی طلب ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے'' صوفیائے کرام نے عمل کرنا علم کو تمام اعمال میں افضل قرار دیا ہے، کیوں کہ عمل کرنا علم ہی پر موقوف ہے اور بسا اوقات بے علم شخص کبھی عقیدہ میں غلطی کھاتا ہے اور بدعت کو

سنت اور باطل کو حق سمجھ بیٹھتا ہے ، چنانچہ بہت سے فرقے ڈاڑھی کو منڈاتے ہیں اور لوہے کے حلقہ کو چوڑیاں طوق بنا کر پہنتے ہیں اور دوسرے امور قبیحہ اپنا طریقہ بنا لیتے ہیں اوراس کو وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچانا) کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں اور کبھی بے علم شخص عمل میں لغزش (غلطی) کھاتا ہے ، کہ اطاعت اس کی برباد ہوجاتی ہے اور بے علمی کے سبب اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ عمل برباد اور محنت ضائع جارہی ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ صحیح اور خالص عمل قبول فرماتے ہیں اور کوئی عمل جب تک شریعت کے مطابق نہ ہو خالص اور درست نہیں ہوسکتا ۔

خلاصہ یہ ہے کہ عمل کی درستی علم کے بغیر ہوہی نہیں سکتی اور جو اس کے خلاف سمجھا ہوا ہو وہ بھی اس کے جہل ہی کی خرابی ہے کہ علم کی ضرورت بھی علم کے بغیر سمجھنی دشوار ہے ، اسی لیے سہیل تشتری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متکبر و غافل اور کمزور دین والے قاری اور جاہل صوفی کی صحبت سے تیر کی طرح بھاگنا چاہیے ، ان کے پاس بیٹھنا بھی دینی نقصان سے خالی نہیں ہے ۔

نصیحت

مرید کو چاہیے کہ صادق ہو یعنی ظاہر و باطن اور خلوت وجلوت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھے اور ہر حال میں حق تعالیٰ کا طلب گار رہے ۔ بدن ، عقل ، نفس ، سر ، قلب (دل) اور روح سب میں اخلاص کی شان ہو کہ سارے حرکات وسکنات اور تمام افعال واقوال (جو بھی کام اور جو بھی بات کہے) خدا تعالیٰ ہی کے لیے ہو ، پس ان دونوں شرطوں ، یعنی صدق واخلاص کے حاصل ہو جانے پر قوی امید ہے کہ معرفتِ وصول حاصل ہو ، چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ، فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے حق تعالیٰ فرماتے ہیں : ” من طلبني فقد وجدني و من طلب غيري

فلم یجدني " یعنی (جس نے مجھ کوطلب (چاہا) کیا تو پا لیا اورجس نے میرے سوا غیر کو طلب (چاہا) کیا وہ مجھے نہیں پا تا) ۔

اسی حدیث کی وجہ سے طالبوں اور عاشقوں کو بہت کچھ امید بندھ گئی ہے ، کیوں کہ حق تعالیٰ نے طلب کو اپنی ذات پاک کی طرف منسوب فرمایا ہے ، البتہ اخلاق اور صدق اور پختہ و کامل ارادہ ہونا شرط ہے ،صوفیاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ توحید کامل یہ ہے کہ بجز خدا کے نہ کسی کا ذکر کرے ، نہ بجز اس کے دوسرے کا علم ہو ، اور نہ اس کے سوا کسی کو محبوب سمجھے اور حق تعالیٰ کی محبت اس کی ذاتِ پاک کے واسطے ہو ، یعنی نہ جنت کی طمع (لالچ) ہو ، نہ دوزخ کے خوف سے ، بلکہ اس وجہ سے ہو کہ اس کی ذات خود ہی محبوب بننے کی مستحق ہے ، اور یہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مؤمنین کی شان یہ ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور عذاب سے ڈرتے ہیں ، تو یہ عام مسلمانوں کی حالت بیان فرمائی ہے ، کہ کیا تم نے قرآن مجید میں دیکھا نہیں کہ خواص کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے ، '' وہ پیغام خداوندی مخلوق کو پہنچاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور بجز اس کے کسی چیز سے بھی حراساں نہیں ہوتے '' ۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دعا مانگی ہے کہ '' یا اللہ ! میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں '' اور ایسی مثالیں قرآن وحدیث میں بہت ہے ، جن سے صوفیاء کا مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے (دوزخ اور جنت طمع کی چیز نہیں ، بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات محبوب ہو اور اسی سے ڈرا جائے) ۔

نصیحت : اللہ تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہنا

جان لے کہ طالبِ حق کو چاہیے کہ رنج ہو یا غم اور تنگی ہو یا فراخی (یعنی غم پہنچے یا خوشی مالداری ہو یا غریبی) ہر حالت میں حق تعالیٰ کا وصال کا طلب گار ہو اور اس کی ملاقات کا

مشتاق رہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنت کی طرف اوّل وہ لوگ بلائے جائیں گے، جو رنج و راحت ہر حال میں حق تعالیٰ کی حمد و شکر کرتے تھے، کیوں کہ ہر حالت میں حق تعالیٰ کا طالب (چاہنا) رہنا محبت کے سچے ہونے کی دلیل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دوست بناتا ہے تو اس کو مبتلاء (امتحان مصیبتوں سے، پریشانی سے) فرماتے ہیں، پس اگر صابر رہا تو برگزیدہ (پیارا) کر لیتا ہے اور اگر راضی بنتا ہے (کہ رضا کا درجہ صبر سے بھی اونچا ہے) تو منتخب (چن کرکے) فرما کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کی عبادت رضامندی کے ساتھ کرو (کہ دل بھی اندر سے خوش اور بشاش رہے) اور اگر رضا نہ ہو تو نفس کے خلاف باتوں میں صبر بھی بہت کچھ بھلائی ہے۔ نیز حضور ﷺ نے ایک جماعت سے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم مؤمن ہیں۔ فخر دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور فراخی پر شکر کرتے ہیں اور رضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم کھاتا ہوں میں ربِ کعبہ کی کہ بے شک تم مؤمن ہو۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو یوں ارشاد فرمایا کہ ''یہ لوگ حکماء ہیں، علماء ہیں، اور قریب ہے کہ اپنے کمالِ فقاہت کے سبب انبیاء ہو جائیں''۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مصیبت بارگاہِ حق تعالیٰ سے ایک عافیت ہے، جو اس کی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے۔ اور سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر بلا و تکلیف حق تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتی تو بندوں کو حق تعالیٰ کی طرف راستہ نہ ہوتا۔

اور ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بلائیں محبّین کے لیے حق تعالیٰ کا تحفہ ہے اور ہدیہ ہے اور وصال کی چھپی زنجیروں کا ہلانا ہے۔

ابو یعقوب نہرپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا (عام لوگ) بَلاؤں سے فریاد مچاتی ہے اور اس کے دفع (دور ہونے) کی خواہاں ہوتی ہے اور عارف بَلاؤں میں لذت پاتا ہے اور اس کے ہٹنے کو ہرگز نہیں چاہتا۔

اور ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کا سچ اور جھوٹ مصیبت اور فراخی کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ فراخی میں ساکن رہا (اور شکر گزار ہو کر عبادت میں ترقی نہ کی) اور بَلاؤں میں ''ہائے ہو'' کرنے لگا۔

وصول کسے کہتے ہیں؟

وصول کا لفظ آگے گزر چکا، وصول اس کا نام ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندہ کے قلب (دل) پر اپنے نور سے نظر فرماوے اور یہ نور جو بندہ پر غلبہ پالیتا ہے حق تعالیٰ سے جدا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ نور بھی ایک صفت ہے حق تعالیٰ کی صفتوں میں سے اور بندہ اس کو نورِ الٰہی کی طاقت سے دیکھتا ہے، پس وصال کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ دنیا میں قلب (دل) سے مشاہدہ ہو اور آخرت میں آنکھ سے۔ اور جان لینا چاہیے کہ آخرت کی رؤیت (دیدار) بھی بلا کیف ہوگی، جیسا کہ دنیا کی توحید و معرفت اور علم و ایمان بلا کیف اور جب تک دنیا میں ایمان، کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے مطابق صحیح نہ ہوگا، آخرت کی رؤیت (دیدار) ہرگز نصیب نہ ہوگی اور جو شخص دنیا میں ایمان کی درستی سے محروم رہا، اس کا آخرت میں بھی بجز نقصان کے کوئی حصہ نہیں۔

اصولِ مقصد کے آٹھ اہم طریقے

اور ہدایت کو درست کرنے کے شرائط امام جنید رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر اصولِ مقصود کے لیے سب طریقوں میں قریب تر ہے، وہ آٹھ ہیں:

(۱) با وضو رہنا (۲) تقلیلِ طعام (۳) دوامِ سکوت (۴) دوامِ خلوت (۵) دوامِ ذکر اللہ (٦) دوامِ نفی خواطر (۷) دوامِ ربط قلب با شیخ اور اس سے علوم واقعات کا فائدہ اٹھانا، یہاں تک کہ اپنے تصرف کو شیخ کے تصرف میں فنا کردے، جیسے مردہ غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، اپنی ذاتی کوئی حرکت نہیں (۸) اور دوامِ ترک اعتراض خدا تعالیٰ پر ہر حال میں، خواہ نفع پہنچے یا تکلیف، یہاں تک کہ نفس کی راحت و تکلیف کے خیال سے جنت کا مانگنا اور آگ سے پناہ چاہنا بھی چھوڑ دے اور یہ سب موقوف ہے حق تعالیٰ کی توفیق پر جس کو توفیق نصیب فرماوے وہ خود جانتا اور سوچتا ہے کہ سب سے بڑی ضرورت حق تعالیٰ کو حاصل کرنے کی ہے، اب ان شرائط کو حق تعالیٰ کے فضل ومدد سے جدا جدا بیان کرتا ہوں۔

(۱) با وضو رہنا

پہلی شرط: ہمیشہ باوضو رہنا ہے، یہاں تک کہ ایک ساعت بھی بے وضو نہ رہے، اگر پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک تیمّم کرلے، چنانچہ آں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''استقامت یعنی مضبوطی اختیار کرو اور کاہل (سستی) نہ بنو اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے اور وضو کی محافظت (حفاظت) بجز مؤمن کے کوئی نہیں کرتا''۔

نیز ارشاد فرمایا: ''وضو مؤمن کا ہتھیار ہے''۔ مزید یوں فرمایا کہ: وضو پر وضو کرنا نورٌ علی نور ہے''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''دین کی بنیاد پاکی پر ہے''۔ نیز فرمایا کہ: ''نماز کی کنجی طہارت میں ہے''۔ اور فرمایا کہ ''طہارت نصف ایمان ہے''۔ پس چاہیے کہ ہر حالت میں، خواہ کھانا ہو یا پینا ہو اور سونا ہو یا بولنا، با طہارت اور باوضو رہے، تا کہ طہارتِ ظاہری کی برکت سے طہارتِ

باطنی حاصل ہو جائے اور اس کا سینہ صحیح بن جائے۔ اور جو شخص شریعت کے مطابق اپنے ظاہر کو پاک نہ رکھے گا، اس کا باطن ہرگز طریقت کے قابل نہ بنے گا۔

(۲) تقلیل طعام

دوسری شرط: یہ ہے کہ غذا کم کھائے، تا کہ پیٹ میں گرانی اور تکلیف نہ ہو اور بھوک کے سبب مر بھی نہ جائے، کیوں کہ بہت کھانا اور اسی طرح کم کھانا، جو ہلاکت کا سبب ہو دونوں ناپسند ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ ﴾ یعنی (خوب کھاؤ اور خوب پیو، مگر اسراف نہ کرو)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''بھرنے میں بنی آدم کے پیٹ بھرنے سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں'' کیوں کہ شہوت، حرص اور کینہ وغیرہ کی ساری بلائیں پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہے، پس! آدمی کو چند لقموں کی جن سے کمر سیدھی رکھ سکے کافی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو فرمایا تھا کہ اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھا کرو، اور اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے بدنوں کو (ستر کے علاوہ) ننگا رکھا کرو، تا کہ اس قابل بنو کہ اپنے رب کو اپنے دلوں سے دیکھ سکو۔

پس! درمیانی طبیعت کے لیے بہتر یہ ہے کہ اتنی مقدار کھائے کہ ڈکار نہ آئے، تا کہ معدہ کی گرانی سے عبادت میں خلل نہ پڑے، اور بھوک کی شدت سے کہ وہ بھی وقت کو مشغول رکھنے اور ذکر سے روکنے والی ہے، دونوں سے بچا رہے، مقصود یہ ہے کہ اتنا کھائے کہ کھانے کا اثر باقی نہ رہے، جلد ہضم ہو جائے۔

(۳) تقلیل کلام

تیسری شرط: یہ ہے کہ بجز ذکر وعبادت اور کارِ خیر کے سوا زبان نہ کھولے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ

کلام خیر کرے، یا چپ رہے''۔ نیز فرمایا ہے کہ آدمی آگ میں اونڈھے منھ ناک کے بَل ڈالے جائیں گے اور اس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اپنی زبانوں کی بوئی ہوئی کھیتی کو کاٹیں گے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: کہ'' ساری نیکی چار چیزوں میں ہے: '' کلام، سکوت، نظر، حرکت''، پس! ہر وہ'' کلام'' جو ذکر اللہ نہ ہو، بے ہودہ ہے۔ اور ہر وہ'' سکوت'' کے فکر میں نہ ہو، فراموشی ہے، اور ہر وہ'' نظر'' کے عبرت (کا سبب) نہ ہو غفلت ہے، اور ہر'' حرکت'' کے عبادت کے لیے نہ ہو، مستی ہے۔

رحم فرمائے اللہ تعالیٰ اس بندہ پر کہ اس کا کلام ذکر ہو اور سکوت فکر ہو اور نظر عبرت ہو اور حرکت عبادت ہو اور لوگوں کو اپنی زبان اور ہاتھ کے شر سے بچائے رکھے اور اپنے آپ کو جھوٹ اور نفاق سے امن میں رکھے۔ حق تعالیٰ شکایت کے موقع پر فرماتے ہیں: ﴿ يَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ یعنی (اپنی زبانوں سے اتنا کچھ کہتے ہیں، ہے ان کے دلوں میں اس میں سے کچھ بھی نہیں)۔

(۴) دوامِ خلوت

چوتھی شرط: دوامِ خلوت ہے اور خلوت کے یہ معنی ہیں کہ قلب (دل) کے باطنی حواس کھولنے کی غرض سے حواسِ ظاہری کو بند کرلے، تاکہ بیداری میں وہ چیز نظر آنے لگے، جن کو لوگ خواب میں دیکھتے ہیں اور قلب (دل) کے حواس بغیر ظاہری حواس بند کئے بغیر نہیں کھلتے، یہی وجہ ہے کہ خواب میں بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو بیداری میں نظر نہیں آتیں، کیوں کہ خواب میں حواسِ ظاہری بند ہوجاتے ہیں، پس اگر بیداری میں بھی حواسِ ظاہری بند ہو جائیں گے تو دل کے حواس کھل جائیں گے اور جو خواب میں نظر آتا ہے بیداری میں نظر آنے لگے گا اور یہی راز ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے پندرہ

سال پہلے سے خلوت کو پسند فرمایا کہ غارِ حراء میں ایک ایک ، دو دو ، ہفتے عبادت کرتے اور انوار کا مشاہدہ فرماتے تھے۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اس غار میں ایک ایک مہینہ تک تشریف رکھتے تھے ، پس چاہیے کہ مردانہ وارقوی ہمت رہے اور عالی ہمت میں قدم رکھے ، یہاں تک کہ جان تک سے دریغ نہ کرے ۔سست اور نامرد نہ بنے ، چاہیے کہ سچا عاشق بنے ،طبیعت کو شہوت سے پاک کرے ، دل کو تقویٰ سے سنوارے ،عقل کو ایمان سے اور اعضاء کو اطاعت سے مامور کرے۔

شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض الصالحین میں فرمایا ہے: فساد کے زمانہ میں اور فتنہ یا حرام یا شبہات وغیرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو گوشہ نشینی اختیار کرنا مستحب ہے ، نیز ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بخاری میں روایت ہے کہ ’’ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں گی ، ان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جائیں اور ان پر دین کے فتنوں سے محفوظ وسالم رہ کر (آبادی) سے بھاگ جائیں‘‘۔

عوارف المعارف میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ’’ عنقریب ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ اس میں کسی شخص کا دین سلامت نہ رہے گا ، بجز اس کے جو اپنے دین کو لیے ہوئے بھاگا پھرے ، ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سراخ سے دوسرے سراخ کی طرف ، جیسے لومڑی شکاری سے ڈرتی ہے اور بھاگتی پھرتی ہے ۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ! ﷺ ایسی حالت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب روزی بغیر گناہ کے حاصل نہ ہو سکے گی اور اس زمانہ میں نکاح نہ کرنا بھی حلال ہوگا۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ نکاح کا تو ہمیں حکم ہوا ہے پھر اس زمانہ میں اس کا چھوڑنا کس طرح جائز ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لیے کہ ان کے

دینوں میں آدمی کی ہلاکت ماں، باپ کے ہاتھ سے وقوع میں آئے گی اور کسی کے ماں، باپ اگر نہ ہوں گے تو بیوی کے ہاتھوں آئے گی اور یہ بھی نہ ہوگی تو اقرباء اور رشتہ داروں کے ہاتھوں تباہی چھائے گی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان لوگوں کے ہاتھوں کس طرح ظاہر ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خاندان والے اور رشتہ دار اس کو تنگیٔ معاش (روزی کی تنگی) پر غیرت دلائیں گے اور وہ غیرت کی وجہ سے حد سے بڑھے گا اور خوش حال (عیش و آرام) بننے کے لیے حرام اور گناہوں پر دلیر بن جائے گا اور اپنے آپ کو اور اپنے دین کو برباد کردے گا''۔

اے عزیز! کیا آج وہی زمانہ نہیں چل رہا ہے جس کو میرے محبوب ﷺ نے فرمایا تھا، جس وقت یہ حدیث اس فقیر نے سنائی اس وقت ایک نو جوان ہمارے سامنے بیٹھا ہوا تھا، یہی شکایت کی کہ اس کے ماں، باپ کی وجہ سے وہ حرام روزی پر مجبور ہوا، ایسے کتنے شخص ہوں گے، جو اپنے ماں، باپ اور بیوی کی وجہ سے حرام روزی پر آمادہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو اور دین کو برباد کر لیتے ہیں، " اللّٰھم احفظنا منھم "۔

خلوت اور ایک شبہ کا جواب

یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا رہے، اس شخص سے بہتر ہے جو صبر نہ کر سکنے کی وجہ سے خلوت میں بیٹھا رہے'' (جس سے بظاہر جلوت ملنا جُلنا کو خلوت پر فضیلت معلوم ہوتی ہے) تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان ریاضت اور تزکیہ سے نفس کو مہذب بنا چکا اور تسکین دے چکا ہو اور حق تعالیٰ اس کو صبر کا پہاڑ اور رضا کے دریا بنا چکا ہو، غصہ کا پینا، ایذا پر برداشت، وقار، پاک دامنی، سخاوت، جواں مردی، قناعت، پرہیزگاری حاصل ہو چکی ہو اور لالچ، غصہ، تکبر کا چھوڑ دینا اس کو حاصل ہو چکا ہو، ایسے شخص کا لوگوں سے ملنا، اختلاط رکھنا اور

ان کی ایذاؤں کا برداشت کرنا خلوت میں بیٹھے رہنے سے اولیٰ ہے ، کیوں کہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا اور باوجود جلوت کے اس کی خلوت میں کوئی نقصان لاحق نہ ہوگا اور جو شخص اس مرتبہ پر نہ پہنچا ہو ، بلکہ اس میں غصہ ، غیض وغضب وغیرہ اور شہوت ، حرص حبِ جاہ ومال وغیرہ باقی ہوتو ایسے شخص کے لیے حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہرگز نہیں ہے کہ اس کو لوگوں سے اختلاط (ملنا) رکھنا خلوت سے بہتر ہے ، بلکہ اس شخص کے لیے واجب ہے کہ خلوت میں رہے ، تاکہ اس کے اختلاط سے لوگوں کو ایذا نہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے بندہ اس کی شرارتوں ، مثلاً غیبت ، چغل خوری اور حسد وغیرہ سے محفوظ رہے ، اس لیے کہ غیر اصلاح ہوائے نفس شخص سے بجز ان باتوں کے کیا توقع ہوسکتی ہے اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ حدیث خود خلوت کی تائید کر رہی ہے ، کیوں کہ مومن کا تذکرہ ہے ، جس سے مراد مومن کامل ہو اور وہی ہے جو صالح وتزکیہ کر کے پاک ہو چکا ہو۔

اگر چہ کچھ لوگ اس کے معنی نہیں سمجھے اور اختلاط کو (ملنا جلنا) مطلقاً خلوت پر ترجیح دینے لگے ، مگر حضور ﷺ کا لفظ مومن کے ساتھ یہ قید بڑھانا کہ ''مخلوق کی ایذاؤں پر صبر کرے'' خود بتا رہا ہے کہ مومن مہذب و کامل مراد ہے ، پس اے طالب ! برائیوں اور ہوائے نفس کے چھوڑنے میں بہت کوشش کر ، تاکہ ظاہری و باطنی جمعیت نصیب ہو ۔ چنانچہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کامل وہی شخص ہے ، جس کے تقوی کی روشنی کو عوام سے ملنا جُلنا کوئی نقصان نہ پہنچا سکے ۔

پس ، اے عزیز ! کوشش کر ، تاکہ تیرے دل کی آنکھ کھل جائے اور انوارِ عظمتِ الٰہی کا مشاہدہ ہو اور جو شخص اندر کی صفائی باطن کی صفائی جلائے قلب کے اس مقام پر نہیں پہنچا اور مردانِ خدا کے مرتبہ میں نہیں آیا ، وہ اندھا ہے اگر چہ دونوں آنکھیں اس کی کھلی ہوئی ہوں اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ '' جو دنیا میں (مشاہدۂ حق سے) اندھا ہے وہ آخرت میں بھی زیارتِ رب سے اندھا ہوگا ، بلکہ اس سے بھی زیادہ راستہ بھٹکا ہوا '' ۔

پس! ہوش میں رہ اور اعتراض مت کر، کیوں کہ اصل خلوت کا ثبوت جنابِ نبی ﷺ کے فعل سے ہو گیا، اور اگر تیری فہم (سمجھ) خلوت کے اصرار تک نہ پہنچے تو تو اس نعمت کے لیے پیدا ہی نہیں ہوا، تو اس نعمت والوں پر طعن و اعتراض سے زبان کو تو محفوظ رکھ اور ان حضرات پر حسد مت کر، کہ خلوت والا تو اپنے ظاہری اور باطنی حواس کو گناہوں سے اور اپنے پیٹ کو دین محفوظ رکھنے کے لیے حرام اور مشتبہات سے محفوظ رکھتا ہے اور حق تعالیٰ سے ڈر کر خلوت کو اختیار کرتا ہے اور تو ان باتوں سے منع کرتا ہے اور مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ حفاظتِ دین کی سعی کرنے والوں کو پریشانی پہنچائے اور ترس کھا اپنے اوپر اور اپنے دین پر کہ دین کی حفاظت سے دوسروں کو باز رکھتا ہے، جو صریح بد دینی ہے اور بہت سے مرید ایسے ہیں کہ خلوت کے بغیر ان کو دین اور دین کی حفاظت حاصل نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

(۵) دوامِ ذکر

پانچویں شرط: یہ ہے کہ ذکر زبانی اس کے معنی کو دل میں ظاہر کر کے پوری شدت اور طاقت کے ساتھ آہستہ یا آواز سے جیسا بھی اس کو اپنے شیخ نے تلقین کیا ہو ہمیشہ کرتا رہے، یہاں تک کہ ذکر کا اثر اس کی رگوں میں پہنچ جائے اور سب سے بہتر ذکر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "لا إله إلا الله" ہے حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسی کلمہ کو معلوم کرنے کو ارشاد فرمایا، چنانچہ فرمایا: "فاعلم أنه لا إله إلا الله" یعنی (پس جان لو اے محمد! ﷺ کہ کوئی معبود نہیں بجز حق تعالیٰ کی ذات کے'' اور جب ذکر کرنے والا ایک مدت تک پورے حضور اور کامل تعظیم کے ساتھ ذکر زبانی پر پابندی رکھتا ہے تو ذکر کے ساتھ ذکر قلبی اور ذکر کے ساتھ دل کا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ o ﴾ یعنی (آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب (دل) اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے قرار واطمینان پاتے ہیں)۔

دل کی اصلاح کا طریقہ ذکر وفکر

جان لو کہ حق تعالیٰ اصلاح ذکر کے ذریعہ سے فرماتے ہیں، اس لیے کہ قلب (دل) کا مطلوب ومحبوب حق تعالیٰ اور اس کی صفت کا ذکر ہے، پس اپنے محبوب کے ذکر سے دل غذا اور قوت پاتا ہے اور پاک ومنور ومصفّٰی ومقرب بن جاتا ہے اور جس قلب کو حق تعالیٰ محبوب بناتا ہے اور اپنا تقرب بخشتا ہے، ولایت کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے، اوّل اس قلب (دل) پر اپنا ذکر مسلسل فرماتا ہے، تاکہ اس ذکر کی روشنی سے دل پاک اور نورانی بن جائے، اور تمام اذکار میں کلمۂ طیبہ کہ خاص توحید کے لیے ہے، سب سے مفید تر ہے۔

سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جنت تو بدلہ ہے تمام اعمال کا اور کلمہ " لا اله " بجز دیدار حق سبحانہٗ کے کوئی جزا نہیں ہوسکتی، یہی کلمہ ہے جس کو اگر کافر پڑھ لے تو اس کے کفر کی ظلمت دور ہو جائے اور اس کے دل میں مومن کا نور پیدا ہو جائے اور اگر مسلمان کہے تو گویا دن میں ہزار بار کہے، ہر دفعہ اس کے کہنے سے کچھ نہ کچھ کثافت ضرور دور ہوگی، اور اس کا مرتبہ بلند کرے گا اور حق تعالیٰ کے مرتبۂ علمی کی کچھ انتہاء نہیں، اس لیے اگر بے انتہا بھی پڑھے گا تو بے انتہا مراتب پائے گا۔

بعض صوفیاء نے کہا کہ " لا إله " کہنے والے کو چار چیزیں ضرور حاصل ہونی چاہیے : ایک تصدیق (کہ دل سے بھی حق تعالیٰ کے ساتھ معبودیت کو خاص سمجھے، ورنہ اس کے بغیر کلمۂ توحید کا اقرار نفاق ہے) دوسرا اس ذکر کی تعظیم، کہ اس کو سب سے بڑا سمجھے، ورنہ بدعتی ہے۔ تیسرا اس ذکر میں حلاوت وشرینی حاصل ہو، ورنہ ریا ہے۔ چوتھا اس ذکر کا احترام کرے اور اگر احترام نہ کرے گا تو فاسق ہے۔

کلمۂ طیبہ کے فضائل

جان لے کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ عبادت میں ریا ہوسکتا ہے اور صدقہ میں مشتبہ مال کی آمیزش بھی ہوسکتی ہے، مگر کلمۂ طیبہ کو کوئی ایمان والا اخلاص کے بغیر نہ کہے گا، جو شخص صدق واخلاص کے بغیر کہے گا وہ صاحبِ ایمان ہی نہیں، بلکہ منافق ہے کہ عذابِ آخرت سے کافروں کی طرح کبھی نجات نہ پائے گا اور ہماری گفتگو ایمان والوں کی عبادت میں ہو رہی ہے، پس مومن کے کلمۂ توحید میں ریا نہیں ہوسکتا، برخلاف مومن کی اور عبادتوں کے، کہ سب میں ریا ممکن ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دے گا اور عرش کے نیچے سے ہاتف غیبی آواز دے گا کہ اے جنت اور اے جنت کی نعمتوں! بتاؤ تم کس کے لیے ہو؟ پس جنت اور اس کی نعمتیں جواب دے گی کہ ہم " لا اله الا اللّٰه " والوں کے سوا کسی کے خواہاں نہیں اور ہم میں بجز " لا اله الا اللّٰه " والوں کے کوئی داخل نہیں ہوگا اور جس نے " لا اله الا اللّٰه "نہیں کہا ہم اس پر حرام ہیں اور اس وقت دوزخ اور اس کا عذاب یوں کہے گا کہ میرے اندر بجز " لا اله الا اللّٰه "کو جھٹلانے والوں کے میں کسی کی خواہ نہیں ہوں اور " لا اله الا اللّٰه " کہنے والے پر میں حرام ہوں اور میں نہ بھروں گی، مگر " لا إله إلا اللّٰه " کے منکر سے اور میرا غصہ اور شور اسی پر ہے جس نے انکار کیا، اس کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت یوں کہتی ہوئی آئے گی کہ میں " لا اله الا اللّٰه " والوں کے لیے ہوں اور " لا اله الا اللّٰه " کہنے والے کی مددگار ہوں اور میری عنایتیں " لا اله الا اللّٰه " کہنے والوں ہی پر ہیں اور میں " لا اله الا اللّٰه " کہنے والوں ہی کی محبّ ہوں اور جنت " لا اله الا اللّٰه " کہنے والوں پر حلال ہے اور " لا اله الا اللّٰه "نہ کہنے والوں پر حرام ہے۔

ذکر اللہ کے فضائل

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ ﴾ یعنی (اگر تم مجھ کو یاد کرتے ہو میں تم کو یاد کرتا ہوں) اسی مقام سے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط کر کے فرمایا ہے کہ مجھ کو معلوم ہے، جب حق تعالیٰ مجھے یاد فرماتے ہیں، لوگوں نے پوچھا کہ یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ جب میں اس کو یاد کرتا ہوں تو جان جاتا ہوں کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے نزدیک افضل مرتبہ والا کونسا عابد ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کثرت سے ذکر کرنے والا'' میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی زیادہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر غازی تلوار کے ساتھ کافروں سے قتال کرے، یہاں تک کہ اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے اور وہ زخم کھا کر خون میں رنگ جائے، تب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شخص درجہ میں اس سے بہتر ہوگا۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چلو لپکو اے لوگو! کہ " لُفَرِّضُوْنَ " آگے بڑھ گئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ " لُفَرِّضُوْنَ " کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر پر بہت حرص کرنے والے کہ ذکر نے ان کے گناہوں کا بوجھ ان سے دور کر دیا، پس قیامت کے دن وہ لوگ ہلکے پھلکے آئیں گے''۔

پس سن لے اے عزیز! بصیرت والوں پر منکشف ہو چکا ہے کہ ذکر تمام اعمال میں بہتر ہے اور اسی سبب سے ذکر کی شان بہت اونچی ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ﴾ یعنی (واقعی اللہ کا ذکر بہت برتر ہے)۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کا تم کو یاد کرنا تمہارے حق تعالیٰ کو یاد کرنے سے برتر ہے، اور بہتر ہے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد تمام عبادتوں سے بڑی عنایت ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اپنا ہونٹ میرے ذکر سے ہلاتا رہتا ہے، میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں، اور ذکر سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت ومحبت اور فنا و بقائے حق تعالیٰ تک پہنچ جائے اور توحید اور ایمان میں کمال حاصل ہو جائے، حق تعالیٰ تمہیں اور ہمیں نصیب فرماوے۔ آمین

ذکر اللہ کے آداب وشرائط

پس! جان لو کہ ذکر کے کچھ آداب اور شرائط ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے، تا کہ اس سے برکات وفوائد حاصل ہو۔ اس کی شرائط میں سے یہ ہے کہ (ا) بہترین ذکر نفی اثبات یعنی " لا إله إلا الله " ہے، نیز شرط یہ ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے بدن، کپڑے اور اپنی جگہ کو پاک کرے اور وضو وغسل سے پاکی حاصل کر کے اپنے کپڑے پر تھوڑی خوشبو بھی لگائے اور چار زانوں قبلہ روخ بیٹھے، اور دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں کے قریب رکھے، یا داہنے ہاتھ کی پشت کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پکڑے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا باہر کا حصہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ سے پکڑے، اس طرز کو علمی نے اپنی کتاب میں فخر عالم ﷺ کا طریقہ بیان کیا ہے، '' اس کے بعد آنکھ بند کر کے آہستہ یا درمیانی آواز سے جس طرح بھی شیخ نے بتایا ہو، دل کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھ کر " لا إله إلا الله " کو اس طرح کہے کہ اپنے دل کے اندر سے پوری طاقت کے ساتھ سارے خیالات دور کر کے اللہ کے غیر کو دل سے نکالے اور " إلَّا الله " کو پوری طاقت کے ساتھ دل میں پہنچائے، یہاں تک کہ اس کلمہ کا حاصل معنی یہ ہوں کہ کوئی چیز بھی موجود نہیں، بجز حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے۔

(۲) ذکر کے لیے یہ شرط ہے کہ ذکر کو صاحبِ تلقین اہل ذکر شیخ سے حاصل کرے، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ سے حاصل کیا، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین رحمہم اللہ ایک شیخ سے دوسرے شیخ، اس زمانہ تک لوگوں کو اس کلمہ کی تلقین فرماتے رہے۔

جان لے تقلیدی ذکر اور چیز ہے اور تحقیقی ذکر دوسری چیز ہے، پس عام لوگوں یا ماں، باپ اور بھائیوں کے منھ سے سن سنا کر جو یاد کر لیتے ہیں، یہ تو ذکر تقلیدی اور یہ ذکر اگرچہ شیطان کو دفع کرتا ہے اور ایمان ضرور بخشتا ہے، مگر اتنی حمایت نہیں کر سکتا کہ ذکر کرنے والے کو ولایت وقرب کے اس مرتبہ پر پہنچادے، جہاں ذکر تحقیقی پہنچتا ہے، پس وہ ذکر جو ایسے صاحبِ تلقین شیخ سے حاصل کیا ہو، جس کا سلسلہ فخر عالم ﷺ تک مسلسل ہو وہ تحقیقی ہے اور یہی ذکر مرید کے باطن میں تصرف کرتا ہے اور اس ذکر کا درخت تلقین کے واسطے سے جب مرید صادق کے قلب میں بیٹھ جاتا ہے، تو اعمالِ صالح اور اتباعِ سنت کے پانی سے پرورش پاتا ہے اور اس پر ولایت کے سورج کی دھوپ پڑتی ہے، اس وقت بحکم خداوندی مکاشفات اور مشاہدات کے اس پر پھل ہردم لگتے ہیں اور بہ شرطِ اخلاص وصدق ارادہ اِن شاء اللہ محبت ومعرفت کا ثمرہ حاصل ہوگا، کیوں کہ معرفت ومحبت تک پہنچانے میں تلقین کو بڑا دخل ہے۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دل کی صفائی کے سبب کی تلخی کو بھلا دیتا ہے، اور یہ اس لیے حق تعالیٰ نے اپنے ذاکرین بندوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلاتا ہے، یہاں تک کہ ان بندوں پر کھل جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ذاتِ پاک اور اپنی صفاتِ قدیمہ میں غیر سے بے نیاز ہے اور تمام اغیار (غیر) اس کی قدرت کی وجہ سے قائم اور اسی کی محتاج ہے اور جب ان پر مشاہدہ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ما سوا کو فنا پاتا ہے، تو بجز حق تعالیٰ کے دوسرے کو نہیں دیکھتے، پس مصیبت اور اس کی تلخی کہاں رہتی ہے؟

مشغول ہو کے کلمۂ طیبہ کے ذکر میں
دل میں لگا جو زنگ ہے اس کو چھڑائیے
مشغول اسم ذات میں ہو آپ اس طرح
اس کے سوا ہر ایک کو بس بھول جائیے

(۶) خواطر کی نفی

چھٹی شرط: خواطر (وساوس) کی نفی کرنا ہے اور یہ مضمون سالکین پر بہت دشوار ہے اور خواطر (وساوس) کا پہچاننا بھی صوفیاء کے علوم میں داخل ہے۔

جان لے کہ سالکین پر خطرات (وساوس) کا ہجوم ہوتا ہے، پس حالتِ ابتداء (شروع میں پہلے) میں بجز اس کے کچھ چارہ نہیں کہ ان خطرات (وساوس) کو دور کرے، خواہ وہ خیر ہو یا شر، کیوں کہ سالک، مرید کو تمیز کی اہلیت تو ہے نہیں، ممکن ہے کہ شر کو خیر سمجھ جائے اور جب سب کی نفی کرے گا تو خواطر محمود یعنی خواطرِ ربانی وملکی (فرشتوں) دل میں جم جائیں گے اور اس کے دور کرنے سے وہ دور نہ ہوں گے اور شیطانی ونفسانی دور ہوجائیں گے اور نفی خواطر (وساوسوں کو دور کرنے) کی تدبیر یہ ہے کہ ذکر کی صورت اور معنی میں اتنا دھیان کرے کے کسی کی طرف التفات نہ رہے (دھیان ہی نہ رہے) بلکہ پہچاننے کی بھی کوشش نہ کرے کہ ان میں نفس اور شیطان کے ڈالے ہوئے ہیں یا الہامِ ربانی وملکی ہیں، کیوں کہ خواطر (وساوس) میں پہچاننے میں اور تمیز کرنے میں مشغول ہونا بڑا صریح نقصان ہے، پس خواطر کی نفی کرے اور یہ بغیر اس کے حاصل نہ ہوگا کہ ذکر کے الفاظ اور معنی کی پوری رعایت کرے اور توجہ اسی طرف رکھے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں''۔

اب ہم یہاں خواطر کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔

خواطر کی قسمیں

اکثر صوفیاء کے نزدیک خواطر چار قسم کے ہیں:

ایک خاطرِ حق جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہو اور وہ ایک علم ہے جس کو حق تعالیٰ قرب والوں اور اہل حضور سالکوں کے دل پر غیب سے بلا واسطہ القاء فرماتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ یعنی (کہہ دو اے محمد ﷺ! میرا رب علام الغیوب حق کا القاء فرماتے ہیں)۔

دوسرا خواطر ملکی، وہ ایک کیفیت ہے جس سے اطاعت پر آنا اور نیکیوں کی رغبت اور گناہ و مکروہات سے بچاؤ اور گناہوں کے کرنے اور عبادت میں سستی پر ملامت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ابن آدم کے ساتھ ایک اثر ہے شیطان کا اور ایک اثر ہے فرشتہ کا، پس شیطان کا اثر تو حق کو جھٹلانا اور گناہ پر لذات دلانا ہے اور فرشتہ کا اثر نیکی پر جزا کا متوقع کرنا اور حق کی تصدیق ہوتا ہے۔

تیسرا خواطر نفسانی، یعنی دنیا کی موجودہ لذتوں کا تقاضیٰ اور باطل خواہشوں کی طلب کا ظاہر ہونا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا ہے: ﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ﴾ یعنی (اے میرے بیٹے! تمہارے لیے آراستہ کر کے دکھایا اس کو تمہارے نفسوں نے)۔

نیز حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا: ﴿ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ﴾ یعنی (میں اپنے نفس کو لغزش سے بری نہیں کرتا، کیوں کہ نفس تو بدی کا بہت ہی زیادہ حکم کرنے والا ہے) پس معلوم ہوا کہ بدی کی ترغیب اور گناہوں کو زینت دینے میں نفس کو بہت کچھ دخل ہے اور یہی خواطرِ نفسانی ہے۔

چوتھا خواطر شیطانی، اور وہ گناہ ومکروہات کی طرف بلاتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ یعنی (شیطان تم کو تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بدکاری کا حکم کرتا ہے)۔

نیز فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کے قلب (دل) پر زانو مارے بیٹھا رہتا ہے، پس جب ابن آدم ذکر کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دل کو لقمہ بنا کر وسوسوں اور فاسد آرزؤں میں مبتلاء کر دیتا ہے۔

حق سبحانہٗ جب چاہتا ہے کہ اپنے بندے کو اپنی بارگاہ کا قرب بخشے تو اوّل فرشتوں کی جماعت کو جو درحقیقت روح وقلوب کے لشکر ہے، دل کی مدد کے لیے اس پر نازل فرماتے ہیں، تاکہ روح اور دل قوی ہو کر ہمت کے بازو سے قرب کے میدان میں پرواز کرے اور خواطر حقانی کی استعداد حاصل کرے اور جب کسی کو دور فرمانا ہو اور مبتلاء کرنا چاہتا ہے تو اس پر شیاطین کا گروہ بھیج دیتا ہے، تاکہ وہ نفس کی مدد کرے اور نفس اپنی ہمت اور نیت میں جو ہمیشہ پستی اور باطل کی جانب ہوتی ہے، شیطانی گروہ کی مدد سے اور زیادہ زور پکڑ کر اپنے طبعی اور سفلی مرکز کی طرف جاتا ہے اور اس میں خطرات نفسانی ظاہر ہونے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

(۷) شیخ کے ساتھ ربط

ساتویں شرط: شیخ کے ساتھ پوری ارادت سے ہمیشہ ربط رکھنا، کیوں کہ شیخ راستہ کا رفیق ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ یعنی (اے ایمان والو! پرہیزگار بنو اور سچوں کے ساتھ (مرتبط) رہو)۔

اردات کے معنی محبت وعقیدت کے ہیں، نیز جاننا چاہیے کہ جس کے دل میں سلوک الی اللہ کا ارادہ قائم ہو تو اس کو بہت حفاظت کرنی چاہیے، کیوں کہ یہ غیبی مہمان ہے کہ ذراسی بے توجہ میں خفا ہو کر چلا جائے گا، پس اس کو غنیمت سمجھے اور اس کے مناسب غذائیں لا کر سامنے رکھیں، تاکہ پوری خوشی کے ساتھ ہضم کرے اور ایسی غذائیں درحقیقت سوائے شیخ طریقت کہ کہیں نہیں ملتی، کیوں کہ ارادت کا بیج مرید کے دل میں اس بچے کی طرح ہے، جو عالمِ غیب سے پیدا ہو کر عالمِ شہادت، یعنی دنیا میں آوے، پس اس کی غذا بجز عالمِ غیب کے اس دودھ کے جو اس کی ماں کے پستان سے نکلتا ہے دوسری نہیں، بلکہ بازار کا دودھ بھی نہیں ہے، اسی طرح ارادت کا نور جو مرید کے دل میں بہ توفیق الٰہی عالمِ غیب سے پیدا ہوا ہے، اس کی تربیت بھی بجز معرفت کے اس پانی کے جس کو فیاض باری غیب سے اہل غیب کے دل پر پہنچائے، دوسری چیز نہیں ہوسکتی اور اہل غیب وہ مشائخ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے مشرف ہوئے اور فیض وارداتِ خداوندی کا ان پر فیضان ہوا اور وہ اللہ والے ہو گئے۔

چنانچہ ''عوارف'' میں حضور ﷺ سے روایت منقول ہے کہ ''جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا تھا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ میں ڈال چکا'' پس جس شخص کو ارادت حاصل ہو تو اپنی رائے اور عقل پر قناعت نہ کرنی چاہیے، بلکہ اپنے آپ کو ایسے عارف شیخ کے حوالہ کر کے اپنے تصرفات (اپنی مرضی کو دخل نہ دے) سے خارج ہو جانا چاہیے اور شیطان نفس کو موافق بنا کر یہ وسوسہ دل میں ڈالے کہ خدا جانے یہ شیخ کامل ہے یا نہیں؟ مگر چاہیے کہ ایسے شیخ کے متعلق، جس میں اوصافِ مذکورہ جو اوپر بیان ہو چکے موجود ہوں، اس وسوسہ کو دل میں بالکل جگہ نہ دے اور ہمتِ مردانہ سے بلند ہمت بن کر اس کو دفع کرے اور اس حدیث کو یاد کرے کہ ''سننا اور اطاعت کرنا اپنے اوپر لازم پکڑو، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام اور کم صورت ہی کیوں نہ ہو''۔

پس! اپنے آپ کو اپنے تصرف میں نہ چھوڑے، بلکہ شیخ کا تابع بن جائے۔

شیخ کا ظاہری و باطنی ادب

شیخ کی خدمت میں ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے۔

(۱) شیخ کا ظاہری ادب تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ مناظرہ نہ کرے اور جو کچھ اس سے سنے، اگر یقیناً جانتا ہو کہ غلط ہے تب بھی اس کے ساتھ حجت نہ کرے، کیوں کہ شیخ کی نظر مرید کی نظر سے اور شیخ کا علم مرید کے علم سے بہر حال بڑھا ہوا ہے اور کامل ہے۔

(۲) اگر بادشاہ کسی غلام کو خدمت کے لیے رکھ لے تو اس کا احسان ہے، اسی طرح اگر شیخ کسی مرید کو خدمت کا موقع دے تو یہ شیخ کا احسان سمجھے۔

نیز (۳) شیخ کے سامنے جانماز (مصلی) پر نہ بیٹھے، مگر بہ ضرورت نماز کے لیے بیٹھ سکتا ہے اور نماز کے بعد فوراً جا نماز اٹھا لے اور زمین پر آ بیٹھے اور نوافل بھی اس کے سامنے نہ پڑھے۔

(۴) اور جو کچھ شیخ فرمائے اس کی تعمیل کرے اور حتی الامکان اس میں کوتاہی نہ کرے۔

(۵) اور شیخ کی جا نماز (مصلی) پر قدم نہ رکھے۔ حضرت خواجہ فضیل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، اس کے لطائف بند ہو گئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سوچو تم نے کوئی بے ادبی کی ہوگی، اس نے بہت سوچا اور کہنے لگے کہ ایک دفعہ آپ کے عصا کے اوپر سے گزر گیا تھا، فرمایا ہاں! یہی بے ادبی ہوئی، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی اور لطائف جاری ہو گئے۔

عقل سے باہر ہے باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

(۶) اور شیخ کے سامنے بلکہ دوسروں کے سامنے بھی ایسی حرکت نہ کرے جو اہل معرفت کی خصلتوں کے خلاف ہو۔

(۷) اور شیخ کے چہرہ پر بار بار نگاہ نہ ڈالے۔

(۸) اور ان کے ساتھ بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرے، مگر یہ کہ وہی اجازت دے۔

(۹) اور کوئی کام ایسا نہ کرے جو شیخ کی گرانی کا سبب ہو، بلکہ ہمیشہ گردن جھکائے رکھے۔

(۱۰) اور لوگوں کے منھ بھی نہ تکے، شیخ کی مجلس میں اور لوگوں کے منھ کی طرف نہ دیکھے کہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔

شیخ کا باطنی ادب

شیخ کا باطنی ادب یہ ہے کہ: (۱) کسی امر میں انکار نہ کرے اور (۲) ظاہر کی طرح باطن میں قول یا فعل اور حرکت وسکون، ہر انداز سے لحاظ قائم رکھے، ورنہ نفاق میں مبتلاء ہو جائے گا۔ اور (۳) اگر اپنے اندر کسی قسم کا خلش پاوے تو اس کو نکال دے، تا کہ بہ توفیق الٰہی ظاہر کے موافق ہو جائے۔

(۸) ترکِ اعتراض

آٹھویں شرط: یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر کبھی اعتراض نہ کرے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ یعنی (جب ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے کہا کہ اپنا دین خالص کرو، تو انہوں نے کہا کہ میں نے خالص کیا اور اپنی گردن رکھ دی رب العالمین کے حکم پر)۔

پس! مرید جب خلوت میں بیٹھے تو اس کے مناسب یہ حال ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے سامنے ایسے بن جائے جیسے مردہ اپنے نہلانے والوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور رضا وتسلیم اختیار کرے، اپنے آپ کو ہمہ تن حق تعالیٰ کے سپرد کر دے اور پورا توکل حاصل کرے، اور کسی حال میں بھی حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے، خواہ تنگی ہو یا فراخی، پس اگر

انشراح قلب عطا ہوتو شکر کرے، بالیقین جانے کے اس کا فیضان کرنے والا وہی حق تعالیٰ ہے اور مرید کو حق تعالیٰ کے حضور میں ایسا رہنا چاہیے جیسے بیمار اپنے طبیب کے سامنے ہوتا ہے کہ مریض جب جان لیتا ہے کہ طبیب اپنے فن کی باریکیوں سے خوب واقف ہے اور میری حالت پر مہربان ہے، تو اپنی ساری حالتوں کو اس کے حوالہ کردیتا ہے اور کسی حال میں بھی خواہ دوا، غذا مزہ دار میٹھی ہو یا بدمزہ کڑوی، اس پر اعتراض نہیں کرتا، بلکہ جان و دل سے قبول کر کے پی لیتا ہے اور کھا لیتا ہے، اور اسی میں اپنی شفا سمجھتا ہے، اس طرح مرید نے جب جان لیا کہ اللہ جل شانہ اپنے بندوں پر مہربان اور کریم وشفیق ہے اور ماں، باپ، بھائی وغیرہ سب سے زیادہ شفقت فرمانے والا ہے اور تمام آسمان اور زمین کے ذرّہ ذرّہ کے نفع ونقصان کو اچھی طرح جانتا ہے اور ایک ذرّہ بھی اس سے مخفی نہیں اور بندہ اپنی نجات وکامیابی سے ناواقف ہے کہ کس چیز سے ہوگی، پس اپنے سارے معاملات کو حق تعالیٰ کے حوالہ کر کے، اس کے قضاء وقدر پر گردن رکھ دے گا، اور یقین کے ساتھ جان لے گا کہ میرے قلب کی شفا اور مرض کا علاج اسی کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر جب حق تعالیٰ اس کو خوش وقتی نصیب کرے گا تو شکر کرے گا اور اگر اس پر تنگ وقتی اور آزمائش میں مبتلاء ہوگا تو سمجھے گا کہ میرے دل کی تندرستی اور بیماری کی تدبیر اسی صورت میں وابستہ ہے اور جب مرید ابتداء میں تسلیم ورضاء کی بدولت استعداد پیدا کر لیتا ہے تو انجام کار کمالِ عبودیت تک پہنچ جاتا ہے اور اس بلند مرتبہ پر جو کوئی بھی پہنچتا ہے قدم بہ قدم بتدریج پہنچتا ہے۔ پہلا قدم اور پہلی سیڑھی اعتراض کا چھوڑ دینا ہے اور جب شانِ تسلیم اس درجہ پر پہنچ جائے، جیسا اوپر بیان ہوا تو سالک اسلام اور حسنِ اخلاق سے متصف ہوگا اور ان شاء اللہ مراتبِ عالیہ پر پہنچ جائے گا۔

ان آٹھوں شرائط کے فائدے

جان لے کہ ان آٹھوں شرطوں کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے اندر کے ظاہر صاف ہو جائے اور وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کے قابل بن جائے اور تزکیہ واستعداد نفس وشیطان کو دور کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اس لیے یہ آٹھ شرطیں بیان کی گئیں، ان کے بغیر یہ دفع نہیں ہو سکتے، کیوں کہ دل نے جب سے دنیا میں آکر ہوش پکڑا ہے طرح طرح کی شکلوں کے نقوش اس میں جم گئے ہیں اور یہ ظلمات وتاریکیاں ہیں جن سے دل زنگ پکڑ گیا ہے اور غفلت قبول کر بیٹھا ہے، پس طہارت، ذکر، خلوت، سکوت ونفی خواطر اور ربطِ شیخ وتوحید مطلب سے آئینۂ دل کا زنگ صاف کرنا چاہیے اور جب بندہ ان شرائط - جو بیان کئے گئے - پر استقامت سے عمل کرتا ہے تو معیت (ساتھ) وشہود کی روشنی دل کو حاصل ہو جاتی ہے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ یعنی (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو)۔

کسی نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ صوفی کی صفتِ ذاتی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بچو بچو ظاہر کو لو اور صفتِ ذات مت پوچھو، مگر جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ وہ ایسا گروہ ہے جس کو حق تعالیٰ کی معیت (ساتھ) حاصل ہے اور ان کی معیت کی حقیقت کو بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

عارف کا راستہ یہی ہے کہ اپنے نفس کو گندگیوں سے پاک کر کے اوامر ونواہی (جس چیز کا کرنے کا حکم ہے اور جن چیزوں سے روکا گیا) کی پابندی اپنے اوپر لازم کرلے اور سنت کی پوری اقتداء اور آداب کی پوری رعایت رکھ کر اور صاف ستھرے نفس کو بارگاہِ الٰہی کا مقرب بنائے۔

بھر دے الفت کی مے سے ہمارا صبو
دل میں آنکھوں میں تو اور لب پر ہو تو
کیف میں وجد کرتے پھرے کو بہ کو
ورد گایا کرے طیبہ پے سو بہ سو
اللہ اللہ اللہ

اب یہاں شیخ کے حقوق و اصلاح کے آداب بیان کرتے ہیں، تاکہ سالکین کے لیے فائدہ ہو۔

حقوقِ شیخ واصلاح کے آداب

(ا) بیعت کوئی معمولی چیز نہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس سے بیعت ہونا چاہیے ایک تو کچھ مدت تک اس کو جانچے، جس کے دو طریقے ہیں: ایک طویل مدت تک اس کے پاس رہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کچھ طریق پوچھ کر، یعنی ذکر، اذکار پوچھ کر اس پر عمل کرے، پھر اپنے احوال سے شیخ کو اطلاع دے، پھر جو وہ تجویز کرے اس کا اتباع کرے بعد اس کو دل چاہے بیعت کی درخواست کرے۔

(۲) مرید کی نیت رہبر بننے کی بھی نہ ہونی چاہیے، بلکہ یہ نیت ہو کہ ہمیں راستہ نظر آجاوے اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریق ہے، بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے، اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے، خود کچھ تجویز نہ کرے۔

(۳) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بغیر صحبتِ شیخ اگر کوئی لاکھ تسبیح پڑھتا رہے کچھ نفع نہیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت خود ذکر اللہ میں یہ کیفیت ہونی چاہیے تھی کہ وہ خود کافی ہو جایا کرتا، صحبتِ شیخ کی کیوں شرط ہے؟ فرمایا کہ کام بناوے گا تو ذکر اللہ بنا دے گا، لیکن عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ بغیر شیخ کی صحبت کے صرف ذکر کام بنانے کے لیے کافی نہیں، اس کے لیے صحبتِ شیخ شرط ہے،

جس طرح کاٹے گی تو تلوار ہی، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو، ورنہ اکیلی تلوار کچھ نہیں کر سکتی۔

(۴) شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو، بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر یہ ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جاوے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جاوے۔

(۵) بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد اپنے شیخ پر، یعنی اس کو یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور جو مشورہ دے گا وہ میرے لیے نہایت نافع ہوگا، اس پر پورا اطمینان ہو۔

(۶) ہمت سے اگر انسان کام لے تو کوئی کام بھی مشکل نہیں اور یہ ہمت پیدا ہوتی ہے کسی کامل شیخ کی صحبت میں رہنے سے یا اس سے تعلق پیدا کرنے سے۔

(۷) جب تک نسبت راسخ نہ ہو جاوے مختلف بزرگوں سے ملنا اچھا نہیں، کسی کے پاس اپنے شیخ کے علاوہ اس ارادہ سے نہ جاوے کہ فائدہ و برکت حاصل ہو اور بعد رسوخ نسبت خود ہی جانے کو دل نہ چاہے گا، مرید کا تو اپنے شیخ کی نسبت (شیخ کے بارے میں) یہ مسلک ہونا چاہیے، وہ عورت فاحشہ ہے جو اپنے خاوند کے سوا دوسرے پر نظر کرے، اسی طرح مرید کو شیخ کے علاوہ کسی دوسرے پر نظر نہ کرنی چاہیے، شیخ کو یہ سمجھے کہ میرے لیے سب سے نافع یہی ہے، اس کو وحدت مطلب کہتے ہیں، البتہ نسبت راسخ ہو جانے کے بعد پھر جہاں چاہے جاوے۔

(۸) مرید کو اپنے شیخ کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کر دینا چاہیے، دو چیزیں لازم ہیں اس راستہ میں اتباعِ سنت اور اتباع شیخ، جب یہ حالت مرید کی نہ ہو کہ شیخ جان بھی مانگے تو بھی دریغ نہ کرے، تب تک کچھ لطف بیعت کا نہیں۔

(۹) جو ذکر شغل کے لیے آوے شیخ کے پاس، اس کو کسی بات سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے، بس اپنے کام میں مشغول رہے نہ کسی کا پیغام پہنچاوے اور نہ کسی کا سلام شیخ کو پہنچاوے،

خود بھی کسی اور جانب متوجہ نہ ہو اور نہ شیخ کو متوجہ کرے، اگر کسی کا سلام پہنچایا تو گویا اس نے خود اپنے شیخ کو دوسرے کی طرف متوجہ کیا جو اس کی غیرت عشق کے بھی خلاف ہے۔

(۱۰) مرض یاد آ جاوے اس کو فوراً نوٹ کر لیا کرے اور ایک ہفتہ تک دیکھا کرے کہ وہ زائل ہوا یا نہیں، اگر زائل نہ ہوا تو نفس کو اور مہلت نہ دے، بلکہ شیخ کو اطلاع کر دے۔

(۱۱) جو کام کرے سوچ کر کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جلدی نہ کرے، بلکہ تحمل سے کام کیا کرے، اپنے احوال و اعمال سے شیخ کو باخبر کرتا رہے اور اس کی تجویز پر عمل کرے۔

(۱۲) مرید کے لیے شیخ کے دل میں اپنی طرف رغبت و اُنس پیدا کرنے کا طریقہ اتباع ہے، نہ کہ اس سے اختلاف کرنا۔

(۱۳) شیخ کا ولی ہونا ضروری نہیں، ہاں! فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے، اگر اعمالِ صالحہ ہو، تقویٰ ہو، ولایت حاصل ہو جائے گی، یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ ولی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی۔

(۱۴) توجہ شیخ کی اس وقت نافع ہوتی ہے جب کہ اس کی اطاعت کی جاوے اور اس کے بتلانے کے موافق عمل کیا جائے اور اپنے کو اس کے ہاتھ میں مردہ جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہے تم میں تصرف کرے۔

(۱۵) ایذائے شیخ بلا قصد بھی وباء سے خالی نہیں ہوتی۔

(۱۶) اس راستہ میں سب سے زیادہ جو نقصان دہ چیز ہے وہ شیخ پر اعتراض ہے، اس کا ہمیشہ خیال رکھے۔

(۱۷) شیخ سے قطع تعلق کر دے تو سب فیض بند ہو جاویں گے، اور رسول اللہ ﷺ سے کم تعلقی کر کے تو پھر بالکل واردات و فیوض کچھ بھی نہ رہیں گے۔

(۱۸) شیخ کے دل کو ہرگز نہ دکھاوے اگر اس کو چھوڑنا ہی ہے تو بلا اطلاع کے چھوڑ

دے، ورنہ دنیاوی زندگی اس کی تلخ ہو جاوے گی، موت تک اس کو چین نصیب نہ ہوگا، جس کو یقین نہ ہو وہ آزما کر دیکھ لے، اور ایک طرح دین کا نقصان بھی ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ ذوق شوق جاتا رہتا ہے جو ایک خاص قسم کی توفیق وتائید تھی، وہ جاتی رہتی ہے۔

(۱۹) شیخ کے کہنے کو برا نہ مانے، تھوڑی دیر صبر کرے، شاید یہ امتحان ہی لیتے ہو۔

(۲۰) فروع الایمان میں لکھا ہے کہ شیخ کا ایک ادب یہ ہے کہ مرید اپنا سایہ شیخ پر نہ پڑنے دے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر شیخ کوئی کام کر رہا ہے تو اس کا خیال رکھے کہ اس پر سایہ نہ پڑنے پاوے، پرچھائیں پڑھنے سے اس کی یکسوئی میں فرق آکر کام میں خلل پڑے گا۔

غرض! اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھے کہ شیخ کو کوئی کلفت یا تکلیف نہ ہونے پاوے۔

(۲۱) حقوق شیخ کا آسان خلاصہ یہ ہے کہ اس کی دل آزاری نہ ہو، نہ قول وفعل سے نہ حرکات وسکنات سے۔

(۲۲) یہ راستہ بہت نازک ہے، اس میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی شان اپنے کمالات سب کو فنا کردے اور شیخ کی ہر بات اور ہر تعلیم پر عمل کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلے، حتی کہ جوتیاں کھانے تک کو تیار ہو جاوے۔

(۲۳) حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کا کونسا مقام ہے، کیا آپ غوث ہیں؟ آپ نے فرمایا اپنے شیخ کو مرتبۂ غوثیہ سے بہتر سمجھو، پھر اس نے عرض کیا قطب ہیں؟ آپ نے فرمایا اپنے شیخ کو مرتبۂ قطبیت سے بہتر سمجھو۔

(۲۴) ایسے کو مرید کرنا مناسب نہیں جس کا ادب شیخ کو کرنا پڑے، بلکہ ایسے کو کرنا چاہیے جس کو جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔

(۲۵) جب محبت ہو گی خود بخود آداب معلوم ہو جاویں گے، جیسے لڑکا جب بالغ ہوتا ہے خود بخود اس کو شہوت ہونے لگتی ہے، نابالغ بچے کو کس طرح سمجھایا جاوے کہ جماع اس طرح پر ہوتا ہے، محبت پیدا کر لے پھر خود بخود آداب دل میں آنے لگیں گے، محبت کے آداب کی کوئی فہرست تھوڑی ہی تیار ہوسکتی ہے۔

پس جان لے ادب تصوف کا رکنِ اعظم ہے۔ ابوعبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے عویم رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت کی کہ صاحب زادہ اپنے عمل کو نمک کی مثل بناؤ اور ادب کو مثل آٹے کے (آٹا اصل غذا ہے، مگر نمک کے بغیر کھانا مشکل ہے) اسی طرح ادب سلوک کی اصل ہے، مگر عمل اس کے لیے لازم۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سارا تصوف بس ادب ہے اور ہر وقت اور ہر مرتبہ کا ادب جدا ہے، پس جس نے ادب کو لازم پکڑا وہ مردانِ خدا کے مرتبہ پر پہنچ گیا، اور جو ادب سے محروم رہا وہ جہاں قرب یقینی ہو وہاں سے بھی دور جا پڑے گا اور جہاں قبولیت کی توقع ہو، وہاں بھی مردود بن جائے گا، اہل تصوف کا راستہ بڑا خطرناک ہے، اگر ادب ذرا بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا، نقصان میں آجائے گا۔

با ادب با نصیب
بے ادب بد نصیب

سلسلۂ نقشبندیہ

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاری ہے، جن کا ایمان تمام امت کے ایمان سے بھاری اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام عمر کی نیکیوں سے ان کی ایک نیکی بہتر فرمائی ہے۔ غرض یہ کہ امت میں بالاتفاق بعد انبیاء کرام علیہم السلام کے آپ کا مرتبہ ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کا نام حضرت خواجہ خواجگان خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا ہے، جو کہ امامِ طریقت ہے۔ آپ حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، اور علمِ طریقت میں مرتبۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ کو حق تعالیٰ نے روزِ ازل سے امت کے لیے آسانی کرنے والا پیدا فرمایا تھا، جب آپ نے صوفیاء کے طریقوں میں طالبین حق کو دیکھا اور سنا کے کسی نے سالہا سال سے سونا ترک کر دیا ہے اور کسی نے شب کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا اختیار کیا ہے، اور کسی نے پانچ سو رکعتیں روز پڑھنا اپنا معمول بنایا ہوا ہے، کوئی وجہ ضعف یا بیماری کے صوفیاء کرام کے مذکورہ اذکار ادا کرنے سے مجبور و معذور ہے اور وقت اس کا غفلت میں گذرتا ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ ’’اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے، بیٹھے، لیٹے (ہر حال میں)‘‘۔ کی تعلیم میں قاصر ہے اور وقت بےکار جاتا ہے، تو روزِ ازل نے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے سینۂ مبارک میں جوش پیدا کیا اور آپ سربسجود ہو کر حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرنے لگے ’’الٰہی امت کے قوی ضعیف ہو گئے، سختی برداشت کرنے کی ان میں ہمت و قوت نہ رہی، زمانہ خیر و برکت نبوت کا ان سے دور ہوتا جاتا ہے، اپنے فضل سے مجھ کو ایسا طریقہ عنایت فرما جو کہ آسان ہو اور تجھ تک جلد پہنچنے والا ہو‘‘۔

پندرہ روز تک آپ سجدہ میں گریہ وزاری کرتے رہے، صرف نماز با جماعت اور حوائج ضروری کو حجرے سے باہر تشریف لاتے، پندرہویں روز دریائے رحمتِ الٰہی موج زن ہو کر الہام ہوا کہ'' اے محمد بہاؤالدین ہم تجھ کو وہ طریق عنایت فرماتے ہیں جو ہمارے حبیب ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تھا، یعنی وقوف قلبی اور اتباع سنتِ نبوی ﷺ آپ نے عزّ وجل کا شکریہ ادا کیا اور سجدہ سے سر اٹھایا اور طریق جدید کا رواج دیا۔

بفضل تعالیٰ اس طریق نے ایسی ترقی کی کہ اب کڑوروں آدمی اس سلسلہ مبارک میں ہیں اور بوجہ قبولیت مثل آفتاب کی روشنی کے طریقۂ نقشبندیہ تمام روئے زمین پر پھیل گیا۔ ملک روم، شام، کردستان، عرب، بخارا، ترکستان، کابل، چین، ہندوستان و پاکستان، انگلینڈ، امریکہ سب جگہ خلفاء وطلبائے نقشبندیہ بکثرت ہیں، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔

جاننا چاہیے کہ اس طریقۂ عالیہ کی بلندی سنت کے التزام اور بدعت سے اجتناب کے باعث ہے، اس طریقہ کے تمام اصول وفروع میں اتباع سنت و اجتناب بدعت بدرجۂ کامل ہے، یعنی اصحاب کبار کا سا لباس ہے، انہیں جسی معاشرت ویسے ہی اذکار واشغال، وہی محاسبۂ نفس اور ہر دم کی حضوری، وہی آداب شیخ، ویسے ہی کم ریاضتی اور فیضان کثیر اور کمالاتِ ولایت کے علاوہ کمالاتِ نبوت کی بھی تعلیم، نہ اس میں چلاکشی ہے نہ ذکر بالجہر، نہ سماع، نہ قبور پر روشنی نہ غلاف وچادر اندازی، نہ ہجوم عورات، نہ سجدہ تعظیمی، نہ سر کا جھکانا، نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کی اجازت، نہ مرید عورتوں کی ان کے پیروں سے بے پردگی، اسی سبب سے بڑے بڑے نتیجے اس التزام پر مرتب ہوئے ہیں، اور بہت قسم کے فائدے اس اجتناب سے حاصل ہوئے ہیں۔

پس! ان بزرگواروں کا کمال تمام کمالات سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے، جیسا کہ ان کی عبارات میں آیا ہے " إن نسبتنا فوق جميع النسبة " (ہماری نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے) نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی

دائمی ہے اور ان سب باتوں سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کاملوں کے طریقہ میں نہایت ابتداء میں درج ہے اور بزرگوار اس امر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام کے پیرو ہے، کیوں کہ صحابۂ کرام کو نبی ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل ہوجاتا تھا جو دوسروں کو انتہاء میں بھی بہ مشکل حاصل ہو سکے اور یہ بات ابتداء میں انتہاء درج ہونے کے سبب سے ہے۔

پس! جس طرح ولایت محمدیہ ﷺ تمام پیغمبروں اور انبیاء علیہم السلام کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے، اسی طرح ان بزرگواروں کی ولایت بھی تمام اولیاء قدس سرہم کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے، اور کس طرح بڑھ کر نہ ہو، جبکہ ان کی ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، ان کا طریقہ اکسیر ہے اور سنت نبوی ﷺ کی تابعداری پر منحصر ہے، ان کا کلام دلی مرضوں کی دوا ہے، اور ان کی نظر باطنی امراض کی شفا ہے، ان کی بزرگ توجہ طالبو کی دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے، اور ان کی بلند ہمت مریدوں کو پستی سے وجوب بلندی تک پہنچاتی ہے۔

عجب ہی قافلہ سالار ہے یہ نقشبندی
کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو
دل سالک سے ان کا جذب صحبت گھڑی میں
مٹا دیتا ہے خلوت کے خیالات اور چلّے کو

پس! ان حضرات کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے اور اس طریقۂ عالیہ کی زیادتی دوسرے طریقوں پر ایسی ہے جیسے زمانہ اصحاب کی زیادتی اوروں کے زمانے پر، جن لوگوں کو کمالِ فضل سے ابتداء ہی میں اس پیالہ سے پانی کا گھونٹ پلادے، ان کے سوا دوسروں کو ان کے کمالات کی حقیقت پر اطلاع پانا مشکل ہے، ان کا نہایت دوسروں کے نہایت سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہم فضلی ہے ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ

اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ، وَاللّٰہُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ o ﴾ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

اصطلاحاتِ نقشبندیہ کی تشریح

اے عزیز ! جاننا چاہیے کہ حضراتِ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی چند اصطلاحات ہیں ، جن پر ان کے طریقہ کی بنیاد ہے ۔بعض اصطلاحوں میں تو اشغال کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں ان کی تاثیر کی شرطوں پر اور وہ یہ ہیں :

(۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) باز گشت (۷) نگہداشت (۸) یاد داشت ؛ یہ آٹھ کلمات تو حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں ، اور ان کے بعد تین اصطلاحتیں (۹) وقوف زمانی (۱۰) وقوفِ عددی (۱۱) وقوف قلبی ؛ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ۔

اب ہم ان اصطلاحات کی تشریح بیان کرتے ہیں ۔

(۱) ہوش در دم

اس سے یہ مراد ہے کہ سالک ہر سانس کے ساتھ بیداری اور ہوشیاری رکھے ، کہ ذکر لسانی اور قلبی بھی حضورِ دل سے ہو نہ کہ غفلت سے اور ہمیشہ بے دار اور متلاشی رہے کہ اس کا سانس حق تعالیٰ کی یاد میں گذرا یا غفلت میں ، اور یہ آہستہ آہستہ ہمیشہ کی حضوری حاصل کرنے اور النفس تفرقہ کو دور کرنے کا طریقہ ہے ، اور مبتدی (جس نے سلوک میں ابھی قدم رکھا ہو اور جس کی ابھی شروعات ہو) کے واسطے اس کی پابندی نہایت ضروری اور ازحد مفید ہے ۔ چنانچہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ میں دم کی نگہبانی بے حد ضروری ہے اور جو شخص دم کی نگہبانی نہیں کرتا ، گویا وہ طریقۂ شریفہ بھول گیا اور حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ کا دارومدار ہی دم پر

ہے، کوئی دم اندر آنے اور باہر جانے اور ان کے بیچ کے وقفہ میں حق تعالیٰ کی یاد کے بغیر نہ گذرے، اس کو پاسِ انفاس بھی کہتے ہیں۔

(**ف**) اسی ہوش در دم کی برکت سے اس طریقۂ عالیہ میں سیر آفاقی اسی سیر انفسی کے ضمن میں درج ہے۔ پس! اگر اس اعتبار سے بھی کہا جائے کہ اس طریقۂ عالیہ میں بدایت میں نہایت مندرج ہے تو مناسب ہے۔

(۲) نظر بر قدم

مبتدی کے حق میں اس سے یہ مراد ہے کہ سالک پر واجب ہے کہ اپنے چلنے پھرنے کے وقت سوائے قدم کی پشت کے کسی چیز پر نظر نہ ڈالے، تاکہ کسی نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور یہ کہ دوسری چیزوں کی طرف مشغول ہونے سے محفوظ رہے، کیوں کہ مختلف نفوس اور متفرق محسوسات کی طرف لگ جانا سالک کی حالت کو بگاڑ دیتا ہے اور دل کی جمعیت کو پریشان کرتا ہے اور جس کی وہ طلب میں ہے اس سے روکتا ہے، چلنے پھرنے کے وقت نظر کو پشتِ قدم پر لگانا اور بیٹھنے کی حالت میں اپنے آگے کی طرف نظر کرنا جمعیتِ قلب کے زیادہ قریب ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ یعنی (اے پیغمبر! مومنو سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں) اور نماز میں قیام کے وقت سجدہ کی جگہ پر اور رکوع میں پشتِ قدم پر اور سجدہ میں ناک پر اور قعدہ میں رانو پر نظر رکھنے کے لیے جو شریعت میں حکم ہے، اس میں بھی یہی مصلحت ہے اور اس میں بھی جمعیتِ قلب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور متوسط کے حق میں نظر بر قدم سے مراد یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر وقت ہوشیار اور دانا، بینا رہے، تاکہ غفلت کا دخل سالک کے دل میں نہ ہو، اگر زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں میں نظر کرے تو عبرت کے ساتھ نظر کرے، کیوں کہ سالک معرفت کے سمندر سے ایک بہت قیمتی ذخیرہ نظر کرتے ہی حاصل کر لیتا

ہے، اسی لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓأُولِی الْأَبْصَارُ o ﴾ یعنی (پس! عبرت حاصل کروائے دیکھنے والو)۔

بات یہ ہے کہ انسان کے لیے اس راستہ میں دو بڑی رکاوٹیں ایک آفاق، یعنی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، کہ انسان اس کی لذت اور طلب میں مبتلاء ہو کر یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے اور دوسرا نفس، یعنی انسان اپنے نفس کی رضا جوئی اور اس کی موافقت میں پڑھ کر رضائے مولیٰ سے دور جا پڑتا ہے، تو یہ کلمۂ دوم (نظر بر قدم) اس تفرقہ کے دور کرنے کے لیے ہے جو آفاق سے پیدا ہوتا ہے۔ اور کلمۂ اول (ہوش در دم) النفس کے تفرقہ کو دور کرتا ہے۔ اور منتہی کے حق میں نظر بر قدم سے مراد ہے کہ نظر ہمیشہ قدم سے بلندی کی طرف چڑھے اور قدم کو اپنا ہم سفر بنائے۔

اسی روز وشب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان ومکاں اور بھی ہے
(اقبال)

بات یہ ہے کہ بلندی کے زینوں پر پہلے نظر چڑھتی ہے، اس کے بعد قدم آگے بڑھتا ہے اور جب قدم مرتبۂ نظر میں پہنچتا ہے، نظر اس سے اوپر کے زینہ پر آجاتی ہے، اور قدم بھی اس کی پیروی میں اس زینہ پر چڑھ جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ مراد نہیں کہ نظر قدم سے زیادہ بلندی کی خواہش نہ کرے، کیوں کہ یہ بات خلافِ واقع ہے، اور یہ بات بھی غیر واقع ہے کہ قدم کے تمام ہونے کے بعد تنہا نظر کو اس سے آگے ترقی نہیں ہے، کیوں کہ اس سے آگے اگر نظر تنہا نہ ہو تو سالک بہت سے مرتبوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اصل میں قدم کی نہایت سالک کی استعداد کے مراتب کی نہایت تک ہے، بلکہ اس نبی کی استعداد کی نہایت تک ہے، کہ جس کے زیرِ قدم وہ سالک ہے، لیکن پہلا قدم بالاصالۃ (بلا واسطہ) ہے، اور دوسرا قدم اس نبی کی پیروی سے (بالواسطہ) ہے اور دونوں استعدادوں

کے مراتب کے اوپر اس کا قدم نہیں، لیکن نظر ہے اور یہ نظر جب تیزی حاصل کر لے تو اس کا منتہٰی اس نبی کی نظر کے مراتب کی نہایت ہے، جس کے زیر قدم وہ سالک ہے، کیوں کہ نبی کے کامل تابعداروں کو اس کے تمام کمالات سے حصہ حاصل ہوتا ہے، لیکن استعداد کے مرتبوں کی انتہاء تک ہوتا ہے، جو کہ اس سالک کی ذاتی استعداد ہے اور جو اس کو نبی کی پیروی سے حاصل ہوئی ہے، اوّل میں قدم ونظر موافقت رکھتے ہیں، اس کے بعد قدم کوتاہی کرتا ہے اور نظر تنہا ہی اوپر چڑھتی ہے اور اس نبی کی نظر کے مرتبوں تک ترقی کرتی ہے۔

پس! معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی نظر بھی ان کے قدم کے اوپر صعود کرتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی نظر کے مقام سے حصہ حاصل ہے، جیسا کہ ان کے قدم کے مقام سے حصہ حاصل ہے۔

پس! اگر نظر بر قدم سے یہ مراد ہے کہ قدم نظر سے کسی وقت بھی پیچھے نہ رہے تو نیک ہے، کیوں کہ نظر کا قدم سے پیچھے رہ جانا ترقی سے روکتا ہے، جب سالک یہ پہچان لے کہ وہ کس پیشوا کے زیر قدم ہے تو چاہیے کہ اپنے حالات و واقعات اپنے پیشوا کے حالات واقعات کے ساتھ مناسب کرے، لیکن ہر سالک کو اس کا معلوم کر لینا کہ وہ کس نبی کے زیر قدم ہے حاصل نہیں ہے، اس لیے خواجہ محمد فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر وقت نظر بر قدم رسول اللہ ﷺ، یعنی آپ کی شریعت وسنتِ مقدسہ پر ہو، کہ تمام حرکات وسکنات و اخلاق عین سنتِ نبویہ کی میزان پر صحیح اترے۔

(۳) سفر در وطن

اس سے مراد باطنی روحی سفر ہے، یعنی سالک صفاتِ بشریہ خسیسہ ورذیلہ (مثل حسد، تکبر، غیبت، ریا، حرص وغیرہ) سے صفاتِ ملکیہ فاضلہ (مثل صبر، شکر، خوف، رضا

وغیرہ) کی طرف تبدیلی اور ترقی حاصل کرتا ہے، اس طرح پر کہ مراقبہ وسنت پر عمل سے صفاتِ بشریہ حسیسہ کو محو کرتا ہے ، بلکہ اپنے آپ کو بھی فنا کرکے صفاتِ ملکیہ فاضلہ کی طرف ترقی کرتا ہے اور مقاماتِ سیر میں سفر کرنے لگتا ہے، جیسے ولایتِ صغریٰ، کبریٰ وعلیا، کمالاتِ نبوت، رسالت اولوالعظم ، حقائقِ الٰہیہ وانبیاء، حتیٰ کہ فیضِ ذات غیب الغیب اور لاتعین سے (بلا واسطہ) مشرف ہونے لگتا ہے، یہ ایک عجیب بھید ہے کہ اپنے گھر بیٹھ کر سفر میں رہتا ہے۔

پس سالک پر واجب ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال میں رہے، کہ اس میں کچھ غیر اللہ کی محبت تو نہیں ہے، اگر ذرا بھی پائے تو اس کو " لا إله " کی نفی میں لاکر " إلا الله " کی ضرب سے حق تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں قائم کرے۔(جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے واسطے جس چیز سے محبت کی جائے وہ حق تعالیٰ کی محبت میں داخل ہے)۔

(۴) خلوت در انجمن

اور سفر در وطن پر متفرع ومرتب ہے، یعنی جب سفر در وطن حاصل ہوجائے تو خلوت در انجمن اس کے ضمن میں میسّر ہوجائے گی، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک کا دل حق تعالیٰ کی یاد میں ایسا مشغول ہو کہ ہر حالت میں ، یعنی پڑھنے ، کلام کرنے ، کھانے پینے ، چلنے پھرنے ، اٹھنے بیٹھنے ،سونے جاگنے میں ذاکر رہے، اور ذکر کا خیال ایسا پختہ ہوجائے کہ خواہ کسی ہی مجلس اور ہجوم میں ہو دل حق تعالیٰ کی یاد میں رہے، جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی (وہ ایسے لوگ ہیں جن کو سوداگری اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) اگر چہ شروع شروع میں یہ بات تکلف سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جب سالک اس پر ملکۂ راسخہ حاصل کرلیتا ہے تو عین تفرقہ میں جمعیتِ

قلب کے ساتھ اور عین غفلت میں حضور دل کے ساتھ رہتا ہے ۔اس بیان سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ خلوت وجلوت منتہی کے حق میں مطلق طور پر برابر ہے، نہیں! بلکہ مراد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت اس کے باطن کی جمیعت میں برابر ہے، اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرے اور تفرقہ (جلوت) کو ظاہر سے بھی دفع کر دے تو بہت ہی بہتر ہے اور مناسب ہے ۔حق تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتے ہیں﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ٥ ﴾ یعنی (اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور تمام خلائق سے کٹ (چھوڑ) کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ (جلوت) سے چارہ نہیں ہوتا، تاکہ مخلوق کے حقوق ادا ہوں، لیکن تفرقہ باطن کسی وقت بھی اچھا نہیں، کیوں کہ باطن خالص حق تعالیٰ کے لیے ہے، پس! بندوں سے تین حصے حق تعالیٰ کے لیے ہوئے: باطن سب کا سب اور ظاہر کا نصف حصہ اور ظاہر کا دوسرا نصف حصہ مخلوق کے حقوق ادا کرنے کے لیے رہا، اور چوں کہ حقوق ادا کرنے میں بھی حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے، اس لیے ظاہر کا یہ حصہ بھی حق تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے۔

(۵) یاد کرد

اس سے مراد ذکر کرنا ہے، خواہ ذکر لسانی ہو یا قلبی، نفی اثبات ہو یا اسمِ ذات، سالک کو چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے پیر و مرشد روحانی سے ذکر کی تعلیم و تلقین حاصل کرے، ہر وقت اس کی تکرار میں بلا ناغہ دل کی محبت کے ساتھ بیدار اور ہوشیار رہے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے۔

(۶) بازگشت

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ذاکر خیال وتصور سے نفی اثبات (کلمۂ طیبہ) کو طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے چند بار کہے تو اس کے بعد دل کی زبان سے مناجات کرے کہ ''اے مولیٰ میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا ہے مجھ کو اپنی محبت ومعرفت عطا فرما'' اور کمال عاجزی اور انکساری کے ساتھ کہے، تاکہ اگر غرور وفخر یا گرفتاریٔ لذت کا وسوسہ آئے تو اس دعاء کی برکت سے نکل جائے۔

(۷) نگہداشت

اس کے یہ معنی ہیں کہ سالک نفس کی باتوں اور وسوسوں کو اپنے دل سے دور کرے اور لازم ہے کہ جب دل میں وسوسہ ظاہر ہو، فوراً اس کو دور کریں اور اس کو دل میں جگہ نہ پکڑنے دیں، ورنہ اس کا دور کرنا دشوار ہوجائے گا اور اس کا بہترین اور مجرب علاج یہ ہے کہ اس وسوسہ سے بے خیال ہوجائے، بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال لگائے، اس سے وہ برا خیال خود بخود دور ہوجائے گا۔ اور اگر پھر خیال آئے پھر ایسا ہی کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر ہلکا ہوکر خود وسوسہ ہی خیال سے نکل جائے گا۔ دوسرا علاج فوراً ذکر اللہ میں مشغول ہوجانا ہے۔

(۸) یادداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ توجہ صرف (یعنی جو الفاظ وخیالات سے خالی ہو) واجب الوجود یعنی حق تعالیٰ کی طرف لگائے رکھے، تاکہ دوامِ آگاہی حاصل ہوجائے، اور ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ﴾ یعنی (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) کو ہر وقت نگاہ میں رکھے۔ حق بات یہ ہے کہ دوام آگاہی، فنائے حقیقی اور بقائے کامل کے بغیر ناممکن ہے، کیوں کہ

تکلف مرتبۂ طریقت میں ہے اور طریقت میں دوامِ توجہ متصور نہیں ہے اور مرتبۂ حقیقت میں (فنا و بقا کے بعد) دوامِ توجہ اس وجہ سے ہے کہ اس مقام میں تکلف کی مجال نہیں ہے۔ پس! یاد کرد و نگہداشت جو مرتبۂ طریقت میں ہے، مبتدیوں اور متوسطوں کے لیے ہے اور یادداشت حقیقت سے متعلق اور منتہیوں کے لیے ہے۔

حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یاد داشت سے آگے پند داشت و وہم ہے، یعنی اور مرتبہ کوئی نہیں اور دوامِ آگاہی بھی اسی یادداشت ہی کو کہتے ہیں، اس سلسلۂ عالیہ کے ایک بزرگ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کے لیے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''خطرات دل سے اس طرح دور ہوجاتے ہیں کہ اگر بالفرض صاحبِ دل کو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر دے دی جائے تو بھی اس کے دل میں ہرگز کوئی خطرہ نہ آنے پائے''۔

(۹) وقوفِ زمانی

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت اپنے حال کا واقف رہے یعنی ہر ساعت کے بعد تعمل کرے کہ غفلت تو نہیں آئی اور غفلت کی صورت میں استغفار کرنا اور آئندہ اس کے چھوڑنے پر ہمت باندھنی چاہیے۔

(۱۰) وقوفِ عددی

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکرِ نفی اثبات میں طاق عدد کی رعایت کرے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے " اللّٰہ وِترٌ ویُحب الوِتر " یعنی (اللہ طاق (ایک) ہے اور طاق عدد کو پسند فرماتا ہے)۔

(۱۱) وقوفِ قلبی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت قلبِ صنوبری کی طرف جو بائیں پستان کے نیچے پہلو کی دو انگل کے فاصلہ پر ہے، حق تعالیٰ کی یاد کا دھیان رکھنا، خصوصاً ذکر اذکار کے وقت اور اس میں بھی حکمت ہے، جیسا کہ سلسلۂ قادریہ میں ضربات کی رعایت میں ہے کہ ماسوا اللہ کسی کی طرف کسی قسم کی توجہ باقی نہ رہے اور بیرونی خطرات کا دل میں دخل نہ ہو، تاکہ آہستہ آہستہ صرف ذاتِ الٰہی پر منحصر ہو جائے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے وقوفِ قلبی کو اثنائے ذکر میں لازم فرمایا ہے، جیسا کہ رابطۂ شیخ و مرشد اور مراقبات لازم ہے، کیوں کہ مقصود ذکر سے غفلت کا دور کرنا ہے اور یہ بغیر وقوفِ قلبی کے حاصل نہیں ہوتی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے....

عَلٰی بَیْضِ قَلْبِکَ کُنْ کَاَنَّکَ طَائِرٌ
فَمِنْ ذٰلِکَ الْاَحْوَالُ فِیْکَ تَوَلَّدُ

یعنی ”تو اپنے دل پر انڈے کی طرح نگراں رہ، تاکہ اس کی پابندی سے تجھ میں جوش و جذب اور عجیب عجیب حالات پیدا ہو“۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ذکر قلبی اثر نہ کرے اس کو ذکر سے روک کر صرف وقوفِ قلبی کا حکم کیا جائے اور اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے، تاکہ ذکر اثر کرے۔

حق تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً ﴾ یعنی ”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو کثرت کے ساتھ (بہت زیادہ)“۔

اور حدیث شریف : " كان رسول الله ﷺ دائم الذكر ، أي بإعتبار القلب " یعنی " رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ذکر کرنے والے تھے، یعنی قلبی ذکر کے اعتبار سے)۔وقوفِ قلبی اور ذکر قلبی کے لیے دلیل ہے۔

مقاماتِ عشرہ کا بیان

صوفیائے عظام نے سلوک کے طے ہونے کی بنیاد دس (۱۰) عادتوں کے حاصل ہونے پر رکھی ہے، ان کو اصطلاح میں مقاماتِ عشرہ کہتے ہیں۔ اس کا پہلا مقام توبہ ہے اور آخری رضا اور ان کے درمیان میں آٹھ (۸) مقامات ہیں:

(۱) زہد (۲) توکل (۳) قناعت (۴) عجلت (۵) ہمیشگی ذکر (۶) توجہ (۷) صبر (۸) مراقبہ۔ اور ان کو اصولِ عشرہ بھی کہتے ہیں، ان مقاماتِ عشرہ کا طے کرنا تجلیاتِ ثلاثہ یعنی (۱) تجلی افعال (۲) تجلی صفات (۳) تجلی ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور مقامِ رضا کے سوا سب کے سب تجلی افعال اور تجلی صفات کے ساتھ وابستہ ہے اور رضا تجلیٔ ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ وابستہ ہے اور انعامات اور تکلیفات میں سے جو کچھ محبوب کی طرف سے پہنچے محبت ذاتی کی وجہ سے محبّ کے حق میں برابری کو لازم کرتی ہے۔ پس! محبت ِذاتی سے رضا حاصل ہوجاتی ہے اور کراہیت وناپسندگی جاتی رہتی ہے، باقی نو (۹) مقامات بھی تجلیٔ افعال وصفات میں اسی طرح حاصل ہوتے ہیں، مثلاً جس وقت حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اپنے اوپر تمام چیزوں پر حاوی دیکھتا ہے تو بے اختیار توبہ وانابت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے۔ پرہیزگاری اپنا طریقہ بناتا ہے، جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے اس پر صبر کرتا ہے اور بے سروسامان ہونے کی پروا نہ کرے، قناعت کو اپنا پیشہ بناتا ہے اور جب حق تعالیٰ کو نعمتوں کا مالک جانتا ہے اور عطاء کا ہونا یا نہ ہونا اسی سے پہچانتا ہے، ناچار شکر کے مقام میں آتا ہے اور توکل کو اپنے پیشہ بناتا ہے، جب حق

سبحانہٗ وتعالیٰ کی مہربانی اور شانِ رحمت کو جلوہ فرما دیکھتا ہے تو رجاء (امید) کے مقام میں آ جاتا ہے اور جب اس کی عظمت اور کبریائی کو مشاہدہ کرتا ہے تو کمینی دنیا اس کی نظر میں ذلیل اور بے اعتبار معلوم ہونے لگتی ہے، ناچار دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے اور زہد اختیار کرتا ہے، جب سالک شیخِ کامل کی صحبت اور توجہات کے فیض سے سلوک کا راستہ طے کرتا ہے اور لطائفِ خمسہ میں ذکر کرتا ہے تو بری خصلتوں کی اصلاح ہو کر عالمِ امر کے لطائف نورانی ہو کر اپنے اصول میں جا پہنچتے ہیں اور ان کی کشش حق تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے اور مقاماتِ عشرۂ سلوک حاصل کر لیتا ہے، تو اس کو اپنی حقیقت کے موافق حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی کو سیر قدمی یا وصول کہتے ہیں، اپنے مقام سے آگے سالک کی سیر قدمی نہیں ہوتی ہے۔ پس! سیر قدمی یعنی وصول مقام سے تعلق رکھتی ہے جو سالک کا مبتدائے تعیین ہے، اور سیر نظری یعنی حصول حال سے تعلق رکھتی ہے جو دوسرے کاملین کا مقام ہے۔ وصول اور حصول میں فرق ہے " واللّٰہ أعلم بحقیقة الحال "۔

جاننا چاہیے کہ ان مقامات کا حصول تفصیل اور ترتیب کے ساتھ سالک مجذوب کے لیے ہے اور مجذوب سالک کے حق میں ان مقامات کا حاصل ہونا اجمال کے طور پر ہے، کیوں کہ اس کو عنایتِ اَزلی سے محبت میں گرفتار کیا ہے، جس کی وجہ سے ان مقامات کی تفصیل میں مشغول نہیں ہوسکتا، بلکہ اس محبت کے ضمن میں ان مقامات کا نچوڑ اور ان منزلوں کا خلاصہ مکمل طور پر حاصل ہے، جو کہ صاحبِ تفصیل کو میسّر نہیں ہوا، اب ہم نفس کی ضروری توجیہ لکھتے ہیں، کیوں کہ اسی کے اطمینان پر مقاماتِ عشرہ کے حصول کا دارومدار ہے۔

حقیقتِ نفس

انسان کے اندر ایک طاقت ہے جس سے وہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، خواہ وہ خواہش بھلائی کی ہو یا برائی کی، اس کو نفس کہتے ہیں۔ پس اگر نفس اکثر برائی کی طرف

خواہش کرے اور شرمندہ بھی نہ ہو، تو اِس وقت اُس کو نفسِ امّارہ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں فرمایا﴿ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾ یعنی (بے شک نفس زیادہ برائی کی طرف حکم کرنے والا ہے، مگر جبکہ میرا رب رحم فرمادے) اسی مرتبہ کو ''ہوا'' کہتے ہیں﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ۞ ﴾ (اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی) اور ہر فردِ انسان لفظ " انا " سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس! انسان کی ذات نفسِ امّارہ ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے قوی اور اعضاء کی طرح ہے، نفس امّارہ شرِ محض ہے اور اس میں خیر کی بو نہیں، یہی اس کی شرارت و جہالت ہے کہ کمالاتِ منعکسہ کو جو ظلیت کے طور پر اس میں ظاہر ہوئے ہیں، اپنی طرف سے جانتا ہے اور ان کے قیام کو جو ان کے اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہے، اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کمالات کے باعث اپنے آپ کو کامل اور بہتر جانتا ہے، بیہودہ تخیلات سے اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ عداوتِ ذاتی پیدا کر لیتا ہے اور حق تعالیٰ کے احکام پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشات کی متابعت و پرستش کرتا ہے۔

حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: " عاد نفسك فإنها انتصبت لمعاداتي " (یعنی اپنے نفس کو دشمن جان کیوں کہ وہ میری دشمنی میں قائم ہے) اور کبھی کبھی بھلائی کی بھی خواہش کا پیدا ہونا نفس کو امّارگی سے نہیں نکالتا، اور اگر نفس اپنے کئے پر شرمندہ بھی ہونے لگے تو اس وقت ''لوّامہ'' کہلاتا ہے۔ لوّامہ کے معنی ہیں بہت ملامت کرنے والا۔ قرآن میں ہے ﴿ وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴾ (یعنی اور قسم کھاتا ہوں میں بہت ملامت کرنے والے نفس کی) اسی مرتبہ کا پتہ دیتی ہے۔ پس جب نفس خوب سنور جاتا ہے اور اکثر بھلائی کی خواہش کرتا ہے تو نفس مطمئنّہ کہلاتا ہے، یعنی نیکی کی طرف اطمینان پکڑنے والا، اگرچہ کبھی اس میں برائی کی بھی خواہش پیدا ہوجائے، بشرطیکہ اُس خواہش

پر اصرار اور عمل نہ ہو، کیوں کہ محض رغبت بغیر عمل، سکون اور اطمینان کی نفی نہیں کرتی، البتہ عمل بھی واقع ہوتو مطمئنہ ہے۔

غرض! بھلائی اور برائی کی دونوں خواہش نفس ہی سے متعلق ہیں، البتہ ہر خواہش کے اسباب جدا جدا ہیں۔ بعض تو مشاہدہ ہیں، جیسے کہ نصیحت و نیک صحبت وغیرہ نیکی کی خواہش کے لیے، اور بہکانا اور بُری صحبت برائی کی خواہش کے لیے۔ اور بعض اسباب ایسے ہیں جو مشاہدہ میں نہیں آتے، جیسے فرشتہ کا اِلقاء بھلائی کی خواہش کے لیے، اور شیطان کا اِلقاء برائی کی خواہش کے لیے، اسی کو حدیث شریف میں " لمة الملك " اور " لمة الشيطان " اور " إعاده بالخير " اور " إعاده بالشر " سے تعبیر فرمایا ہے۔

بزرگوں نے جو رخصت (آسانی) کو چھوڑ کر عزیمت (سختی) پر عمل اختیار کیا ہے، جیسا کہ نفل نماز کو بیٹھ کر بھی ادا کر سکتے ہیں، لیکن آسانی کو چھوڑ کر کھڑے ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اور مباحات کے (مباح چیزوں کے) ترک کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، وہ اس لیے نہیں ہے کہ مباحات کی خواہش ہوائے نفسانی ہے، بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ "ہوا" (خواہش) کی طرف لے جانے والی نہ ہو جائے۔

اب ہم یہاں اس راستہ کی لغزشوں کا بیان کرتے ہیں۔

لغزشوں کا بیان

جاننا چاہیے کہ اس راستہ کی لغزشوں کی سات قسمیں ہیں:

(۱) اعراض: یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیر لینا اور وہ شدت محنت اور بلا ومصیبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ بھی اس ناپسندیدہ حرکت کے بعد اس بندہ سے منہ پھیر لیگا، علاج اس کا استغفار ومعاذرت میں مشغول ہونا ہے۔

(۲) حجاب: پس دنیا کی مشغولی سے اعراض حجاب تک پہنچ جائے گا۔ معذرت میں کوشش اور توبہ کی طرف متوجہ ہو۔

(۳) طبعِ سفلی کی لذتوں میں مشغول ہونے سے حجاب۔ ''تفاصیل'' (جدائی) تک پہنچ جاتا ہے۔

(۴) اگر پھر بھی باز نہ آیا تو ''سلبِ مزید'' (زائد انعامات کا چھن جانا) ہوتا ہے، اس میں بے وجہ مشغولیٔ غیر اللہ کا رکنان قضاوقدر ذوقِ اطاعت وعبادت چھین لیتے ہیں۔

(۵) سلبِ قدیم: یعنی اصل انعامات کا چھن جانا یعنی دل کی سستی کی وجہ سے عباداتِ اصلیہ وطاعاتِ فرضیہ کا ذوق چھن جاتا ہے، حتی کہ عبادت چھوڑ بیٹھتا ہے، اب بھی اگر توبہ واستغفار میں کوشش نہیں کرتا۔

(۶) تسلی ہوجاتی ہے یعنی یار کی جدائی پر اس کا دل آرام پا جاتا ہے اور یہ ''غفلت'' ہے جیسی کہ " العوام کالأنعام "کو ہوتی ہے۔

(۷) اب بھی اگر رجوع الی اللہ اور توبہ میں سستی باقی رہے تو ''عداوت'' پیدا ہوجاتی ہے اور وہ دل کی صفت کو نفس کے تابع کر دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفس حق تعالیٰ کے خلاف حکم کرتا ہے۔ پس !لامحالہ بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان دشمنی پیدا ہوجاتی ہے، اور جب معاملہ دشمنی تک پہنچ گیا تو علاج دشوار ہے " أعاذنا الله من هذه الخسارة " (ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس خسارہ (نقصان) سے)۔

اب ہم یہاں کچھ مسائل برائے کاملین وسالکین بیان کرتے ہیں۔

مسائل برائے کاملین وسالکین

مسئلہ: اگر کوئی کامل بزرگ کسی بزرگ کو اپنے سے بھی زیادہ کامل دیکھے تو اس کو اس سے فیض اخذ کرنا چاہیے، یہاں تک کہ اگر اپنے کمتر میں بھی کوئی خوبی دیکھے تو جو اپنے اندر نہ پائے، تو اس کو حاصل کرے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی۔

نیز ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا" اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا وَهُوَ أَحَقُّ بِهَا " (یعنی حکمت کا کلمہ (بات) مؤمن کی کھوئی ہوئی چیز ہے، پس جس جگہ پائے تو مؤمن ہی بہ نسبت دوسروں کے اس کے اختیار کرنے میں زیادہ حق دار ہے)۔

مسئلہ: جو اولیائے کامل اپنے اندر لوگوں کو ہدایت کرنے اور ان کی تکمیل کی طاقت رکھتے ہوں، ان کو چاہیے کہ اپنی برکتوں اور فیض سے لوگوں کو اطلاع دے، تا کہ ان سے فائدہ حاصل کر سکیں، ولیوں کو لوگوں کے برا بھلا کہنے کی طرف ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیے، اور ان کے انکار کرنے کی طرف کچھ دھیان نہ دینا چاہیے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: " لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ " یعنی (میری امت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت رہے گی کہ جو اللہ کے کاموں کو انجام دے گی (یعنی خلقت کی ہدایت اور دین کا رواج دینا) انہیں رسوا کرنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے)۔ مخلوق کی ہدایت کرنا نبیوں کی سنت ہے اور اولیاء اللہ اس کام کو نبیوں کی نیابت میں کرتے ہیں، اور یہ کمینوں کے برا بھلا کہنے کو دیکھ کر اس خدمت سے بَری نہیں ہوتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيْرِo﴾ یعنی (اگر لوگ تجھے جھٹلائے تو تو بالکل غم نہ کر، اس لیے کہ تجھ سے پہلے بھی جو نبی آئے تھے، ان کو بھی جھٹلایا گیا تھا، حالاں کہ ان کے پاس بھی نبوت کی کھلی دلیلیں اور روشنی بخشنے والی کتابیں تھیں)۔ یہ آیتِ کریمہ اور حدیث شریفہ صاحبِ ارشاد اولیاء کی بزرگی پر دلیل ہے۔

مسئلہ: جاننا چاہیے کہ جو شخص مال و عزت حاصل کرنے کی لالچ میں ولی ہونے کا دعویٰ کرے وہ ولی نہیں ہے، بلکہ شیطان کا خلیفہ ہے، جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور غلام

احمد قادیانی تھا، ﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ یعنی (اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں کہ جوحق تعالیٰ پر جھوٹ بولے، یا یہ کہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے، حالاں کہ اس کے پاس وحی نہ آتی ہو، یا یہ کہے کہ جیسے اللہ نازل کرتا ہے، اسی طرح میں نازل کروں گا) ایسے کلمات کہنے والے کو شیطان جان لو، کیوں کہ یہ شیطان کی طرح حق تعالیٰ کے راستہ سے روکتا ہے (نعوذ باللہ منہا)۔

مسئلہ: اولیائے کرام کو یہ جائز ہے کہ جوانعامات حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا کئے گئے ہیں، ان کا لوگوں پر اظہار کریں، چنانچہ قصائد غوث ثقلین رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تصانیف اس سے بھری پڑی ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے ﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ﴾ یعنی اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں کو ظاہر کرو)۔

اور نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے: " إن الحديث بالنعمة شكر " یعنی (نعمت کا ظاہر کرنا شکر کا ادا کرنا ہے) بیہقی نے اسی حدیث میں اتنا اور زیادہ کر دیا ہے " وتركه كفر " جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعمت کا ظاہر کرنا شکر کا ادا کرنا ہے اور یہ ظاہر نہ کرنا نعمت کا انکار ہے۔

حلیہ میں ابونعیم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ممبر پر تشریف لے جا کر فرمایا کہ: " الحمد لله الذي صيرني ليس فوقي أحد " یعنی (تمام تعریفیں حق تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے مجھے سب سے بالا تر بنایا) یہ کہہ کر ممبر سے اتر آئے، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے یہ الفاظ صرف شکر ظاہر کرنے کے لیے ہی کہے تھے۔

اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بے شمار قول ہیں، اور سلفِ صالحین کے بے حد ارشادات ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ نے تو نفس کی پاکیزگی پر فخر کرنے کو منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ﴿ وَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ ﴾ یعنی (اپنے نفس کو پاکی سے یاد نہ کرو) تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر چہ یہ نفس کا پاکی سے بیان کرنا اور نعمت کا ظاہر کرنا بظاہر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر اصلیت میں ایک دوسرے میں بہت فرق ہے۔ اگر اُن کمالات کی نسبت اپنے نفس سے کرے اور حق تعالیٰ کی طرف نہ کرے تو یہ نفس کا پاکی سے بیان کرنا ہے، اور اس پر تکبر کرنا گناہ ہے، اور ان کمالات کی نسبت اپنے نفس سے نہ کرے، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف کرے، اپنے آپ کو برا اور نِکمّا جانتے ہوئے حق تعالیٰ کے حضور میں شکر ادا کرے تو اس کا نام اظہارِ نعمت ہے، اگر چہ ان دونوں باتوں میں عام نظروں میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر حق تعالیٰ کے نزدیک بہت فرق ہے ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ﴾ یعنی (اللہ تعالیٰ فسادی کو صلح پسند سے الگ جانتا ہے) وہ حق تعالیٰ کے ولی جن کے دل تمام خرابیوں سے پاک ہے اگر وہ ایسا کرے تو اس میں ذرا برابر بھی تکبر نہیں پایا جاسکتا۔ پس اگر حق تعالیٰ کے بندے نعمت ظاہر کرے تو اس پر اعتراض ٹھیک نہیں، کیوں کہ ان پر اچھا گمان کرنا ضروری ہے، لیکن مرید کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کی دھوکہ بازی سے بے فکر نہ رہے اور اپنے کمالات کا خیال تک بھی نہ لائے اور اپنے نفس کو ہمیشہ الزام دیتا رہے، جب کمال کے درجے تک پہنچ جائے اور بزرگواروں کی گواہیوں اور الہاموں سے لگا تار بتایا جائے اس وقت اپنے کمال کو ظاہر کرے، تا کہ لوگ اس کے مرتبوں کو سمجھے اور اس سے فائدہ حاصل کرے۔

مسئلہ: جو لوگ کامل ہیں، ان کو اپنے حاصل کردہ مدارج پر قناعت نہ کر لینا چاہیے، بلکہ ان کو حق تعالیٰ کی نزدیکی کے اور درجات حاصل کرنے میں کوشش کرتے رہنا

چاہیے اور ان کو چاہیے کہ وہ حق تعالیٰ کے دربار میں اس طرح دعا کرے جس طرح حضور ﷺ نے کی کہ ﴿ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْماً ﴾ یعنی (اے رب! میرے علم کو زیادہ کر)۔

مسئلہ: جو اولیائے کرام کہ حق تعالیٰ کے زیادہ مقرب ہوں گے، ان کی عبادت کا ثواب ان دیگر اولیاء کی عبادت سے زیادہ ہوگا، جو کہ مرتبہ کے اعتبار سے ان سے بہت کم درجے میں ہیں۔

اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے بارے میں ہے، جس کے آخری الفاظ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نیکی کے برابر ہے۔

مسئلہ: کوئی ولی نہ تو نبی کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے شرعی تکالیف ہٹ سکتی ہے، برخلاف مجذوب کے، کیوں کہ اس سے عقل لے لی ہے اور شرعی تکالیف کی ادائیگی کے لیے عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے، پس مجذوب عقل نہ ہونے کی وجہ سے شرعی تکالیف سے آزاد ہو جاتا ہے، لیکن یہ سالک سے نہیں ہٹ سکتی ہے اور کیسے ہٹ سکتی ہے، جب کہ نبیوں تک سے نہیں ہٹ سکی، بلکہ سالک جس قدر تکالیفِ شرعیہ کو برداشت کرے گا، اسی قدر حق تعالیٰ کے قرب میں ترقی کرتا جائے گا، اس لیے سالک کو چاہیے کہ مراقبہ اور ذکر میں ہرگز سستی نہ کرے، بلکہ مرتے دم تک اسے ترک نہ کرے اور اپنی زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہ گذارے کے جس میں مجاہدہ اور مکاشفہ سے غفلت کی ہو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُo ﴾ یعنی (اے محمد ﷺ! اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ موت آئے)۔

پس! دوسروں کی تو کیا حقیقت ہے کہ ان سے شرعی احکام بلا عذرِ شرعی ہٹالی جائے، یہ جو بعض لوگ بزرگ صورت، شیطان سیرت، شریعت کے حکموں کے خلاف عمل کرتے

ہیں اور اَن پڑھ عام لوگوں کو بہکاتے ہیں کے وہ شرعی پابندیوں سے آزاد اور معاف کردئے گئے ہیں، وہ سراسر شیطان کے چیلے ہیں، اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور ٹھگتے ہیں، پس ان کے فریب سے بچنا اور اپنے اعمال وعقائد کو اس گندے خیال سے بچانا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

مسئلہ: تقویٰ میں اس وقت تک کمال حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ نفس کے تمام رذائل، یعنی حسد، کینہ، غرور، ریا اور غیبت وغیرہ کو اچھی طرح نہ مٹادے اور یہ تمام باتیں نفس کے فنا کردینے ہی سے ہے اور نفس اس وقت تک فنا حاصل نہیں کرتا تب تک کہ حق تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تمام چیزوں کی محبت پر غالب نہ ہوجائے، بلکہ جب تک انسان کے دل میں غیر اللہ کی محبت کی ذراسی بھی گنجائش ہوگی تو اس وقت تک ایمان اور تقویٰ میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ: مرید کو اپنے پیر کے کسی کام پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے، اگر وہ ایسا کرے گا تو پیر کی برکتیں اور فیض اس پر بند ہوجائیں گے۔

اس کی دلیل حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہے، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فیض حاصل کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ ہی کہا اور اسی کا اقرار لیا کہ جو کچھ میں کروں اس پر اعتراض نہ کرنا، جیسا کہ قرآن میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام پر ظاہر شریعت کے اعتبار سے اعتراض کیا تھا اور ان کو حضرت خضر علیہ السلام کی حکمت معلوم نہ تھی، لیکن ان کے اعتراض ہی کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ اب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے۔

فائدہ: یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اگر پیر سے اس کی زندگی میں کوئی بات خلافِ شرع واقع ہو جائے اور وہ پرہیزگاری اور استقامت والا ہو، تب بھی اس پر

اعتراض نہ کرے، بلکہ تاویل کرلے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کی عادت اور طریقہ ہی فسق وفجور ہو تو بے شک ایسا شخص ہرگز ہرگز ولی نہیں اور نہ ایسے شخص کے کاموں اور باتوں کی کوئی وجہ نکالنی اور تاویل ضروری ہے۔

مسئلہ: جس طرح بزرگوں کی شان گھٹانا اور ان کے آداب بجالانا اور ان میں نقص نکالنا حرام ہے، اسی طرح ان کی شان حد سے زیادہ بڑھانا بھی گناہ ہے، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو بڑھا کر حق تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا، تو اس سے حق تعالیٰ کی شان میں کمی لازم آتی ہے، اسی طرح رافضیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بڑھا دیا، اور بعضوں نے ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بڑھا دیا، یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن سے حق تعالیٰ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی شان میں کمی آتی ہے، جو کہ بہت بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ: اولیاء اللہ کو علمِ غیب کلی نہیں ہوتا، اگرچہ بعض باتوں کا حال عادت کے خلاف، کشف اور الہام سے معلوم ہو جاتا ہے، اور اولیائے کرام کو کلی غیب کا جاننے والا کہنا سراسر کفر ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ قُلْ لَّآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ أَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ یعنی (اے محمد ﷺ! آپ یہ کہہ دیں کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں (کہ جس کو چاہوں دوں) اور نہ یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو غیب کا علم ہے)، علاوہ اس کے اور بھی بہت سی آیتیں ہیں، جو کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو علم غیب کلی نہ ہونے کے لیے صاف دلیل ہے۔

مسئلہ: ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ٥ ﴾ میں حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ کہا کرے کہ ''اے مولیٰ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں'' عبادت ہو یا کوئی اور چیز ہو، جب اس پر لفظ " إياك "، بمعنی ''خاص کر'' کا آتا ہے، تو اس سے پابندی ثابت ہو جاتی ہے اور خصوصیت آجاتی ہے۔

پس! اولیائے کرام کے نام سے منت ماننا، نظر مقرر کرنا ناجائز اور حرام ٹھہرا، اور اگر کسی نے ایسی نظر کی نیت کر لی ہے تو ہرگز ہرگز پورا نہ کرے، جہاں تک ہو سکے اس گناہ سے بچنا ضروری ہے۔ ہاں! نظر صرف واسطے اللہ کے کرنا چاہیے اور وہ غریبوں کو کھلا دینا چاہیے اور اس کا ثواب جن بزرگواروں کو چاہے پہنچا دے۔ یہاں اس فقیر کی مراد صدقہ دینے اور ثواب پہنچانے سے روکنے کی نہیں ہے کہ وہ بجائے خود جائز اور اچھا ہے، بشرطیکہ غریبوں کو کھلایا جائے اور نیت خالص ہو اور قبروں کے اردگرد پھرنا (طواف کرنا) بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ طوافِ بیت اللہ کہ مشابہ ہے اور طوافِ کعبہ بھی نماز ہی کا حکم رکھتا ہے اور نماز حق تعالیٰ سے مخصوص ہے، اس لیے قبروں کے اردگرد پھرنا ناجائز ٹھہرا۔ اور اسی پر زندہ بزرگوں یا قبروں کو سجدہ کرنا یا ماتھا لگانا ناجائز ٹھہرا۔

مسئلہ: اولیاءاللہ کی قبروں کو اونچا بنانا اور ان پر گنبد بنانا خلافِ شرع طریقہ پر عرس کرنا، چراغاں وغیرہ کرنا یہ سب بدعت ہے۔ اور بعض ان میں ایسی باتیں بھی ہیں جو کہ حرام ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو مکروہ ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے قبر کو مسجد اور عید نہ بنانا (عید سال بھر میں لوگوں کے ایک جگہ جمع ہونے کا دن ہے) جس سے عرس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے اور مسجد سجدہ کرنے کی جگہ ہے، جس سے قبروں کو ماتھا لگانا منع ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس غرض سے بھیجا کہ بلند قبروں کو برابر کر دے اور جہاں تصویریں دیکھے ان کو مٹا دے۔

مسئلہ: معصوم (بے گناہ) ہونا نبیوں ہی کی خصوصیت ہے اور اولیاء کا معصوم سمجھنا کفر ہے، اور اصطلاح میں معصوم ہونے کی یہ تعریف ہے کہ اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ جان بوجھ کر یا بھول سے ممکن نہ ہو۔

مسئلہ: ''نہی از اشتغال بہ انوار'' مراقبات ومعاملات میں اگر کچھ انوار وغیرہ نظر آئے تو اپنے اعتقاد اور عمل کو درست رکھنا چاہیے، اعتقاد کی درستی تو یہ ہے کہ اس کو حادث اور مخلوق سمجھے، خالق اور قدیم نہ جانے، کیوں کہ حق تعالیٰ کی رویت (دیدار) دنیا میں نہیں ہوسکتی اور عمل کی درستی یہ ہے کہ ان انوار میں دل نہ لگائے، بلکہ اس کی نفی کرے کہ مطلوبِ حقیقی (حق تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہوجائے، کیوں کہ اگر چہ وہ انوار ملکوتی ہے، لیکن پھر بھی مخلوق ہے تو اس میں مشغول ہونا ایسا ہی ہے، جیسا مال وزر میں مشغول ہونا، اور اس راستہ کی رکاوٹ ہونے میں دونوں برابر ہیں، بلکہ ''ملکوت'' کے یہ نورانی پردے ''ناسوت'' کے ظلماتی پردو (مال وزر وغیرہ) سے زیادہ شدید ہیں، کیوں کہ ناسوتی موجودات کو آدمی رکاوٹ سمجھتا ہے اور بے کار جانتا ہے اور ان میں زیادہ لذت بھی نہیں ہوتی، اس لیے دل ان میں زیادہ نہیں پھنستا، اور انسان ان کے دور کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے، اس کے مقابلہ میں ملکوتی انوار کو بہت بڑی چیز سمجھتا ہے اور اپنے مجاہدہ کا پھل اور لذیذ جانتا ہے، اس لیے اگر دل اس میں اُلجھ گیا تو عمر بھر بھی اس قید سے نکلنے کی امید نہیں، اور ساتھ ہی اگر ان انوار کو لاہوتی انوار (ذات وصفاتِ حق) سمجھ گیا تو عمل کے ساتھ عقیدہ بھی بگڑا، اس مقام پر بہت سے لوگ برباد ہوگئے، اس لیے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے، کیوں کہ اعتقاد اور عمل کی حفاظت کا اہتمام واجب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور شریعت کے خلاف کسی کام کے لیے حضور ﷺ کی مرضی یا اجازت معلوم ہوئی تو اس کا اعتبار نہیں، کیوں کہ اول تو وہ خواب ہے اور ہوسکتا ہے کہ شیطان نے کسی طرح درمیان میں آکر خلافِ واقع کو واقع کی صورت میں ظاہر کر گیا ہو اور دیکھنے والوں کو شک وشبہ میں ڈال دیا ہو۔ پس! ہر مسئلے میں ظاہر شریعت کے مطابق اہل سنت وجماعت کا اعتبار کیا جائے۔

مسئلہ: کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کرے، دین کی بدعت سے کم نہیں۔

نسبت یا ولایت

نسبت یا ولایت، مقبولیت اور حضور مع اللہ کو کہتے ہیں، تمام سلسلوں میں نسبت ایک ہی ہے، لیکن اس کے الوان واوصاف مختلف ہیں، کسی کو خشیت ہوتی ہے، کسی کو محبت، کسی کو حضور مع اللہ اور اس کا ظہور سالک کی استعداد کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔

عام طور پر خاندانِ چشتیہ میں حرارت وشوق، قادریہ میں صفا والمعان اور نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بے خودی واطمینان کا ادراک ہوتا ہے اور احمدیہ مجددیہ میں تمام لطائف میں حق تعالیٰ کے لیے دوامی توجہ اور حضور پیدا ہوتا ہے، سلوک کے ہر مقام کی کیفیت کو بھی اس مقام کی نسبت کہتے ہیں۔

اصل نسبت جو حضور مع اللہ سے عبارت ہے، کسی کے سلب کرنے سے سلب نہیں ہو سکتی، ہاں! گناہ سے سلب ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے، البتہ کیفیات والوان کی نسبت سلب ہو سکتی ہے، جو لوگ اس کی مشق کرتے ہیں، وہ سلب کر سکتے ہیں۔ تصرفِ سلب سے وہ کیفیتِ شوق جاتی رہتی ہے، اور ایک قسم کی افسردگی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن پھر ذکر کی برکت سے وہ عود کر آتی ہے۔

عام مؤمن میں بھی بعض تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس میں مشغول نہ ہونے کے باوجود صاحبِ نسبت ہوتے ہیں، بلکہ بعض ان مجاہدہ کرنے والوں سے بھی اچھے ہوتے ہیں، جو سالہا سال ریاضت ومجاہدہ کرتے ہیں اور پھر بھی ناقص رہتے ہیں، لیکن اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ اہل ریاضت کو اس نسبت کا علم وحضور ہو جاتا ہے اور دوسروں کو اپنے صاحبِ نسبت ہونے کا علم نہیں ہوتا، حالاں کہ وہ بھی مقبول بندہ ہوتا ہے۔ نیز عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے تعلق پیدا کر کے ہی اس نسبت کا حاصل کرنا افضل ہے۔

اب ہم یہاں اقسامِ اولیاء اللہ بیان کرتے ہیں۔

اقسامِ اولیاء اللہ

اس بارے میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں، اولیاء اللہ کے بارہ گروہ ہیں:
اقطاب، غوث، امامین، اوتاد، ابدال، اخیار، ابرار، نُقبا، نُجبا، عمد، مکتومان، مفردان۔

حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ غوث قطبِ مدار سے الگ ہے، بلکہ غوث اس کے روزگار کا معاون ہے قطبِ مدار۔ بعض امور سے اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے اور قطب کو اس کے اعوان وانصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں، کیوں کہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار حکمی قطب ہیں، فتوحات مکیہ کے چودہویں باب میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطبِ یکتا جس سے نوع انسان کی تخلیق کے وقت سے لے کر قیامت تک تمام انبیاء علیہم السلام و رسول اور اقطاب مسلسل فیض حاصل کررہے ہیں وہ آقاء دو جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کی روح طیبہ ہے۔

قطب العالم: ایک ہوتا ہے اس کو قطب الاکبر، قطب الارشاد، قطب الاقطاب و قطب مدار بھی کہتے ہیں، اور عالم غیب میں اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے، اس کے دو وزیر ہوتے ہیں جو ''امامین'' کہلاتے ہیں۔ وزیریمین (داہنے) کا نام عبدالملک ہے، یہ قطب کے داہنے ہاتھ پر رہتا ہے اور اس کی نظر ملکوت میں رہتی ہے، اس کا رتبہ اپنے دوسرے ساتھی سے بلند ہے، یہی ہے جو قطب کی خلافت سنبھالتا ہے (اس کے وصال کے بعد قائم مقامِ قطب ہوتا ہے) اور وزیر یسار (بائیں) کا نام عبدالرحمٰن ہوتا ہے، جو قطب کے بائیں ہاتھ پر رہتا ہے، اس کی نظر ملک میں رہتی ہے، ان کی ظاہری خصوصیات زہد، پرہیزگاری، امر المعروف ونہی عن المنکر ہے، اور باطنی خصوصیات، صدق، اخلاص، حیا اور مراقبہ، اور ان امامین سے حق تعالیٰ عالمِ غیب اور عالم شہادت (عالم محسوسات) کا

تحفظ فرماتے ہیں، اور بارہ ''قطب'' اور ہوتے ہیں: سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں، ان کو قطبِ اقلیم کہتے ہیں اور پانچ یمن میں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں یہ عدد تو اقطابِ معینہ کا ہے اور غیر معین ہر گاؤں اور ہر شہر میں ایک ایک قطب ہوتا ہے، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کے بھی اقطاب ہوتے ہیں۔

''غوث'' ایک ہوتا ہے۔غوث کا اطلاق ایسے عظیم المرتبت انسان پر ہوتا ہے، جس کے پاس لوگ اپنی حاجت لے کر جائیں، پریشانی کے عالم میں وہ لوگوں پر اہم ترین علوم کے پوشیدہ اسرار ظاہر کیا کرتا ہے۔اس سے دعا طلب کی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔وہ اگر حق تعالیٰ کو قسم دے کر کچھ طلب کرے تو حق تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دیتے ہیں، جیسا کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ۔صحیح یہی ہے کہ وہ قطبِ مدار سے مختلف ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ جو فرمایا'' حق تعالیٰ کو قسم دے کر کچھ طلب کرے تو حق تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دیتے ہیں'' اس قسم کی باتوں کو سمجھنے میں عوام غلطی میں مبتلاء ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں ولی جو چاہے حق تعالیٰ سے کروا سکتے ہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ حق تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کرواتے ہیں، ولی کی تو صرف زبان استعمال ہوتی ہے، نعوذ باللہ حق تعالیٰ کوئی کھلونا نہیں ہے کہ جو جدھر چاہے ادھر موڑ دے۔حق تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَاباً ۝ ﴾ یعنی (کوئی بول نہ سکے گا، مگر جس کو (اللہ رحمٰن) اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہوگی) یہ آیت سورۂ نبا کی ہے۔قیامت کے بارے میں ہے نبیوں کو اجازت نہیں کہ کچھ بولے، مگر وہ جس کو حق تعالیٰ اجازت بخشے گا، وہی بات کر سکے گا، یہ حق تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی بات ہے، حق تعالیٰ جو کام کا ارادہ فرما چکے ہوتے ہیں اور وہ چیز اس بندے کے حق میں مناسب بھی ہوتی ہے تو ایسی باتیں اپنے ولی کی زبان سے نکلواتے ہیں۔جب کوئی بات پیش آتی ہے،

یا حالات ایسے پیدا ہوتے ہیں ، یہ حالات یا ماحول اس وقت میں پیدا ہوتے ہیں ، یہ سب حق تعالیٰ کے علم کے مطابق حق تعالیٰ خود پیدا فرماتے ہیں، تاکہ اس وقت یہ بندہ ولی پر ایک قسم کا دباؤ پیدا ہوتا ہے ، تاکہ وہ ''ولی'' جو حق تعالیٰ اس کی زبان سے جو دعاء یا بات کہلوانا چاہتے ہیں ، وہ ایک دم سے نکلتی ہے ، اور وہ جو اس نے کہا اس کے مطابق ہوجاتی ہے ، وہی بات اس ولی کی زبان سے نکلواتے ہیں جو حق تعالیٰ نے ارادہ کیا ہوتا ہے ۔عوام سمجھتی ہے کہ ولی جو چاہے حق تعالیٰ سے کروا لیتا ہے، نہیں ہوتا ۔عوام ولی اسی کو مانتی ہے جو وہ چاہے، اس ولی کے ذریعہ حق تعالیٰ سے کروالے، اگر نہیں ہوتا تو اس کو ولی نہیں سمجھتے ، یہ ایک غلط خیال اور عقیدہ ہے ، ایسے ہی لوگوں کے لیے حق تعالیٰ نے دجال کے ذریعہ امتحان رکھا ہے ، جو ''چمتکار'' کو نمسکار کرتے ہیں حق تعالیٰ حفاظت فرماوے ۔ بعض مقرر حضرات اپنی تقریر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ زمین پر حضرت عمر کی زبان سے جو نکلا وہ عرش سے وحی بن کر نازل ہوا ۔اے میرے عزیز !ایسے نہیں ہے یہ تو عمر کی خوش نصیبی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی زبان کے ذریعہ وہ کہلوایا جو وحی نازل ہونے والی تھی ،﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَآءُ ، وَاللّٰهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o ﴾ (یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں اس کو عطا فرماتے ہیں، اللہ بڑا فضل والا ہے) ۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت پر جمے ہوئے یہ لوگ انہیں چیزوں پر ٹھہر گئے جو حق تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے ظاہر کرائی تھی ، ان کی نظر آگے نہیں بڑھی ، یہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہی خدا سمجھنے لگے ، حالاں کہ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کے حکم سے ان کے لیے ہوا اور اللہ کی بات ہی پوری ہے ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقاً وَّعَدْلاً ﴾ (تیرے رب کی بات سچائی اور عدل میں پوری ہے) حق تعالیٰ کی بات ہی سے ہوا جو کچھ ہوا، جب وہ کسی چیز سے کہتے ہیں ''ہو جا'' تو وہ اللہ کے حکم سے ہوجاتی ہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی چیز میں حیات وزندگی اپنی ناسوتی قوت سے نہیں پیدا

کرتے تھے، بلکہ صرف حق تعالیٰ کے حکم اور روح القدس کی تائید سے جان ڈالتے تھے، اسی بات کو اس آیت میں بیان کیا گیا ﴿ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْراً بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (عیسیٰ علیہ السلام بے جان مورت میں پھونک مار دیتے تو اللہ کے حکم سے پرندہ زندہ بن جاتا) کیوں کہ روح تو حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طاقت اور ان کے حکم سے، حق تعالیٰ کی طرف ہی اس کی نسبت ہے، قرآن میں سورۂ صاد میں فرمایا: ﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ ﴾ (جب ہم نے اس کو (یعنی آدم کو) بنائے اور اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونک دے) پس یہ پہلی بار روح پھونکنا بلا واسطہ ہوا ہے، جس نے نوع انسان کی بنیاد ڈالی۔

انسان کی عظمت

نوعِ انسان ایک ایسی قوت ہے جو بلا واسطہ حق تعالیٰ کی تجلّی سے قائم ہوئی، اسی لیے انسان میں شانِ باری تعالیٰ کے آثار اور عظمتِ الٰہی کی علامات ظاہر ہوئی، جن کی وجہ سے انسان نے تمام معلومات کو جان لیا، اور اسی کے ذریعہ نئی نئی اجادات کو ظاہر کیا اور یہ قوت میں جو آدم علیہ السلام میں پھونکی گئی تھی ان کی اولاد میں بھی پہنچی، جو ہمیشہ چلتی رہے گی، اسی کے ذریعہ ہر زمانے میں نئی نئی ایجادیں اور عجیب وغریب علوم جزوی وکلی ظاہر ہوتے رہتے ہیں، یہ سب اسی روح پھونکنے کا اثر ہے، جس سے وہ زمین وآسمان سے باخبر ہوکر تمام چیزوں پر مطلع ہو گئے۔ یہ قوت ان کی تمام اولاد میں تقسیم کردی گئی، جو نسلاً بعد نسلٍ چلی آتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اس قوت سے پورا حصہ لیا اسی لیے ان کے ہاتھوں سے عجیب وغریب علوم اور حکمتیں ظاہر ہوئیں، یہ سب اَزلی فوائد ہیں اور ہر شخص کے ہاتھ سے اسی قدر منافع ظاہر ہوتے ہیں، جتنا اس چھینٹے اور پھونک سے اس کو حصہ ملا ہے، یہ اَزلی تقسیم ہے، ہر شخص نے اس میں سے اسی قدر پایا جتنا اس کی استعداد و قابلیت کے موافق اس پر چھڑک دیا گیا۔

پس! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک نبی ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو درجے اور زمانے کے اعتبار سے نور کا پورا حصہ ملا ہے، وہ جو کچھ کرتے تھے، حق تعالیٰ کے حکم سے کرتے تھے، خودنہیں کرتے تھے، ان کا ہر کام حق تعالیٰ کے حکم پر موقوف تھا، حقیقت تک نظر نہ پہنچی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہنے لگے ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ٥ ﴾ (اور جس کو اللہ ہی گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں کرسکتا)۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ حق تعالیٰ کس طرح صاف صاف نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں ﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ (جب آپ ﷺ نے (جنگ بدر میں ایک مٹھی بھر کنکریاں) پھینکی تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی) سوچو! حق تعالیٰ نے آپ ﷺ ہی کے ظاہری فعل میں اس کام سے آپ ﷺ کو کیوں کر الگ رکھا ہے، یہ بھی فرماتے ہیں آپ ﷺ نے پھینکا اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکا۔ مطلب ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظروں میں تو آپ ﷺ کا فعل تھا، مگر حقیقت میں کرنے والا اور تھا، یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ، اور اس بات کے بتلانے کی اس لیے ضرورت تھی، تاکہ کسی کو آپ ﷺ کے جسم مبارک جو حق تعالیٰ کا تابع ہے، ذاتی قدرت و طاقت کا گمان نہ ہوجائے اور کوئی نبی کریم ﷺ ہی کو صاحبِ تصرّف نہ سمجھنے لگے، حالاں کہ آپ ﷺ صرف مدبّر ہیں۔

اب سمجھو کہ قدرتِ الٰہی کا جو حصہ بھی کسی ظاہری مخلوق میں ظاہر ہوا ہے، اس کے پردے میں ظاہر کرنے والا دوسرا ہے، یعنی حق سبحانہ تعالیٰ، تو جو شخص ظاہر سے آگے بڑھ کر پردہ والے تک پہنچ گیا، اس پر ملکوت کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں، اور یہ ان لوگوں میں داخل ہوجاتا ہے، جو پاکیزہ میدان میں سیر کرنے والے ہیں، اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، جو ولایت کے اقسام ہیں۔

''اَوتاد'' چار ہوتے ہیں، اور وہ اس عالم کی چاروں سمتوں کے چار رکن میں رہتے ہیں، ان میں چار خصوصیات ظاہری ہیں: کثرتِ صیام (روزے) قیامِ لیل، کثرتِ ایثار اور شب کے تیسرے پہر میں، یعنی نصف شب کے بعد استغفار۔ اور باطنی خصوصیات یہ ہیں: توکل، تفویض (سپردگی اللہ کو) اور تسلیم۔ ان میں سے بھی ایک ان کا قطب ہوتا ہے، جس کی یہ اقتداء کرتے ہیں۔

''ابدال'' چالیس ہوتے ہیں بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔ یہ حضرات استقامت اور اعتدال سے بہرہ ور، یعنی افراط وتفریط سے محفوظ ہوتے ہیں اور وساوس وخطرات سے پاک ہو چکے ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تعداد میں سات ہوتے ہیں اور ان کے سپرد ہفت اقلیم کا تحفظ ہے۔ صحیح یہی ہے کہ وہ چالیس ہوتے ہیں، انہیں سیارگان سے متعلق امور واسرار، نیز ان کی حرکات اور مختلف منازل میں داخلہ کا علم رہتا ہے، ان کو ''ابدال'' اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ، جب ان میں سے کوئی شخص ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر اختیار کرتا ہے، تو وہ اپنی جگہ اپنا ایک ہم شکل قائم مقام بنا جاتا ہے، کہ دیکھنے والوں کے لیے امتیاز ممکن نہیں رہتا، انہیں قطعاً شبہ نہیں ہوتا کہ وہ نہیں دوسرا ہے۔ یہ بدل کی امتیازی علامت ہے، بدل ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے، یہ آٹھ صفات سے متصف ملتے ہیں۔ ظاہر کے اعتبار سے خاموشی، بیداری، بھوک اور خلوت اور باطن کے اعتبار سے تجرید، تفرید، جماع، توحید، ان میں سے ایک امام ہوتا ہے، اور وہ ان کا قطب کہلاتا ہے۔

''اخیار'' پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں، اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں، بلکہ وہ سیاح ہوتے ہیں اور ان کا نام حسین ہوتا ہے۔

''ابرار'' ہی کو اکثر نے ابدال کہا ہے۔ ''نُقبا'' تین سو ہوتے ہیں، جو ملکِ مغرب میں رہتے ہیں، سب کا نام علی ہوتا ہے۔ یہ حقائقِ اشیاء اور اسرار نفوس کو آشکارا کرتے

ہیں، ان سے دس کام وابستہ ہے: چار ظاہر سے متعلق ہے، یعنی کثرتِ عبادت، تحقیق، زہد، ترکِ ارادہ، قوت مجاہدہ۔

اور باطن سے چھ کام متعلق ہے، یعنی توبہ، انابت، محاسبہ، تفکر، اعتصام اور ریاضت۔ ان تین سو کا انہیں میں سے ایک امام ہے، یہ سب کچھ اسی کے ذریعہ سے لیتے اور اسی کی اقتداء کرتے، وہی ان کا قطب ہے۔

''نُجبا'' بہ اختلافِ اقوال ستّر یا چالیس ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ہیں، ان سب کا نام حسن ہوتا ہے، یہ مخلوق کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور دنیا والوں کا غم کھاتے ہیں، ان کی زندگی دوسروں کی خدمت میں صرف کرتے ہیں، ان میں آٹھ خصوصیات ہوتی ہیں: چار ظاہری، یعنی جواں ہمت، تواضع، مؤدب اور کثیر العبادت ہوتے ہیں۔

چار باطنی، یعنی صبر، رضا، شکر اور حیا، اخلاقی حیثیت سے ان کا رتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔

''عمد'' چار ہوتے ہیں اور وہ زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں، ان سب کا نام محمد ہوتا ہے، اور غوث ترقی کرکے فرد ہوجاتا ہے، اور فرد ترقی کرکے قطبِ وحدت ہوجاتا ہے، اور مکتوم تو مکتوم (پوشیدہ) ہی ہے۔

فائدہ: قطب اس وقت تک قطب نہیں ہوتا، جب تک اس میں ان تمام اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات یکجا نہ ہوجائے، جن کا ذکر مختلف طبقات کے تحت اوپر ہو چکا، اور یہ منصب وہبی ہے اور وراثتِ ظاہری کی طرح اس میں وراثت نہیں چلتی، بلکہ حق تعالیٰ جسے چاہتے ہیں عطاء فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم

لطائفِ عشرہ کا بیان

بذریعہ کشف بزرگوں سے ثابت ہے کہ انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے، ان میں پانچ یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفی عالمِ امر سے ہے۔ اور پانچ یعنی نفس، آگ، پانی ہوا اور مٹی عالمِ خلق سے ہے۔ عالم امر کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ حق تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُo ﴾ یعنی (بے شک اس کا امر (حکم) یہی ہے کہ جب کرنا چاہے، کسی چیز کو تو کہے اس کو ہوجا، تو وہ اسی وقت ہوجائے) پس! جو دنیا ''کن'' کے کہتے ہی بن گئی، وہ عالم امر ہے اور عالم خلق کے لطیفوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بتدریج، یعنی وقفہ کے بعد آہستہ آہستہ پیدا ہوئے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ﴾ یعنی (بے شک تمہارا رب وہی ہے جس نے پیدا کیا زمین وآسمان کو چھ دن میں)۔

بزرگوں نے ان لطائف کو ایک دائرہ کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ نصف دائرہ عرش کے اوپر عالم اَمر میں ہے، اور نصف دائرہ عرش کے نیچے عالمِ خلق میں ہے، اس کو عالمِ اِمکان بھی کہتے ہیں، اور یہ عالم امر کو بھی شامل ہے، یعنی عالم امر کے اصول بالائے عرش ہے اور فروع عرش کے نیچے عالم خلق کے ساتھ ہے، لیکن نصف دائرہ بالائے عرش میں عالم خلق نہیں ہے، اس دائرہ کی صورت یہ ہے:

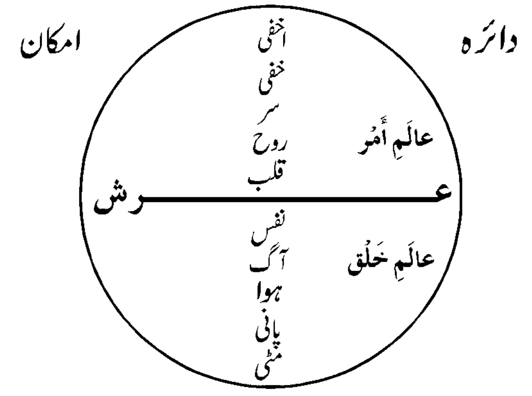

جب حق تعالیٰ نے انسان کی شکل وصورت کو بنایا تو عالم امر کے لطائف کو انسان کے جسم کی چند جگہوں کے ساتھ عاشقانہ تعلق بخشا، لیکن ان لطائف نے اپنے آپ اور اپنے اصول کے جو انوار ہی انوار ہیں، فراموش کر کے اس جسمانی ظلماتی پتلے کے ساتھ موافقت کر لی اور اپنا پورا تعلق اسی تاریک محل میں صرف کر دیا، جب حق سبحانہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت کسی بندے کے شامل حال ہوجاتی ہے، تو اس کو اپنے دوستوں میں سے کسی ایک دوست کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں، پھر وہ بزرگوار اس کو اس کے مناسب حال ریاضتوں اور مجاہدوں کا حکم فرما کر اس کے باطن کا تزکیہ وتصفیہ فرماتے ہیں، ذکر کی کثرت کے ذریعہ اس کے لطائف کو ان کے فراموش شدہ اصول کی جانب متوجہ کر دیتے ہیں۔

چنانچہ ''قلب'' کو بائیں پستان سے دو انگلی مائل بہ پہلو ''روح'' کو دائیں پستان سے دو انگلی نیچے ہے۔ ''سر'' کو بائیں پستان کے برابر دو انگلی سینے کی طرف ہے۔ ''خفی'' کو دائیں پستان کے برابر دو انگلی سینہ کی طرف ہے اور ''اخفی'' کو عین وسط سینہ میں رکھا ہے۔

یہ تمام لطائف اپنے اصول کے ساتھ انوار اور صاف چمک اور روشنی سے بھرپور تھے اور ہر وقت اپنی اصل کی طرف سیر کر کے مشاہدہ حق میں لگے رہتے تھے، لیکن اس عالم خلق میں بری صفتوں کے میل سے خراب ہو کر اپنے اصلی وطن کو بھول گئے، ان کا رجحان اسفل کی طرف ہو گیا۔

اب ہم یہاں ان لطائف کا نقشہ بیان کرتے ہیں، اور ان سے کون کون سی روحانی بیماریاں وابستہ ہے اور ان لطائف کا نور کس رنگ کا ہے وہ بھی ان شاء اللہ نقشہ میں درج ہوگا، رنگوں میں اختلاف بھی واقع ہوسکتا ہے، لیکن اس کا کوئی اعتبار نہیں، مقصد تو یہ ہے تمام لطائف میں ذکر جاری ہونا چاہیے۔

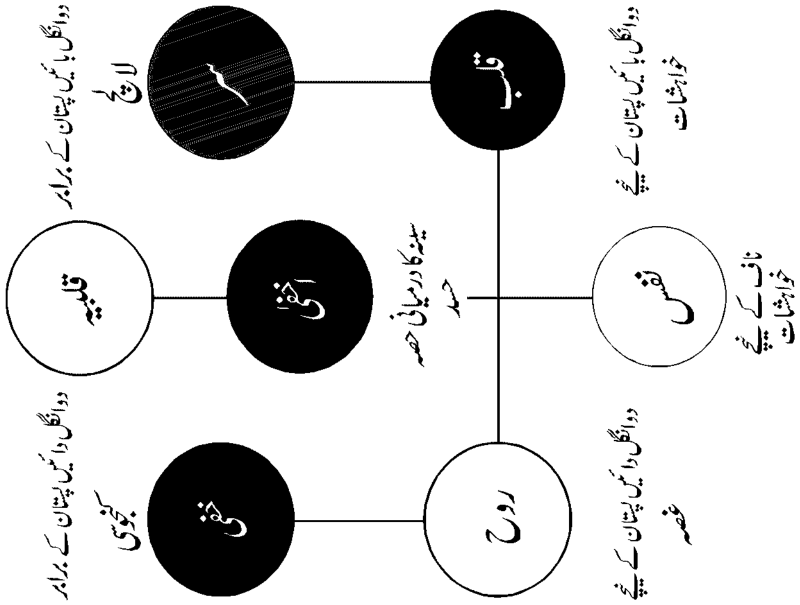
دو انگل بائیں پستان کے برابر
سر
لالچ
قلب
دو انگل بائیں پستان کے نیچے
خواہشات
قلبیہ
اخفیٰ
سینہ کا درمیانی حصہ
حسد
نفس
ناف کے نیچے
خواہشات
دو انگل دائیں پستان کے برابر
خفی
کنجوسی
روح
دو انگل دائیں پستان کے نیچے
غصہ

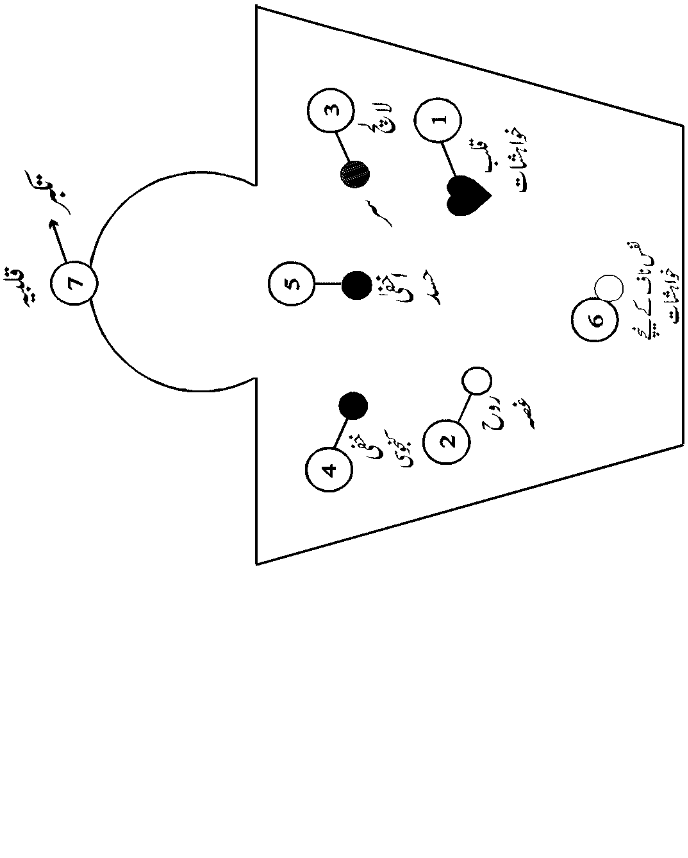
قلبیہ
تکبر
لالچ
سر
قلب
خواہشات
اخفیٰ
حسد
نفس ناف کے نیچے
خواہشات
خفی
کنجوسی
روح
غصہ

مشائخ نقشبندیہ شروع ہی میں مرید کو طریقۂ ذکر کا حکم فرماتے ہیں اور بجائے مشکل مشکل ریاضتوں اور مجاہدوں کے حد اعتدال کا اوقات اور احوال میں خیال رکھتے ہیں اور اپنی توجہات کو ہر روز سبق کے طور پر مرید کے حق میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اپنے مرید کو سنت کی اتباع اور بدعات سے پرہیز کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور ان کے حق میں رخصت پر عمل کرنا تجویز نہیں کرتے، اسی واسطے انہوں نے ذکرِ خفی کو اختیار کیا ہے اور حدیث شریف میں ذکر جہر پر ستّر درجہ اس کی فضیلت ثابت ہے۔

طریقۂ ذکر کی تعلیم

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا طریقۂ تعلیم بیان کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ لوگ تعلیم شیخ کے بغیر ان اسباق کو پڑھ کر اپنی سمجھ کے مطابق کرنے لگ جائے، بلکہ طالبِ حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے طریقہ اخذ کرے، اور جس طرح اس کا شیخ اس کو اسباق کی تعلیم دیتا رہے، اس کے ارشاد کے مطابق عمل کرتا رہے۔

یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ جب کسی مرید کو تعلیم دے تو وہ اس کا طریقہ وغیرہ اس سے سمجھ سکے۔

جاننا چاہیے کہ مشائخ کرام رحمہم اللہ نے صفائی باطن کے تین طریقے مقرر کئے ہیں: پہلا طریقہ ذکر ہے، خواہ اسم ذات (اللہ) کا ہو یا نفی، اثبات۔ دوسرا طریقہ مراقبہ۔ تیسرا رابطۂ شیخ ہے، جس قدر ان امور میں کمی ہوگی اسی قدر راستہ طے کرنے میں دیر لگے گی، سب سے پہلے لطائف میں، اسم ذات (اللہ) کا ذکر کرتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب (مرید) کو چاہیے کہ پہلے اپنے دل کو تمام خطرات (خیالی سلسلہ) سے پاک صاف کرے اور خطرات، وساوس دور کرنے کے لیے جنابِ الٰہی میں خوب تضرع وزاری کرے اور بعض مرتبہ شیخ مرید کے حال کو دیکھ کر اس کو تلقین کرتے ہیں کہ شیخ (پیر) کی

صورت کا تصور و خیال جس سے اس نے ذکر حاصل کیا ہے کرے، اسی تصوّرِ شیخ کو ذکر رابطہ بھی کہتے ہیں ۔ ذکر قلبی میں مشغول ہو، لیکن وقوف قلبی کی رعایت ضروری امر ہے، کیوں کہ ذکر تنہا اس کے بغیر کچھ فائدہ نہیں کرتا ۔ امام الطریقہ حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ وقوف قلبی کو تو منجملہ شرائط و واجبات کے شمار فرماتے ہیں، اور وقوف قلبی دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ۔ طالب کی توجہ اپنے دل کی طرف اور اس کے دل کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف جو اسم مبارک (اللہ) کا مسمّٰی و مصداق ہے، اس قلبی ذکر اور وقوف قلبی کے ساتھ اس حد تک مشغول رہنا چاہیے کہ دل کے ذکر کی حرکت خیال کے کان میں جا پہنچے گا، پھر اسی طرح لطیفہ روح سے ذکر کرے، پھر لطیفہ سر سے، پھر لطیفہ خفی سے، پھر لطیفہ اخفی سے پھر لطیفہ نفس سے اس کے مقام میں صوفیائے کرام نے اختلاف کیا ہے ۔ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مقام وسط پیشانی ہے، لیکن اس فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ ناف سے نیچے دو انگلی کے فاصلہ پر ہے، ذکر کرتا رہے، پھر تمام بدن سے جس کو لطیفہ قلبیہ کہتے ہیں، اس کا مقام وسط (بالائے دماغ) مقرر کرتے ہیں، اس قدر ذکر کرے کہ روئے روئے سے، ریشہ ریشہ سے ذکر جاری ہو جائے، اس کو سلطان الاذکار بھی کہتے ہیں، تمام بدن میں ذکر جاری ہو جاتا ہے، اس کے حصول کی علامت یہ ہے کہ سالک کے جسم کا گوشت پھڑکنے لگتا ہے، کبھی بازو میں کبھی پیر میں اور کبھی جسم کے کسی حصہ میں اور کبھی کسی حصہ میں، حتیٰ کہ کبھی کبھی تمام جسم ذکر کے ساتھ حرکت کرنے لگتا ہے اور سالک ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہے بیان سے باہر ہے ۔

جاننا چاہیے کہ اوپر جو لطائف میں ذکر کرنے کا بیان ہوا، زبان یا حلق سے نہیں کرنا ہے، بلکہ خیال سے کرنا ہے، زبان تالو سے لگی رہے، آنکھیں بند ہے، یہ اس لیے کہ یکسوئی حاصل ہو، ورنہ آنکھ بند کرنا شرط نہیں ہے، دل کی طرف گردن جھکی ہوئی ہو، جس لطیفہ کا ذکر کر رہا ہو، اس لطیفہ کی طرف توجہ ہو اور خیال سے سوچنا ہے کہ میرے دل میں

یا جس لطیفہ کا ذکر کر رہا ہے، اس میں فیضانِ الٰہی کا نور، اللہ کی رحمت آ رہی ہے اور دل کا زنگ، ظلمات اس نور کی برکت سے دور ہو رہا ہے اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے، اسی طرح ہر لطیفہ میں ذکر کرنا ہے، جب شیخ (پیر) کو اطمینان ہو جائے کہ مرید طالب کا لطیفہ ذکر الٰہی سے جاری ہو گیا ہے اور اپنی اصل میں پہنچ گیا ہے، تو اس کو دوسرا سبق تلقین کرتے ہیں۔

سات لطائف جو اوپر بیان ہوئے، ان لطائف میں ذکر جاری ہونے کے بعد مشائخ نقشبندیہ مرید کو نفی اثبات (لا إله الله) کا ذکر تلقین فرماتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ حبس دم کے ساتھ (یعنی سانس روک کر) کرتے ہیں۔ ذاکر اپنا سانس ناف کے نیچے بند کرے، یعنی اندر کی جانب خوب سانس کھینچ کر ناف کی جگہ پر روک لے، اور خیال کی زبان سے کلمۂ " لا " کو ناف سے نکال کر دماغ تک پہنچائے اور لفظ " إله " کو دائیں کندھے پر لے جائے اور لفظ " إلا الله " کو عالمِ امر کے پانچوں لطائف میں سے گذار کر قوتِ خیال سے دل پر ضرب لگائے، اسی طرح سانس روکنے کی حالت میں طاق عدد کا خیال کرتے ہوئے ذکر کرے۔ طاق عدد جسے وقوف عددی کہتے ہیں تین، پانچ، سات۔ سانس چھوڑتے وقت " محمد رسول الله " خیال کی زبان سے کہے۔ ذکر میں معنیٰ کا خیال رکھنا شرط ہے، سانس بند کرنا کچھ نقصان دے تو اس کے بغیر ہی ذکر کرے۔

بازگشت، نگہداشت، وقوف قلبی، وقوف عددی کی رعایت کرے، جن کا بیان پہلے گذر چکا ہے، ہر حال میں کھاتے، پیتے، چلتے پھرتے وقوف قلبی و نگہداشت کا شغل رکھے، تاکہ تصفیۂ باطن ہو اور حق تعالیٰ کی طرف دلی توجہ اور حضور پیدا ہو جائے، یہ بیان مقاماتِ طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کا اختصار کے طور پر ہے۔ ویسے نقشبندیہ مجددیہ کے پینتیس اسباق ہیں اور ان تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل استغفار و جذبات جو قلب میں حاصل ہوتے ہیں، اس کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں، اس کے بعد استہلاک و اضمحلال نفس میں پیدا ہوتا ہے،

اور توحید وجودی حاصل ہوتی ہے، اس کو ولایتِ کبریٰ کہتے ہیں، پھر توحید شہودی اور کمال استہلاک و اضمحلال اور فنائے انانیت حاصل ہوتی ہے، اس کو کمالاتِ انبیاء کہتے ہیں، اس کے بعد تمام وجود میں اضمحلال حاصل ہوتا ہے، اور بتدریج وسعتِ باطن وکمالِ وسعت حاصل ہوتا ہے، اس کو حقائقِ الٰہیہ کہتے ہیں، اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے ساتھ انس ومحبت خصوصاً حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے متبعین کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور ایمان وعقائد میں بھی قوت حاصل ہو جاتی ہے، اس کو حقائقِ انبیاء کہتے ہیں۔

صاحبِ کشف تو انوار کا مشاہدہ اور اپنی سیر خود آپ ہی دریافت کرتا جاتا ہے، مگر موجودہ زمانہ میں حلال روزی مفقود ہونے کے باعث صاحبِ کشف عیانی تو بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اکثر صاحبِ وجدانی ہی ہوا کرتے ہیں اور وجدان بھی ایک نوع کا کشف ہے اور ان دونوں میں، یعنی کشف عیانی اور کشف وجدانی میں فرق یہ ہے کہ صاحبِ کشف عیانی عیاناً وظاہراً دیکھتا ہے، ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب سیر کرتا جا رہا ہے اور صاحبِ وجدانی، گو ظاہراً تو اپنی سیر کا مشاہدہ نہیں کرسکتا، مگر اپنے حالات، واردات کے تغیر کو اپنے ادراک کے ساتھ دریافت کرتا جاتا ہے، جیسے ہوا جو بظاہر تو دکھائی نہیں دیتی، لیکن قوتِ ادراک تو اسے بڑے زور سے محسوس کرتی ہے، اور جو شخص اپنے حالات ادراک وجدانی کے ساتھ بھی دریافت نہیں کرسکتا، اس کو مقامات کی بشارت دینا اور خوش خبری سنانا یا اجازت دینا، گویا طریقہ فقراء کو بدنام کرنا اور سلسلہ کی نسبت بدگمانی پھیلانا ہے۔

دوسرا طریقہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ حق تعالیٰ سے فیض کے انتظار کرنے اور اپنے لطائف پر اس فیض کے وارد ہونے کا خیال رکھنے کو کہتے ہیں۔ جو فیض کہ حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کے لطائف میں سے کسی لطیفہ پر وارد ہوتا ہے، اس لطیفہ کو اس کا مورد فیض کہتے ہیں، اس واسطے مشائخ کرام نے مراقبات میں سے ہر ایک مقام کے مناسب ایک ایک مراقبہ فرما دیا ہے۔

تیسرا طریقہ رابطۂ شیخ ہے۔ اگر مرشد کامل شہودِ ذاتی کا وصل ہو، قوی توجہ ہو اور یاد داشت کی مشق دائمی رکھتا ہو تو اس کی توجہ سے تھوڑے وقت (زمانے) میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو سالہا سال کی محنت میں حاصل نہیں ہوتا۔ پس سالک جب اپنے شیخ (پیر) کی صحبت میں رہے، تو اپنی ذات کو شیخ (پیر) کی محبت کے سوا ہر چیز کا تصور اور خیال سے خالی کر دے، اس کی طرف سے فیض کا منتظر رہے، دل کی جمعیت سے اس فیض کی حفاظت کرے۔ آدابِ صحبتِ شیخ کی پوری پوری رعایت رکھے، شیخ کی رضا جوئی کا طالب رہے، شیخ کامل کی صحبت میں اس کی توجہ اور اخلاص کی برکت سے دل کی غفلت دور ہو جاتی ہے اور جب شیخ کی صحبت سے دور ہو تو اس کی صورت کو اپنے خیال میں محبت و تعظیم کے ساتھ تصور کرے، اس کو رابطۂ شیخ یا تصور شیخ کہتے ہیں، اس سے دل کے وساوس و خطرات دور ہو جاتے ہیں، لیکن افراط سے بچنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ صورت پرستی تک نوبت پہنچے، اور شریعت کی مخالفت ہو جائے صرف اس قدر کافی ہے کہ یہ خیال کرے کے جس طرح ذکر سیکھتے وقت شیخ کی صحبت میں بیٹھا تھا، اب بھی تصور میں گویا کہ شیخ کی خدمت میں ہوں اور حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیضانِ الٰہی شیخ کے قلب میں آ رہا ہے، اس کے قلب سے میرے قلب میں آ رہا ہے۔

شیخ (پیر) کو چاہیے کہ ہر سبق کے لیے توجہ خاص کے ذریعہ مرید کے لطائف پر فیض القاء کرے اور توجہ کا طریقہ جو مشائخ میں معمول ہے یہ ہے:

طریقۂ توجہ

شیخ مرید کو اپنے سامنے بٹھا کر اور اپنے آپ کو سب کاموں اور خیالوں سے خالی کر کے اپنے نفس کی طرف اس نسبت میں جس کا ڈالنا منظور ہو متوجہ ہو، شیخ اپنے قلب کو مرید کے قلب پر سمجھے یا جس لطیفہ یا مقام کی توجہ دے، اپنے اس لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے

مقابل سمجھ کر جذبۂ قلبی کے ساتھ مرید کے دل کو اپنی طرف کھینچے، تاکہ توجہ کے اثر سے مرید کے اس لطیفہ میں جنبش آئے اور ذکر جاری ہو، قوی ہمت کے ساتھ تصور کرے کہ مجھ میں سے کیفیت و جذب فیض مرید میں سرایت کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے طالب کی استعداد کے موافق اس کو انوار و برکات حاصل ہوں گے۔ اگر مرید حاضر نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرتے ہیں اور اس کے کام کو انجام تک پہنچاتے ہیں۔

بعض تصرفات فنا و بقاء کی نسبت حاصل ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتے، اکثر اوسط درجہ کے سالک کو واقع ہوتے ہیں اور منتہیوں سے امور کونیہ میں التفات نہ ہونے کی وجہ سے کم ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم یہاں سلب امراض جو امور کونیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ سلب امراض کے لیے استخارہ ضروری ہے، تاکہ حق تعالیٰ کی مرضی و نامرضی معلوم ہو جائے۔

سلبِ امراض

اپنے نفس کو تمام خطروں سے خالی کر کے اپنے آپ کو اس بیماری میں مبتلاء خیال کرے جو مریض کو ہے۔ پس مریض کی بیماری اس شخصِ صاحبِ تصرف کی طرف منتقل ہو جائے گی اور یہ بات عجائباتِ قدرتِ الٰہی سے ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مریض کو سامنے بٹھا کر پانچ سو سانس کی مقدار اس کے مرض کو سلب کرے، اس طرح پر کہ تصور کرے کہ جو سانس اندر جاتا ہے۔ شخصِ مقابل کی جسمانی بیماریاں اس کے جسم سے نکلتی اور کھینچتی ہے اور جو سانس کے باہر آتا ہے، تصور کرے کے وہ بیماریاں روئے زمین پر گر رہی ہے اور سلب کرنے والے کے اندر سے باہر آ رہی ہے، تاکہ سلب کرنے والا متأثر نہ ہو۔ تضرع وزاری مناجات جنابِ حق تعالیٰ میں کرنا لازمی ہے۔

اب ہم سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہے، حضرت خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و ارشادات نقل کرتے ہیں، تاکہ طریقۂ نقشبندیہ سمجھ میں آوے۔ آج کل ہندوستان میں یہ طریقہ نایاب ہو چکا ہے، اگر ہے بھی تو اس کی شکل بگڑ چکی ہے، نئی نئی باتیں ایجاد کر دی ہیں۔

ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ لے کر آئے اور ان سے فیضیاب ہوئے امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجددی الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان شاء اللہ آگے حضرت مجددی الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی نقل کئے جائیں گے۔

خواجہ خواجگان پیر طریقت

حضرت خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی نسبت باطنی تو حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، مگر حقیقۃً آپ حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے اویسی فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش و وصال قصر عارفہ ہے، جو بخارا سے ایک کوس کے فاصلہ پر گاؤں ہے، آپ کی ولادت با سعادت ماہ محرم ۷۱۸ھ میں ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ظہور کی بشارت آپ کی پیدائش سے پہلے دی تھی اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور آپ کی تربیت کے لیے حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کو حکم فرمایا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ معاملات میں حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عزیمت پر عمل کرنے کے لیے مامور تھے، اس لیے آپ نے ذکر خفی اختیار فرمایا اور یہ سنت کے مطابق بھی ہے۔

بزرگوں نے سلسلۂ حضرت خواجہ محمود فگنوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے حضرت سید

امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے، لیکن حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر جہر سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ جوں ہی مریدان حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ ذکر جہری شروع کرتے تو حضرت خواجہ محمد بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ حلقۂ ذکر سے اٹھ جاتے، آپ کا یہ طرزِ عمل حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کو ناگوار گزرتا۔ چنانچہ حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شکایت کی، مگر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، بلکہ حضرت خواجہ کی طرف توجہ اور التفات دن بدن بڑھتی جاتی تھی، اور حضرت خواجہ بھی حضرت امیر کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ ادب کا چھوڑتے نہ تھے، ہمیشہ سر تسلیم حضرت امیر کے آستانہ ارادت پر رکھتے تھے۔ ایک روز حضرت امیر قدس سرہ نے اپنے تمام چھوٹے بڑے مریدوں کے مجمع کثیر جو کہ تقریباً پانچ سو آدمی مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کے لیے قریہ سکھار میں جمع ہوئے تھے، ارشاد فرمایا کہ اے دوستو! میرے فرزند بہاؤ الدین کے بارے میں تم بدگمانی کرتے ہو، تم نے اس کو پہچانا نہیں، ہمیشہ حق تعالیٰ کی نظر خاص اس کے شاملِ حال ہے اور حق تعالیٰ کے بندوں کی نظر حق سبحانہٗ کی نظر کے تابع ہے، اور ان کے حال پر میرا زیادہ نظر کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، پھر آپ نے حضرت خواجہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے میرے فرزند بہاؤ الدین! تمہارے لیے جو وصیت حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی، کہ جیسے میں نے تمہاری تعلیم و تربیت کی ہے، تم بھی میرے فرزند بہاؤ الدین کی ویسی ہی تربیت کرنا اور اس میں کچھ کمی نہ کرنا، میں نے اس وصیت پر پوری پوری تعمیل کی، پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے اپنے پستان کو خشک کر لیا، اب تمہاری روحانیت کا مرغ بشریت کے انڈے سے باہر نکل گیا ہے، مگر تمہاری ہمت کا مرغ بہت بلند پرواز، واقع ہوا ہے اب تم کو اجازت ہے کہ جہاں سے خشبو تمہارے دماغ میں پہنچے، وہاں سے طلب کرو اور اپنی ہمت کے مطابق طلب کرنے میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کرو۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : اس کے بعد میں نے ایک خواب دیکھا کہ حکیم عطا قدس سرہٗ جو اکابر اولیائے ترک میں سے تھے، مجھ کو ایک درویش کے سپرد کرر ہے ہیں، جب میں بیدار ہوا تو اس درویش کی صورت میرے ذہن میں محفوظ تھی، میری دادی ایک صالح خاتون تھی میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ اے فرزند! تجھ کو مشائخ ترک سے کچھ فیض پہنچے گا۔ چنانچہ میں ہمیشہ اس بزرگ کے دھیان میں رہتا تھا، یہاں تک کہ ایک روز بخاریٰ کے بازار میں ان سے ملاقات ہو گئی، میں نے ان کو پہچانا، ان کا نام خلیل تھا، مگر اس ملاقات میں ان کی صحبت میسر نہیں ہوسکی، جب میں مکان پر پہنچا تو ایک قاصد آیا اور کہا کہ خلیل تم کو بلا رہے ہیں، مجھے بہت خوشی ہوئی فوراً کچھ تحفہ اپنے ساتھ لے کر نہایت شوق اور عقیدت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور چاہا کہ اپنا خواب بیان کروں، انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے، ہمارے سامنے ظاہر ہے، بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے، ان کی اس بات سے میں بہت متأثر ہوا اور ان کی صحبت کا اشتیاق مجھ کو بڑھ گیا، ان کی صحبت میں عجیب حالات ظاہر ہوئے، اتفاقاً اسی زمانے میں ان کو سفر در پیش ہوا اور وہ تشریف لے گئے، پھر ایک مدت کے بعد مجھ کو خبر ہوئی کہ درویش خلیل کو مملوکۃ ماوراء النہر کی بادشاہی ملی ہے۔ چند روز گزرنے پائے تھے کہ مجھ کو ایک مقدمہ کے رفع کرنے کی ضرورت سے ان کی سلطنت میں جانے کا اتفاق ہوا، اس مقدمہ کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے مجھ کو اپنی خدمت اور صحبت کی اجازت بخشی۔ سلطنت کے زمانہ میں بڑے بڑے حالات مشاہدہ ہوئے، میرے حال پر انہوں نے بڑی مہربانی فرمائی۔ آدابِ خدمت مجھ کو سکھائے، ان آداب کا حصول اس راہ کی سیر وسلوک میں مجھ کو بڑا کار آمد ہوا۔ چھ برس تک میں اس طریقہ سے ان کی خدمت میں رہا کہ دربار میں ان کے ساتھ سلطنت کے آداب بجالاتا اور خلوت میں ان کا محرم خاص رہتا تھا، اپنے خاصان مملوکت کے سامنے اکثر فرمایا کرتے تھے، جو شخص

رضائے الٰہی کے لیے خدمت کرتا ہے، وہ مخلوق میں بزرگ مرتبہ کو پہنچتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کلام سے ان کا کیا مقصد تھا اور کیا مراد تھی، اور حضرت بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے احوال اور جذبات و بے قراری کے زمانے میں راتوں کو اطراف بخاریٰ میں پھرا کرتا تھا اور ہر مزار پر جاتا، ایک رات تین متبرک مزاروں پر پہنچا، جس مزار پر میں جاتا اس پر ایک چراغ روشن نظر آتا، چراغ دان تیل اور بتی سے بھرا ہوتا، مگر بتی کو تھوڑی سی حرکت دینا پڑتی، تا کہ تیل سے باہر آ جائے اور روشنی از سرِ نو تازہ ہو جائے۔

شروع رات میں حضرت عبد الواسع قدس سرہٗ کے مزار پر پہنچا، وہاں سے حضرت محمود انجیر فلگنوی قدس سرہٗ کی مزار پر جانا چاہیے، جب میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں، دو تلوارے میری کمر سے باندھی اور ایک گھوڑے پر مجھ کو بٹھایا گیا، گھوڑے کو خواجہ مزداجن قدس سرہٗ کے مزار کی طرف پھیر کر مجھ کو روانہ کر دیا گیا۔ آخر رات میں ان بزرگ کے مزار پر پہنچا، وہاں بھی ایسا ہی چراغ نظر آیا، میں نے اس کی بتی بھی اونچی کی اور قبلہ رو ہو کر بیٹھا اور بے خبر ہو گیا، اس بے خودی میں میں نے دیکھا کہ قبلہ جانب دیوار شق ہو گئی اور ایک بڑا تخت نظر آیا جس پر ایک بزرگ تشریف فرما تھے، ایک پردہ ان کے سامنے کھینچا ہوا تھا، اور اس تخت کے گرد ایک جماعت حاضر تھی، اس جماعت میں سے میں نے حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ کو پہچانا تو میں نے جان لیا کہ یہ سب لوگ انتقال کئے ہوئے ہیں، مگر مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ یہ کون بزرگ ہیں اور یہ جماعت کن لوگوں کی ہے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ وہ بزرگ خواجہ عبد الخالق گز دوانی قدس سرہٗ ہے اور یہ جماعت آپ کے خلفاء کی ہے اور ان کے نام مجھ کو شمار کرائے اور ایک کی طرف ان میں اشارہ کیا کہ یہ خواجہ محمد صدیق ہے اور یہ خواجہ اولیاء کبیر ہے اور یہ خواجہ عارف ریوگری ہے اور یہ خواجہ محمود انجیر فلگنوی ہے اور یہ حضرت خواجہ رامیتی ہے، جب حضرت خواجہ محمد بابا سماسی تک پہنچا تو کہا کہ تم نے ان کو حالتِ زندگی میں دیکھا ہے، یہ تمہارے پیر ہے اور انہوں نے تجھ کو اپنی

ٹوپی بھی عطاء کی تھی ، میں نے کہا میں ان کو پہچانتا ہوں اورٹوپی کے واقعہ کو مدت ہوئی ، میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں، انہوں نے کہا کہ وہ تمہارے گھر میں موجود ہیں ،تم کو یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ جو بلا کہ دنیا میں کسی پر نازل ہو،تمہاری برکت سے دفع ہو جائے گی ۔ پھراس جماعت نے مجھ سے کہا کہ کان لگاؤ اور اچھی طرح سنو کہ حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی قدس سرہٗ کچھ تم سے ارشاد فرمائیں گے جو سلوک طریقۂ حق تعالیٰ میں تمہارے لیے نہایت ہی ضروری ہے ، میں نے کہا کہ میں حضرت خواجہ کو سلام کرنا چاہتا ہوں ۔ پس وہ پردہ میرے سامنے سے اٹھالیا گیا ، میں نے حضرت خواجہ غزدوانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلام کیا ،حضرت خواجہ نے دو ارشادات ایسے فرمائے ، جو ہر ایک مرتبۂ سلوک ابتداء اوسط اور انتہاء کے لیے نہایت ہی کار آمد ہے ، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ چراغ دان جو تیل سے بھرا ہوا تم نے دیکھا تھا ، اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ میں اس طریقہ کے حصول کی قابلیت اور استعداد موجود ہے ،لیکن استعداد کی بتی کو حرکت دو ، تا کہ چراغ روشن ہو اور اسرار ظاہر ہو ، اور قابلیت کے مطابق عمل کرو کہ مقصود حاصل ہو، دوسرا ارشاد یہ تھا کہ جس میں آپ نے مبالغہ سے تاکید یہ فرمائی کہ کسی بھی حالت میں شریعت اور استقامت سے قدم باہر نہ رکھنا چاہیے اور عزیمت و سنت پر عمل کرنا ، رخصت اور بدعت سے دور رہنا ، اور ہمیشہ احادیثِ نبوی ﷺ وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ہمیشہ اپنا پیشوا بنانا چاہیے ، اور اسوۂ رسول ﷺ و آثارِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متلاشی رہنا لازم ہے ، اس گفتگو کے ختم ہونے کے بعد خلفائے حضرت خواجہ عبد الخالق قدس سرہٗ نے مجھے فرمایا کہ اس حال کی سچائی اور اس گفتگو کی حقیقت پر شاہد یہ امر ہے کہ آپ مولانا شمس الدین کے پاس جایئے اور ان سے فرمایئے کہ فلاں ترک نے سقہ پر دعویٰ کیا ہے اور حق اس ترک کی طرف ہے ،مگر آپ سقہ کی طرف داری کررہے ہیں ۔ اگر سقہ ترک کے دعویٰ کے حق ہونے سے انکار کرے تو آپ سقہ سے فرمایئے کہ اے سقہ !

تشنہ وہ اس کلام سے سمجھ جائے گا ، اس پیغام کے پہنچانے کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت تین مویشی لے کر ریگستان مروہ کی راہ سے شہر نسک کی طرف جایئے ، جب آپ بستی سے باہر ہو جائیں تو ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہوگی ، وہ ایک گرم روٹی آپ کو دے گا ، اس سے لے لے اور کوئی بات اس سے نہ کریں ۔ ایک قافلہ ملے گا ، اس میں سے ایک سوار سے آپ کی ملاقات ہوگی ، آپ اس کو نصیحت کرنا وہ آپ کے ہاتھ پر توبہ کرے گا ۔ اور حضرت کی ٹوپی جو آپ کے پاس ہے اس کو سید امیر کلال کی خدمت میں لے جانا ، پھر اس جماعت نے مجھ کو حرکت دی اور میں ہوش میں آ گیا ، میں اسی وقت جلدی سے گھر گیا اور گھر والوں سے ٹوپی کا قصہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک مدت سے وہ ٹوپی فلاں مقام پر پڑی ہوئی ہے ۔

جب ٹوپی پر میری نظر پڑی تو میرا حال متغیر ہوا اور میں بہت دیر تک روتا رہا ، پھر صبح کی نماز مولانا شمس الدین قدس سرہٗ کی مسجد میں ادا کر کے مولانا سے سارا واقعہ بیان کیا ، وہ بہت حیران ہوئے ، سقہ ان کے پاس موجود تھا ، وہ ترک کے دعویٰ کی حقانیت سے منکر ہوا ، میں نے سقہ سے کہا کہ میرا گواہ یہ ہے کہ تو سقۂ تشنہ ہے ، سقہ اپنے قصور پر نادم ہوا اور معافی مانگی ۔ دوسرے دن اشراق کے وقت میں نے تین مویشی لیے اور میں ریگ مرواہ کے راستے نصف کی طرف چلا ، میری روانگی کی خبر پا کر مولانا شمس الدین نے مجھے طلب کیا اور بہت توجہ فرمائی ، پھر ارشاد فرمایا کہ تجھ میں طلب کا درد پیدا ہوا ہے ، اور اس درد کی دوا میرے پاس ہے ، تم یہیں ٹھہر جاؤ ، تاکہ میں تمہاری تربیت کروں ۔ مولانا کے اس ارشاد کے جواب میں میری زبان سے یہ نکلا کہ میں دوسروں کا فرزند ہوں ، ایسا نہ ہو کہ آپ پستان تربیت میرے منہ میں رکھیں اور میں اس کے سر کاٹوں ، یہ سن کر مولانا خاموش ہو رہے ، اور مجھ کو جانے کی اجازت دے دی ۔

شرابی کی توبہ

میں نے اپنی کمر مضبوط باندھی اس کے بعد میں روانہ ہو گیا، بستی کے پار ہونے کے بعد ایک پیر مرد سے ملاقات ہوئی، اس نے ایک گرم روٹی مجھے دی، میں نے وہ لے لی اور کوئی بات ان سے نہ کی، وہاں سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک قافلہ ملا، قافلہ والوں نے مجھ سے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے پتہ بتایا، انہوں نے پوچھا کہ وہاں سے کب روانہ ہوئے؟ میں نے کہا طلوع آفتاب کے وقت، جب میں ان کو ملا چاشت کا وقت تھا، وہ لوگ بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم کل شام کے نکلے ہوئے ہیں، جب میں ان کے پاس سے آگے بڑھا تو ان میں سے ایک سوار میرے پاس آیا اور اس نے سلام کیا، اور کہا کہ آپ کون ہیں؟ مجھے آپ سے خوف معلوم ہوتا ہے، میں نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں جس کے ہاتھ پر تجھے توبہ کرنی چاہیے، یہ سنتے ہی وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور التجاء کر کے اس نے توبہ کی، وہ سوار اپنے ساتھ بہت سی شراب لیے ہوئے تھا، سب شراب پھینک دی۔

حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری

میں وہاں سے حضرت سید امیر کلال قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی ملاقات سے مشرف ہوا، ٹوپی آپ کی خدمت میں پیش کی، حضرت امیر قدس سرہٗ نے بہت کچھ توجہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ یہ ٹوپی حضرت خواجہ عزیز علی رامیتنی قدس سرہٗ کی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس ٹوپی کو دو پردوں میں محفوظ رکھو، میں نے قبول کیا اور ٹوپی لے لی۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

آپ نے فرمایا کہ منازل اور مقامات طے کرنے کے زمانہ میں حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ جیسا حال مجھ میں دو مرتبہ پیدا ہوا اور قریب تھا کہ میری زبان سے صدا نکلے جو حضرت منصور کی زبان سے نکلی تھی۔ وہاں تو ایک ہی سولی تھی اور میں دو مرتبہ اپنے آپ کو اس سولی تک لے گیا اور اپنے آپ کو کہا کہ تیری جگہ اس سولی پر ہے، لیکن فضل الٰہی سے یہ منزل طے ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر روئے زمین پر حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے ایک بھی موجود ہوتا تو منصور ہرگز سولی پر نہ چڑھتے۔

قریب راستہ

آپ نے فرمایا اگرچہ نماز، روزہ، ریاضت و مجاہدہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک اپنے اختیار کو ترک کرنے اور اپنے اعمال کو قصوروار دیکھنے کے بغیر معاملہ درست نہیں ہوتا۔

ولایت

آپ نے فرمایا کہ ولایت بڑی نعمت ہے۔ ولی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے، تاکہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی محفوظ ہوتا ہے، عنایتِ الٰہی ولی کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفات سے اس کو محفوظ رکھتی ہے۔ خوارق اور کرامت کے ظاہر ہونے پر کوئی اعتماد نہیں ہونا چاہیے، معاملہ استقامت پر ہے، اولیائے کرام نے فرمایا ہے: استقامت کا طلب گار بن، کرامت کا طلب گار نہ بن، کیوں کہ رب تجھے استقامت کا حکم دیتا ہے اور تیرا نفس تجھ سے کرامت چاہتا ہے، اور فرمایا کہ بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ اگر ولی کسی باغ میں چلا جائے اور درخت کے ہر پتے سے آواز نکلے کہ اے اللہ

کے ولی! تو پھر بھی ظاہر و باطن سے اس کی طرف توجہ نہ ہوگی، بلکہ ہر لحظہ اس کی کوشش ہوگی کہ بندگی اور تضرع و نیازمندی کی صفت میں زیادتی کرنے لگے۔ حضور نبی کریم ﷺ میں یہ انتہائی کمال تھا کہ جس قدر انعام و اکرام حق تعالیٰ کی طرف سے زیادہ ہوتا ہے، اسی قدر آپ کی بندگی، نیازمندی زیادہ ہوتی تھی۔ چنانچہ اسی سبب سے آپ نے ارشاد مبارک فرمایا کہ ''کیا میں حق تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''۔

طریقۂ نقشبندیہ

آپ نے فرمایا کہ ہمارا طریقۂ نادر اور عروۃ الوثقیٰ ہے، سنتِ نبی کریم ﷺ کی بدرجۂ کمال اقتداء کرنا اور آثارِ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کرنا ہے۔ اس راستہ میں ہم کو محض فضل سے لایا گیا ہے، آخر تک اسی فضل حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرتے ہیں، نہ کہ اپنے عمل کا۔ ہمارے طریقہ میں تھوڑے عمل سے بہت سی فتوحات ہے، مگر اتباع کی رعایت بہت ہی بزرگی والا کام ہے۔ فرمایا کہ ہمارے طریقہ سے جو روگردانی کرے اس کے دین کی خرابی کا اندیشہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارا طریقہ صحبت یعنی ملے جلے رہنے کا ہے، کیوں کہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے، خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت سے حاصل ہوتی ہے اور صحبت ایک دوسرے کی نفی میں ہے اور فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں یہ بھی ہے کہ سالک کو نہیں جاننا چاہیے کہ وہ کس مقام میں ہے، تاکہ یہ دانست اس کے راستہ کا حجاب نہ بنے۔ پیر کو چاہیے کہ طالب کے گذشتہ اور آئندہ کے حالات سے باخبر رہے، تاکہ اس کے مطابق تربیت کر سکے۔

مراقبہ، مشاہدہ اور محاسبہ

آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی معرفت کے راستے جن سے عارفین کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے، دوسرے اس سے محروم ہیں، اس کے تین طریقے ہیں:

مراقبہ یہ ہے کہ خالق کی طرف ہر وقت دیکھتے رہنے کی وجہ سے مخلوق کی دید کو بالکل بھول جانا۔ مراقبہ کی مداومت نادر چیز ہے، جس کو کما حقہ کم لوگوں نے حاصل کیا ہے اور ہم نے اس کے حصول کے طریقہ کو معلوم کر لیا ہے، اور وہ نفس کی مخالفت اور سنت کی متابعت ہے۔

مشاہدہ وارداتِ غیبی کے معائنہ کو کہتے ہیں، جو سالک کے دل پر نزول کرتے ہیں، چوں کہ جلدی گزر جاتے ہیں اور قرار نہیں پکڑتے، اس لیے ان کا ادراک نہیں ہو سکتا، مگر وہ صفت جو حال بن جاتی ہے، ہم اس کو قبض اور بسط سے پہچان لیتے ہیں، یعنی حالتِ قبض میں صفتِ جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حالتِ بسط میں صفتِ جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور محاسبہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر گزرتا ہے، ہم ہر گھڑی اس کا حساب کرتے ہیں، کہ کس طرح گزر رہا ہے۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ نقصان کی چیز ہے تو ہم اس سے بازگشت کرتے ہیں، اور از سرِ نو عمل اختیار کرتے ہیں۔ اگر دیکھتے ہیں کہ بہتر چیز ہے تو مشکور ہو کر ہم اس حال میں ٹھہر جاتے ہیں اور اس عمل میں کوشش کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی پہچان

آپ نے فرمایا کہ جس نے حق تعالیٰ کو پہچانا اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی، یعنی عارف جب اشیاء کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اس پر ظاہر ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ چالیس سال سے ہم آئینہ داری کر رہے ہیں، ہمارے وجود کے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی، یعنی اولیاء اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں حق تعالیٰ کے نورِ فراست سے دیکھتے ہیں۔

شرک

آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو سلامتی حق سبحانہٗ تعالیٰ میں سونپ کر اس کی التجا غیر حق سبحانہٗ تعالیٰ سے کرے تو وہ شرک ہے۔ یہ شرک عوام سے معاف کیا جاتا ہے، لیکن خواص سے معاف نہیں کیا جاتا۔

فیضِ صحبت

آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ تعلقاتِ خلق کا بار صرف اس لیے اٹھاتے ہیں کہ خلق کے اخلاق محفوظ ہو جائیں، یا کسی ولی کی ان کو صحبت نصیب ہو جائے، کیوں کہ ولی ایسا نہیں ہے، جس کے حال پر حق سبحانہٗ تعالیٰ کی نظرِ عنایت نہ ہو، خواہ اس سے وہ ولی آگاہ ہو یا نہ ہو۔ جو شخص کسی ولی اللہ سے ملتا ہے اس نظرِ الٰہی کا فیض اس کو پہنچتا ہے۔

ذکر خفی کی حقیقت اور خصوصیت طریقۂ نقشبندیہ

آپ نے فرمایا کہ جب میں کعبہ شریف کے سفر سے واپس آیا تو ملک طوس میں پہنچا۔ خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مریدوں اور معتقدین کے بخارا سے ہمارے استقبال کے لیے آئے تھے، اس وقت شاہ حسین والیِ ہرات کا ایک خط قاصد کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا۔ خط کا مضمون یہ تھا: ''میں شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتا ہوں اور میرا حاضر ہونا مشکل ہے۔ پس بحکم اس آیت شریفہ کے ﴿ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ ﴾ (سائل کو مت جھڑکو) اور بمقتضی اس حدیث قدسی کے '' إِذَا رَأَيْتُ لِيْ طَالِباً فَكُنْ لَهٗ خادماً '' (جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا)۔ ہم ہرات کی طرف متوجہ ہوئے، جب ہم بادشاہ کے پاس پہنچے تو فقراء کی تعظیم کے بعد صحبت منعقد ہوئی، بادشاہ نے پوچھا آپ کو درویشی بطور سجادگی کے آپ کے بزرگوں سے پہنچی ہے؟ ہم نے کہا نہیں، پھر

پوچھا آپ سماع سنتے ہیں اور ذکر جہر کرتے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں کرتے۔ بادشاہ نے کہا درویشی تو ان ہی کاموں کو کہتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتے؟ ہم نے کہا کہ حق تعالیٰ کا جذب عنایت بے غایت جب مجھے پہنچا تو اس نے بلا یافت کے مجھے قبول فرمالیا، جو بہ اشارہ الٰہی حضرت خواجہ عبد الخالق غزدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں داخل ہوگیا اور اس طریقہ کے بزرگوں سے فیض پایا، ان کے طریقہ میں ان چیزوں میں سے کچھ نہ تھا، بادشاہ نے پوچھا ان کے طریقہ میں کیا ہوتا ہے؟ ہم نے کہا وہ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ رہتے ہیں اور باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں، اس نے کہا کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ ہم نے کہا ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (مردان خدا ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرسکتی) ہم نے کہا خلوت میں شہرت اور شہرت میں آفت ہے، ہمارے حضرات خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ خلوت در انجمن اور سفر در وطن اور ہوش در دم اور نظر بر قدم، پھر ہم نے کہا وہ حضور اور ذوق جو ذکر بلند اور سماع میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتا، مگر وقوف قلبی کی مداومت جذب تک پہنچاتی ہے، اور جذب سے مقصود حاصل ہوتا ہے، گرمی اندرونی آگ کے سوا اور کسی چیز سے مت حاصل کرو۔ ذکر خفی کی حقیقت وقوف قلبی ہی سے میسر ہوسکتی ہے اور وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ خود دل بھی نہیں جانتا کہ وہ ذکر میں مشغول ہے۔

چار نسبتیں

آپ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہم کی تصوف میں چار نسبتیں ہیں:
ایک حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے، حق تعالیٰ ان کے علم اور حکمت کو زیادہ کرے۔ دوسرے شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے، حق سبحانہٗ تعالیٰ ان کے اسرار کو پاک کرے۔ تیسرے سلطان

العارفین حضرت بایزید بستامی رحمۃ اللہ علیہ سے، جو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کو ہے۔ چوتھے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، اسی لیے اس طریقہ کے درویشوں کو نمک مشائخ کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا وقوف قلبی اور وقوف عددی میں اپنے اختیار سے آنکھیں بند نہ کرے، کیوں کہ یہ مخلوق کے واقف ہونے کا ذریعہ ہے۔

فرمایا: ذکر میں اس طرح مشغول ہو کہ کوئی شخص اہل مجلس سے اس کے حال سے واقف نہ ہو سکے۔

فرمایا: ذکر غفلت کے دور ہونے کو کہتے ہیں، جب غفلت دور ہو جائے، تو خاموش رہے، تب بھی تو ذاکر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے، کھانے پینے، کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے، وعظ کہنے وغیرہ میں چاہیے کہ پلک جھپکنے میں بھی حق تعالیٰ سے غافل نہ رہے، تاکہ مقصود حاصل ہو۔

اکابرِ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص پلک جھپکنے کے حق سبحانہ تعالیٰ سے غافل رہا وہ عمر بھر میں بھی اس نقصان کو پورا نہ کر سکے گا۔ فرمایا کہ باطن پر نگاہ رکھنا بہت مشکل ہے، مگر حق تعالیٰ کی عنایت اور حق تعالیٰ کے خاص بندوں کی تربیت سے جلد حاصل ہو جاتی ہے۔ پیر کامل و مکمل کی ایک توجہ کی برکت سے اتنی صفائی باطن کی حاصل ہو جاتی ہے، جو ریاضتِ کثیرہ سے بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

کرامت

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے کرامت طلب کی گئی، آپ نے فرمایا کہ میری یہ کرامت کچھ کم ہے کہ باوجود اتنے گناہوں کے زمین پر چل سکتا ہوں۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ نہر کے اس کنارے پر جو مزار شیخ سیف الدین باخرجی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہے، درویشوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور مجلس گرم تھی، اتنے میں ایک شخص کی زبان سے یہ نکلا کہ پہلے بزرگوں کو کرامت وتصرفات حاصل تھے، اس زمانہ میں ایسا بزرگ کوئی نہیں ہے، جس سے اس قسم کے امور سرزد ہوں ۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اب بھی ایسے لوگ ہیں کہ اگر اس نہر کو اشارہ کرے کہ الٹی بہے تو اسی وقت الٹی بہنے لگے ۔ حضرت خواجہ ابھی یہ فرماہی رہے تھے کہ نہر کا پانی الٹا بہنے لگا۔ ایک جماعتِ کثیر نے اس واقعہ کو دیکھا۔

وفات

جب حضرت خواجہ کا وقتِ اخیر ہوا تو آپ سرائے میں تشریف لے گئے اور مرض کے زمانے میں اس سرائے کے ایک حجرہ میں مقیم رہے، خاص خاص مرید آپ کی خدمت میں رہتے تھے، حضرت نے ہر ایک کے حال پر مہربانی، توجہ اور الطافِ خاص فرمائی ۔ آخری وقت دونوں ہاتھ دعاء کے لیے اٹھائے، بہت دیر تک دعاء فرماتے رہے، پھر دونوں ہاتھ چہرہ پر رکھے، تو آپ کا وصال ہوگیا" إنا للّٰہِ وإنا إلیہ راجعون " ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف تہتر سال کی تھی، ۳/ربیع الاول بروز پیر ۷۹۱ھ میں وصال فرمایا، مزار شریف بخارا میں ہے ۔

اب ہم امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجددی الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات نقل کرتے ہیں، آپ کا ظہور اس وقت ہوا جب ہندوستان میں ظلمتیں چھائی ہوئی تھیں ۔

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں جس قدر کفر والحاد کو فروغ ہوا اور اسلام کو ضعف آ گیا تھا وہ محتاجِ بیان نہیں، دربار کا آداب سجدہ تھا، بادشاہ کا لقب جل جلالہ مع اکبر شانہ تھا۔ وزیر ابوالفضل نے ایک کتاب بادشاہ کو لا کر دی اور کہا کہ آسمان سے آپ کے واسطے فرشتہ لایا ہے، تاکہ آپ اس پر عمل کریں، چنانچہ شخصی طاقتیں بادشاہی کے مقابلہ سے عاجز تھیں، امدادِ غیبی کا ہر کس وناکس کو انتظار تھا اور امامِ وقت مجددِ اسلام کا ظہور ہوا۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات، منصف خزینۃ الرحمہ قیوم الزماں مجدد الفِ ثانی، عرف امام ربانی، مذہب آپ کا حنفی۔

آپ کا نسب

آپ کا نسب عالی ستائیس واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح متصل ہے:

حضرت شیخ احمد بن مخدوم، عبد الاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبد الحی بن شیخ خبیب اللہ بن امام رفیع الدین ربانی، قلعہ سرہند بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبد اللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین معروف بفروخ شاہ قابلی بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبد اللہ واعظ اصغر بن شیخ عبد اللہ واعظ اکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم شیخ ناصر بن شیخ عبد اللہ بن سید عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تعمیر قلعہ وشہر سرہند

صحیح لفظ یہ شہر شیرآور رند جنگل سے تھا، کثرتِ استعمال سے سرہند ہو گیا، یہ نام رکھنے کی وجہ تواریخ میں اس طرح لکھی ہے کہ کبھی اس مقام پر ایک وہشت ناک جنگل شیروں کا تھا، ایک روز فیروز شاہ خلجی کے عہد میں اس جنگل میں سے عمال، شاہی خزانہ کو لاہور سے دہلی لے جارہے تھے، ان میں سے ایک شخص عارف و صاحبِ دل تھا، اس نے وہاں چشم باطن سے ایک نور تحت الثریٰ سے فوق العرش تک محیط ملاحظہ کیا اور خیال کیا کہ کیا عجب ہے، یہاں سے کوئی بزرگ جلیل القدر ظاہر ہو۔ پس جب یہ صاحبِ دل

دہلی پہنچے تو بادشاہ کے پیر مخدوم جہانیہ سے جو وہاں آئے ہوئے تھے، اس کا تذکرہ کیا، ان پر ان کا بہت بڑا اثر ہوا، انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے سلسلہ میں سینہ بہ سینہ یہ وصیت چلی آتی ہے کہ ہندوستان میں زمانۂ رسالت سے ایک ہزار سال بعد ایک بزرگ وحیدِ امت پیدا ہوگا، جو امام وقت مجددِ اسلام اور فیضانِ ولایت ونبوت سے مالا مال ہوگا اور اولیائے سابقین کی سب نعمتیں اس کو حاصل ہوگی، اس کے ظہور کا مقام آج فلاں جنگل میں معلوم ہوا ہے، وہاں کچھ آبادی بھی ہوجائے تو بہتر ہے، بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ فتح اللہ کو بطور خاص اس کام کی سربراہی کی خدمت سپرد فرمائی۔ وہ فی الفور کئی ہزار آدمی ہمراہ لے کر اس جنگل میں تشریف لے گئے اور ایک مرتفع مقام پسند کر کے قلعہ کی بنیاد رکھی اور تعمیر میں مصروف ہوئے، مگر جس قدر تعمیر کا حصہ دن کو تیار ہوتا تھا رات کو سب گر جاتا تھا، ہر چند اس کا تجسس کیا گیا، سبب دریافت نہ ہوا۔ بادشاہ کو اطلاع دی، بادشاہ نے مخدوم صاحب کی خدمت میں عرض کرایا، آپ نے اپنے خلیفہ امام نماز رفیع الدین کو جو وزیر موصوف کے برادر خرد تھے، اس کام کی سربراہی کے لیے مامور فرمایا اور وہاں کی قطبیت اور ولایت دے کر روانہ کیا، انہوں نے برسرِ موقع پہنچ کر اپنے نور باطن سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ معلوم ہوا کہ شاہی پیادوں نے شاہ شرف بوعلی قلندر کو پکڑ کر کام میں لگا رکھا ہے، وہ رات کو اثر ڈال کر کل عمارت گرا دیتے ہیں، آپ نے قلندر صاحب سے بہت معذرت کی اور ان کا اعجاز کیا تو قلندر صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کے بلوانے کے لیے ایسا کرتا تھا، اب اللہ نے آپ کو ایک وحید امت کی ولادت کے لیے یہاں بھیجا ہے، جو تمام روئے زمین سے کفر وشرک کی ظلمت کو دور کرے گا، پھر ان دونوں صاحبوں نے مل کر ۷۶۰ھ میں بسم اللہ کہہ کر قلعہ کی بنیاد رکھ دی، جو تھوڑی مدت میں تیار ہوگیا، شہر آباد ہوا۔

آپ کی نسبت اولیائے سابقین کی بشارتیں

شیخ عبدالقادر جیلانی غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

روز قیوم میں دیگر کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کسی جنگل میں مراقبہ فرما رہے تھے، یکا یک ایک نور آسمان سے ظاہر ہوا اس سے تمام عالم منور ہوگیا اور القاء ہوا کہ آپ سے پانچ سو سال کے بعد جب کے عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گا، ایک بزرگ وحید امت پیدا ہوگا وہ دنیا سے شرک و بدعت کو نابود کرے گا۔ دین محمدی ﷺ کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا، اس کی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی، اس کے صاحب زادے اور خلفاء بارگاہِ حدیث کے صدر نشین ہوں گے، اس کے بعد آپ نے اپنے خرقۂ خاص کو اپنے کمالات سے مملو کر کے اپنے صاحبزادے تاج الدین عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا کہ جب ان بزرگ کا ظہور ہو یہ ان کے حوالہ کرنا، اس وقت سے صاحب زادہ صاحب کی اولاد میں وہ خرقہ یکے بعد دیگر اسی طرح سپرد ہوتا رہا، حتی کہ ۱۰۱۳ھ میں حضرت پیران پیر آپ کے پوتے سید شاہ سکندر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حوالہ کیا، جس کا کچھ بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

حضرت خلیل اللہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کا الہام

مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ شیخ نے ایک روز فرمایا سبحان اللہ سلسلہ خواجگان نقشبند میں ایک عزیز افضل ترین اولیائے امت ملکِ ہند میں پیدا ہونے والے ہیں، ان سے شرف ملاقات نہ ہو سکنے کا مجھے افسوس ہوگا، انہوں نے ایک خط بطور عرض داشت آپ کے نام تحریر کیا اور اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰن بدخشی کو دیا، جو ۱۰۲۲ھ میں آپ کے حضور میں پیش کیا گیا، اس میں آپ سے دعاء کے لیے گذارش کی گئی تھی، آپ

نے ملاحظہ فرما کر ان کے لیے دعاء فرمائی اور کہا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام کبار اولیائے امت میں نظر آتا ہے۔

دیگر مشائخ کرام کے الہام

حضرت شیخ سلیم چشتی اور شیخ نظام الدین ناز نولی اور شیخ عبد اللہ سہروردی اکابر اولیائے ہندوستان کی خدمت میں لوگ آ آ کر اکبر بادشاہ کی بد دینی اور گمراہی کی شکایت کر کے، اسلام کی ترقی کے لیے خواستگار ہوا کرتے تھے، یہ اولیائے وقت جب توجہ باطنی فرماتے تو الہام ہوتا کہ عنقریب ایک امام وقت مجدد اسلام کا ظہور ہوگا، ان کے ذریعہ سے سب بد دینی اور ضلالت ختم ہوگی، اور قیامت تک اس کا نور باقی رہے گا۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

جب مخدوم عبد الاحد قدس سرہٗ جو امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہے بیعت کے لیے شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو شیخ نے فرمایا تھا کہ آپ کی پیشانی میں ایک ولیٔ برحق کا نور جلوہ گر ہے، اس سے مشرق و مغرب روشن ہوں گے، بدعت وضلالت دور ہوگی، میں اگر اس وقت تک زندہ رہا تو اس کو وسیلۂ قرب گردانوں گا۔

آپ کی علم شریعت میں تعلیم

ابتداءً آپ نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ میں آپ حافظ ہو گئے، پھر آپ نے اپنے والد ماجد سے علم ظاہر کی تحصیل شروع کی تحقیق کا مادہ پیدا تھا، مسائل مشکلہ بآسانی حل فرمانے لگے، چند ہی روز میں دوسرے علوم کتبِ ضروریہ کے درس سے آپ فارغ ہو گئے، دل کش عبارت میں بعض کتب پر حاشیہ تحریر فرمائے۔

آپ کے دیگر اساتذہ

بعد دیگر علماء مولانا کمال کشمیری سے سیالکوٹ جا کر کتبِ مشکلہ کا مطالعہ فرمایا، کشمیر میں شیخ یعقوب صرفی سے جو قطبِ وقت شیخ خوارزمی کے خلیفہ تھے، آپ نے کتبِ احادیث سنا کر سندِ حدیث واجازت طریقہ کبرویہ سہروردیہ حاصل فرمائی۔

قاضی بہلول بدخشانی تلمیذ شیخ المحدثین ابن فہد سے جو بالآخر آپ کے مرید ہوئے، اجازت پائی، تفسیر مع دیگر مؤلفات اور تفسیر بیضاوی اور صحیح بخاری مع متعلقات ثلاثیات وغیرہ مشکوۃ وترمذی شریف اور جامع صغیر اور حدیثِ مسلسل کی اجازت حاصل فرمائی۔ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے، اس کے بعد آپ درس وتدریس میں مشغول ہوئے، مختلف ممالک سے طلباء جوق درجوق آنے شروع ہوئے، حلقۂ حدیث وتفسیر گرم رہتا تھا، بہت لوگ فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ کا علم طریقت

ویسے تو آپ کو اس وقت کے سولہ سلسلوں سے اجازت وخلافت حاصل تھی طریقۂ نقشبندیہ سے پہلے، کیوں کہ اس وقت تک طریقہ نقشبندیہ ہندوستان میں نہیں تھا، آپ کے والد مخدوم عبد الاحد قدس سرہٗ نے طریقۂ نقشبندیہ کے جو فضائل اپنے بزرگوں سے سنے تھے اور کتب میں پڑھے تھے کہ اس شاہ راہ اور اس دائرہ کا مرکز طائفہ عالیہ نقشبندیہ کے ہاتھ آیا ہے، اور یہ ملک اس طریقہ کے بزرگوں سے خالی ہے اور افسوس ہے کہ ہم کو اس سلسلہ سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ یہ بات آپ نے اپنے والد سے سن رکھی تھی۔

آپ کا سفر دہلی اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

ہمیشہ سے آپ کو حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کا شوق تھا، اس لیے آپ ہمیشہ بے چین رہتے تھے، کیوں کہ آپ کے والد ماجد سن رسیدہ ہو گئے تھے، بوجہ ان کی خدمت کے آپ ان کی مفارقت گوارا نہ کر سکے تھے، جب والد ماجد کا انتقال ہوا، اس کے بعد آپ حج کے ارادے سے دہلی پہنچے، مولانا حسن کشمیری سے جو آپ کے دوستوں اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصوں میں سے تھے، ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ سے خواجہ صاحب کے کمالات کا اظہار کر کے ملاقات کرنے کے لیے تحریک کی اور بیان کیا کہ حضرت خواجہ صاحب سلسلۂ نقشبندیہ میں فرد و یگانہ ہے، اور ہر طرف دور دراز تک آپ کی نظیر نہیں، چوں کہ آپ نے اپنے والد ماجد سے جیسے اوپر گذرا سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اکابر کے حالات سنے تھے، آپ مولانا کے ہمراہ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب کی یہ عادت نہ تھی کہ کسی سے کوئی اپنی خواہش ظاہر فرماتے، البتہ آپ سے حضرت خواجہ صاحب نے خلافِ عادت خانقاہ میں چند روز قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا، آپ نے ایک ہفتہ قیام کا وعدہ کیا، لیکن رفتہ رفتہ ایک ماہ دو ہفتے کی نوبت پہنچ گئی۔

طریقۂ نقشبندیہ میں آپ کی بیعت

ابھی دو روز بھی نہ گزرے تھے کہ آثار تصرف و کوشش حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نمودار ہوئی اور آپ پر شوقِ انابت و اخذ طریقہ خواجگان نے غلبہ کیا، یہاں تک کہ آپ نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے لیے درخواست کی، بمجرد عرض کرنے کے بلا استخارہ خلافِ عادت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر بیعت کیا، ذکر قلبی تعلیم فرمایا، فوراً آپ کا دل ذاکر ہو گیا، یوماً فیوماً ترقیات عروجات ہوتے رہیں۔

حضرت خواجہ کے خاص واقعات آپ سے ظاہر فرمانا

جب حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اندر آثار رشد وارشاد واستعداد کامل معاینہ کئے، خلوت میں آپ سے وہ حالات اور واقعات بیان فرمائے، جو آپ پر کئی سال پیشتر گزرے تھے۔

(۱) حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میرے شیخ حضرت خواجہ محمد امکنگی قدس سرہٗ نے جب مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان جاؤ، وہاں تم سے اس سلسلہ کا رواج ہوگا، میں نے چوں کہ اپنے آپ کو اس کے لائق نہ پایا، تواضع کرنے لگا، آپ نے مجھے استخارہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا، جب استخارہ کیا تو دیکھا ایک طوطی کو شاخ پر بیٹھے ہوئے دیکھا، میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر یہ طوطی میرے ہاتھ پر آ بیٹھے تو مجھے اس سفر میں کشائش حاصل ہوگی، وہ طوطی میرے ہاتھ پر آ بیٹھی اور میں نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا، اس نے میرے منھ میں شکر ڈالی، صبح کو میں نے یہ واقعہ حضرت کی خدمت میں بیان کیا، آپ نے ارشاد فرمایا طوطی ہندوستان کا پرندہ ہے، پس تمہارے دامنِ تربیت سے ایک ایسا شخص نکلے گا کہ عالم اس کے نور سے منور ہوگا، اور اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا، میں اس واقعہ کو آپ کے حال پر منطبق پاتا ہوں۔

(۲) جب ہم تمہارے شہر سرہند پہنچے تھے تو خواب میں دیکھا تھا کہ میں ایک قطب کے جوار میں اترا ہوں، مجھے اس کا حلیہ بھی بتایا گیا، میں صبح کو شہر کے گوشہ نشینوں اور درویشوں کی تلاش میں نکلا اور جن جن درویشوں کو دیکھا نہ وہ آثار پائے اور نہ کسی میں علاماتِ قطبیت ظاہر ہوئی، میں نے کہا شاید اس شہر کا کوئی اور شخص اس امر کی قابلیت رکھتا ہو، جو آئندہ ظاہر ہو، جب میں نے تم کو دیکھا حلیہ اس کے موافق پایا اور اس کی قابلیت بھی میں تمہارے اندر معائنہ کی۔

حضرت خواجہ کی جناب میں آپ کی عقیدت

آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں جو اعلیٰ اعتقاد تھا، اس کی کیفیت خود آپ نے اپنی کتاب ''مبدأ و معاد'' میں اس طرح تحریر فرمائی ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہر مرید اپنی اپنی لیاقت کے موجب علیحدہ علیحدہ عقیدت رکھتا تھا اور اسی کے موجب ہر ایک فیضیاب ہوتا تھا۔ چنانچہ میرا عقیدہ یہ تھا کہ بعد زمانہ حضور نبی کریم ﷺ ایسی صحبت اور تربیت و ارشاد سوائے حضرت خواجہ صاحب کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہوگی۔ پس! ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھ کو میرے اعتقاد کے بموجب فیضان حاصل ہوا۔

آپ کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے بارگاہِ حق سبحانہٗ تعالیٰ میں آپ جیسے قابل طالب اور لائق مرید کے تربیت پانے اور درجہ کمال تک پہنچنے کا شکر ادا کیا اور آپ کے کمالات اور حالات کی تعریف و توصیف کر کے نیک ساعت میں خلعتِ خلافت سے آپ کو سرفرازی بخشی اور آپ کے وطن مالوف سرہند کی طرف رخصت فرمایا، آپ بموجب ارشاد پیر بزرگوار تربیتِ طالبین اور ہدایتِ سالکین میں مشغول ہوئے۔

حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خرقہ کی حوالگی اور شاہ سکندر قادری سے آپ کو خلافت

سابق میں مذکور ہوا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خرقہ اپنے جانشین صاحبزادہ تاج الدین عبد الرزاق قدس سرہٗ کو آپ کے حوالہ کرنے کے لیے دیا تھا اور آپ کے جانشینوں میں یکے بعد دیگرے امانۃً چلا آتا تھا، اس کی تفصیل یہ

ہے کہ حضرت شاہ سکندر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے دادا حضرت شاہ کمال کیتلی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں ظاہر ہوکر فرمایا کہ اس خرقہ کے وارث جن کے لیے حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی تھی وہ شیخ احمد سرہندی ظاہر ہو گئے ہیں، ان کے حوالہ کر دو، انہوں خرقہ سپرد کرنے میں یہ خیال کر کے تأمل کیا کہ گھر کی نعمت گھر ہی میں رہے تو بہتر ہو، پھر دوبارہ حضرت کیتلی رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر ہوکر تاکید فرمائی، پھر بھی انہوں نے ٹالا، تیسری مرتبہ بحالتِ غضب ظاہر ہوکر متنبہ فرمایا کہ تم اپنی خیریت اور نسبت کی سلامتی چاہتے ہوتو خرقہ اس کے وارث کے حوالہ کر دو، ورنہ تمہاری نسبت و کرامت سلب کر لی جائے گی۔ شاہ سکندر ہیبت زدہ ہوکر خرقہ لے کر آپ کی یعنی حضرت مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لائے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بعد نمازِ صبح حسبِ عادت حلقہ ذکر وتوجہ میں مشغول مراقبہ فرما رہے تھے، آپ جب فارغ ہوئے تو سپرد فرمایا آپ نے زیب تن کیا، نسبتِ قادریہ نے آپ پر غلبہ پایا نقشبندیہ مغلوب ہوگئی، ایسا کئی مرتبہ ہوتا رہا۔

سب طریقوں کی نسبت کا طریقہ مجددیہ میں شمول

سلسلۂ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے اور اس میں اتباع سنت واجتناب بدعت سب سے زیادہ ملحوظ ہے، لہٰذا یہ سلسلہ خاص خدمتِ تجدید اور الف ثانی ہونے سے زیادہ تر مناسبت رکھتا ہے، پس طریقہ مجددیہ تمام امت کے اولیاء کے سلسلوں کو جامع ہے، اور اس طریق کے سالکوں کو ہر ایک سلسلے کے اولیاء کا فیض حاصل ہوتا ہے۔

آپ کے متعلق حضرت خواجہ کے ارشادات

حضرت شیخ احمد سرہندی مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہے، فرماتے ہیں:

(۱) میاں شیخ احمد کے طفیل ہم کو معلوم ہوا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے، اور شاہراہ طریقت اور ہی ہے۔

(۲) میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہے اور ہم جیسے کتنے ستارے ان کی روشنی میں گم ہے۔

(۳) ہماری اور میاں شیخ احمد کی تمثیل خواجہ ابوالحسن خرقانی اور ان کے مرید عبداللہ انصاری کی ہے کہ اگر پیر زندہ رہتے تو اپنے مرید کے مرید ہوتے۔

(۴) میاں شیخ احمد کمال مریدوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔

(۵) میاں شیخ احمد کی مانند آج زیر فلک کوئی نہیں ہے۔

(۶) میاں شیخ احمد جامع ارشاد و مدار ہے۔

(۷) الحمد للہ ہماری تین چار سال کی صحبت رائیگاں نہیں گئی، شیخ احمد جیسے عزیز الوجود شخص نے تربیت پائی۔

بسا اوقات حضرت خواجہ علیہ الرحمہ آپ کو برسرِ حلقہ بٹھاتے اور خود مع اپنے خلفاء ومردین کے آپ کے حلقہ میں مستفیدانہ شریک ہوتے اور بعد فراغت الٹے پاؤں واپس ہوتے کہ آپ کی طرف پشت نہ ہو اور اپنے جملہ خدام کو بھی یہی ہدایت فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ سے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ اس غلامانِ غلام کو حضرت کے اس طرزِ عمل سے نہایت ندامت اور شرمندگی ہے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ کرر ہے ہیں بموجب امرِ الٰہی ہے، جس کی تعمیل پر ہم غیب سے مجبور ہیں۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ حجرہ میں آرام کر رہے تھے کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ آپ کو ملنے کے لیے تشریف لائے، خادمین نے چاہا کہ آپ کو بے دار کردے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمایا اور خود حجرہ کے دروازہ کے پاس آپ کی بے داری کے انتظار میں کھڑے ہو گئے، باوجود یہ کہ آپ گہری نیند سو رہے تھے، فوراً اٹھ بیٹھے اور چار

پائی سے نیچے اتر آئے اور مضطرب الحال ہوکر دریافت فرمانے لگے باہر کون صاحب ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا فقیر محمد باقی ہے، آپ فوراً ہی حاضر خدمت ہو گئے۔

علاوہ ان ارشادات کے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے نام جو مکتوب تحریر کئے ہیں، ان سے آپ کے مدارج عالیہ کے کمال کا اظہار ہوتا ہے، صرف ایک مکتوب کا ترجمہ بطور تبرک اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

آپ کے نام حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا خط

اللہ تعالیٰ آپ کو کمال کے اعلیٰ مراتب پر پہنچائے، اور بزرگوں کے پیالہ میں زمین کا بھی حصہ ہوتا ہے، جو حقیقت حال ہے لکھا جاتا ہے۔ پیر انصار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں، لیکن اگر اس وقت وہ موجود ہوتے تو باوجود پیری وہ میرے مرید ہوتے، جب کہ ان بے صفتوں کی یہ صفت ہو آثار صفات کے گرفتار کس طرح سے اس جائی فدائی کی طلب گاری نہ کرے، اور جہاں کہیں سے ان کے دماغ میں خوشبو پہنچے، اس کا پیچھا نہ کرے، اب دیر و تأمل ہمارا بے پروائی اور بے نیازی سے نہیں ہے، بلکہ موقوف اشارہ پر ہے۔

جناب سیادت مآب پر صالح نیشاپوری نے اپنا مقصود کی طلب کا اظہار کیا، جبکہ وقت اس کا مقتضی نہ تھا، ان کے اوقات کا ضائع کرنا بعید معلوم ہوا، لہٰذا ان کو آپ کی صحبت میں روانہ کیا گیا، ان شاء اللہ تعالیٰ بموجب اپنی استعداد کے بہریاب ہوں گے اور کامل توجہ اور مہربانی حاصل کریں گے۔ والسلام

آپ اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے آداب

باوجود یہ کہ آپ ایسے مقاماتِ بلند و مراتب سے سرفراز تھے، مگر اپنے پیر بزرگوار کی ایسی رعایت ادب کرتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہوسکتا۔ صاحبِ زبدۃ المقامات

لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ شاہ ہشام الدین اپنے پیر بھائی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تعریف وتوصیف کرنے کے بعد بیان فرماتے تھے کہ آپ باوجود علوم مرتبت و کثرتِ فضیلت اپنے پیر دستگیر کے آداب کی کمال رعایت کرتے تھے۔ حضرت کے مریدوں میں آپ جیسا با ادب نہ کوئی خلیفہ تھا اور نہ کوئی مرید۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ برکات آپ کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر کرتے ہیں کہ میں بموجب ارشاد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بلانے کے لیے گیا، جوں ہی میں نے آپ سے کہا کہ حضرت یاد فرماتے ہیں آپ کے چہرے کا رنگ پھیکا ہو گیا اور خوف وبیم سے اس قدر مضطرب ہوئے کہ تمام بدن میں رعشہ پڑ گیا، اس وقت مجھ کو صوفیائے کرام کا وہ مقولہ یاد آیا کہ ''نزدیکاں رابش بود حیرانی''۔

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص کمالات

جو جو کمالاتِ عالیہ اور مدارج مخصوص حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے، زبان قلم اس کے بیان سے عاجز ہے، اور قلم تحریر سے قاصر ہے، کچھ مختصر خاصے درجہ ذیل کئے جاتے ہیں:

(۱) آپ مجدد الفِ ثانی یعنی دین کو نئے سرے سے تازگی بخشنے والے اور حضور ﷺ کے ہزار سال بعد آئے، اس لیے الفِ ثانی ہوئے۔

(۲) آپ کو خزینۃ الرحمہ کے خطاب سے سرفرازی بخشی گئی۔

(۳) آپ کو مرتبہ فردیت عطا ہوا۔

(۴) آپ مجموعہ قطب مدار (باعثِ بقائے عالم) و قطبِ ارشاد (باعثِ بقائے ایمان) ہیں۔

(۵) آپ کے ہی سلسلہ میں قیامت تک قطب مدار و ارشاد ہوا کریں گے۔

(۶) حضرت امام مہدی آخر الزماں آپ کے ہی خلفائے سلسلہ سے ہوں گے۔

(۷) آپ کو مقامِ محبوبیتِ ذاتیہ خرقہ عطا کیا گیا۔
(۸) آپ کو علم لدنی عطا کیا گیا۔
(۹) آپ کو اسرارِ مقطعات قرآنی عطا کئے گئے۔
(۱۰) آپ پر مقاماتِ وجودی ظاہر کئے گئے۔
(۱۱) آپ پر علم الیقین حق الیقین جو اصحابِ کبار کو عطاء ہوا تھا، ظاہر کیا گیا۔

نوٹ دوسرے اولیائے کرام جن کو حق الیقین فرماتے ہیں، وہ آپ کی تحقیق کی رو سے علم الیقین ہی کا جز ہے۔

(۱۲) آپ کو مثل اصحاب کبار مدارج اتباع حضور ﷺ سرفراز ہوئے۔
(۱۳) آپ کے طریقہ میں تمام اولیاء اللہ کے فیضان شامل ہیں، اس لیے آپ کا طریقہ افضل واسہل ہے۔
(۱۴) آپ کا طریقہ جامع شریعت وطریقت ہے، اور اس میں مقاماتِ ولایت کے علاوہ کمالاتِ نبوت بھی شامل ہے۔
(۱۵) آپ کے سلسلہ کے کل مریدین (جو قیامت تک ہوں گے) آپ کو دکھلائے گئے۔

آپ کا ایک واقعہ

چند ہی عرصہ میں آپ کے کمالات کا عالمگیر شہرہ ہو گیا، خلقت کا ہجوم ہوا، ہر ملک میں آپ کے خلفاء پہنچ گئے، رات دن بازارِ ہدایت گرم ہوا، بادشاہِ ہند کے لشکر میں بھی شیخ بدیع الدین آپ کے نامور خلیفہ مشغول حلقہ توجہ تھے، ہزار ہا آدمی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، شرک و بدعت سے نفرت بڑھی، شدہ شدہ یہ خبر آصف خاں وزیر کو (جو شیعہ مذہب تھا) پہنچی، اور وہ پہلے سے حضرت کے حالات سنے ہوئے تھا کہ آپ کو مذاہبِ باطلہ کی تردید سے خاص دلچسپی ہے، ایک رسالہ ردِّ روافض بھی تحریر فرمایا ہے، اس کو شیخ

بدیع الدین کا لشکر جو قیام اور طریقہ کی اشاعت بہت نا گوار ہوئی، اور شب و روز موقع کی جستجو میں تھا کہ ایک روز بادشاہ کو تنہا پا کر عرض کیا کہ حضور سرہند کے ایک مشائخ نے جو علوم غریبیہ میں ماہر ہے، اور اس نے مختلف درویشوں سے خلافت پائی ہے، دعویٰ مجددیت کا کیا ہے، صدہا آدمی اس کے خلیفہ کر کے ملک در ملک بھیج دئے ہیں۔ ہزار ہا آدمی اس کے خلفاء کے مرید ہو گئے ہیں، ہمارے لشکر میں بھی اس کا ایک خلیفہ مقیم ہے، اکثر امرائے سلطانی، خان خانہ، سید صدر جہاں، خان جہاں، خان اعظم، محبت خاں، تربیت خاں، سکندر خاں، دریا خاں، مرتضٰی خاں وغیرہ اس کے حلقے مرید بگوش ہو گئے، اب معلوم ہوا کہ اس نے ایک لاکھ سوار مسلح اور بے شمار پیادہ تیار کئے ہیں، خوف ہے کہ غفلت میں کوئی شکل ظہور پذیر نہ ہو جائے، جس قدر اس کے معتقدین ہیں، اوّل ان کا دور دراز فاصلہ پر تبادلہ کر دیا جائے، تو ہر ایک کا انتظام آئندہ ہو سکے گا، بادشاہ کو وزیر کی رائے پسند آئی اور دوسرے روز ہی علی الصبح دربارِ خاص منعقد کر کے خانِ خاناں کو ملک دکھن کی صوبہ داری پر، محبت خاں کو کابل کی صوبہ داری پر اور اسی طرح سے چار سو حکام کو جو آپ کے معتقدین خاص تھے، دور دراز ملکوں کا حاکم بنا کر بھیج دیا، جب ان کے مقاماتِ متبدلہ پر پہنچنے کی اطلاع وصول ہو گئی تو بادشاہ نے ایک فرمان حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نام جس میں آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے آپ کو مع جملہ مریدین و معتقدین دعوت دی گئی بذریعہ حاکم سرہند روانہ کیا اور حاکم موصوف کو تاکید کی کے خود حاضر ہو کر پیش کش کرے۔

یہاں یہ انتظام ہو رہا تھا اور وہاں روزانہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تمام واقعات بادشاہی اپنے خدام کے روبرو بیان فرماتے رہے تھے، حتیٰ کہ ایک روز ارشاد فرمایا کہ ”کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کو راہِ خدا میں تکلیف نہ ہوئی ہو، اور کوئی ولی ایسا نہیں ہے جس کو بلاؤں میں نہ رکھا گیا ہو، بلا بقدر محبت آتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے حالات اور اعمال کو اولیاء اللہ کے حالات اور اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے، مگر کسی نبی کو، خواہ وہ

یوسف علیہ السلام ہو یا ایوب علیہ السلام یا کوئی اور ہو، بغیر جلال کی سیر کے سلوک پورا نہیں ہوسکتا اور اب مرضیِ الٰہی ایسی ہی معلوم ہوتی ہے کہ ہم کو ایسی سیر کرائی جائے کہ حاکم سرہند حکم شاہی لے کر حاضر ہوا، آپ نے صاحبزادگان حضرت محمد سعید اور حضرت خواجہ معصوم کو کوہستان کی طرف رخصت کیا اور اہل وعیال کو دلاسا دے کر مع حاضر الوقت مریدین لشکرِ سلطانی کی طرف راہی ہوئے۔

جب لشکر میں پہنچے اعجاز واحترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا اور آپ ان خیموں میں جو پہلے سے آپ کے لیے بنے تھے مقیم ہوئے، جب آپ کو بادشاہ کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا تو آئین دربار کے بموجب نہ آپ نے سلام کیا اور نہ سجدہ، تو بادشاہ کے خادموں نے آپ کو اشارے سے سمجھایا، آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ اس وقت تک یہ پیشانی غیر اللہ کے لیے نہیں جھکی اور نہ آئندہ امید ہے۔

بادشاہ پر اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور خوف زدہ ہو کر وزیر سے مشورہ کیا کے واقع بڑا بے باک شخص ہے، اس کو دربار سے اس طرح جانے نہ دیا جائے، ورنہ خوف فساد وفتنہ ہے، وزیر نے رائے دی کہ ان کو اگر بالفعل قلعہ گوالیر میں نظر بند رکھا جائے تو مناسب ہے، آپ کو مع ہمراہین قلعہ میں بھیج دیا گیا۔

آپ کے مریدین ہزارہا آدمی ایک ہفتہ میں آمادۂ مقابلہ ہوگئے تھے اور محبت خاں مع افواج ماتحت کابل سے روانہ ہو کر کئی منزل تک آ گیا تھا، مگر آپ کا صحیفہ گرامی پہنچتے ہی باز رہا۔

ایک روز آپ نے بیٹھے بیٹھے فرمایا کہ اب ہمارے سیر جلالِ الٰہی پوری ہوگئی اور بہت جلد یہاں سے روانگی ہوگی، قلعہ کے تمام عمال آپ کے گرویدہ اور معتقد ہو گئے تھے، سب کو یہ حال معلوم کر کے آپ کی مفارقت کا اثر ہوا، یہاں یہ کیفیت تھی اور وہاں بادشاہ کو ایک روز کسی نے عالم بیداری میں تخت سے زمین پر پھینک دیا، وہ ہیبت زدہ ہو کر بیمار ہو گیا، ہر چند معالجے ہوتے تھے، کوئی فائدہ نہ تھا، ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ

فرماتے ہیں کہ تونے مجدد امامِ وقت کی بے عزتی کی ہے، تو جس عذابِ الٰہی میں گرفتار ہے، بغیر اس کی دعاء کے رفع نہ ہوگا، اگر تم کو اپنی بادشاہت کی خیر مدنظر ہے تو اس کی طرف رجوع کر۔ بادشاہ نے خواب سے بیدار ہوتے ہی آپ کی رہائی کا حکم جاری کیا اور آپ کی وجہ سے ہندوستان کے قیدیوں کو رہا کیا گیا اور ایک عرض داشت اپنے خادموں کے ہاتھ سے حضرت کی خدمت میں استدعاء کی بمعافی خطا روانہ کر کے استدعاء کی۔

آپنے اس کے جواب میں کچھ شرائط پیش کئے، بادشاہ نے سب منظور کر لیے، آپ محل شاہی میں تشریف لے گئے آپ نے دعاء فرمائی اور بادشاہ کو حکم کیا کہ اپنی خطا یاد کر کے روتا رہے، بہت جلد بادشاہ کو صحت ہوگئی، آپ کے سلسلۂ طریقت میں داخل ہوا اور احکام شرعی جاری کئے۔

اس کے بعد وزیر نے اور طرح سے بد دینی کے فتنے رواج دینے کے لیے بہت سی تدبیریں کیں، کبھی علامہ نور اللہ مجتہد شیعہ کو ایران سے بلا بھیجا کے بادشاہ کو گمراہ کرے، جب وہ اس میں بھی ناکام رہے اور قتل کر دئے گئے، اس کے بعد عام طور پر اسلام کا رواج ہوا، اسی طرح سے عالمگیر بادشاہ کے عہد تک جو آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا، برابر دین اسلام کو رونق اور تازگی رہی، ان شاء اللہ قیامت تک آپ کے خلفاء سے احیائے دین وترویجِ شریعت ہوتی رہے گی۔

آپ کے سلوک کی سیر

(۱) **ولایتِ صغریٰ یا ولایتِ اولیاء:** اس میں سیر الی اللہ ہوتی ہے۔ نیز وہ سیر جس کو دیگر اولیاء نے ''سیر فی اللہ'' سمجھا ہے اور حقیقت میں وہ سیر ظلال ہے۔

(۲) **ولایت کبریٰ یا ولایت انبیاء:** اس میں اصل اسماء وصفات کی سیر ہوتی ہے، جو اور طریقوں میں نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اور سولہ یا سترہ مقام ہے۔

آپ کے مکتوبات

علومِ شریعت اور معارف طریقت میں آپ کی بے شمار تصانیف ہیں، ان میں سے صرف وہ تصنیفات، جن کے مسودے باقی رہ گئے تھے اور وہ مرتبۂ شہرت کو پہنچے، ان میں سے مکتوبات بھی ہیں، آپ کے کل مکاتیب دوسو چونتیس ہیں، جو تین جلدوں میں منقسم ہیں۔

آپ کے مکتوب قدسی آیات میں اعلیٰ اعلیٰ معارف اور عمدہ عمدہ حقائق بیان ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ مکتوبات میں مضامین کی رفعت ومنزلت دو اعتبار سے ہے:

ایک یہ کہ بہ سبب ایام دوریٔ زمانہ مسعود حضور نبی کریم ﷺ دین میں بڑے بڑے نقائص اور خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ دربارِ اکبری کے ہم رنگ مسلمانوں میں ایک ملحد گروہ قائم ہوگیا تھا، جو توحید کو بغیر رسالت اسلام کے لیے کافی سمجھتا تھا، فلسفیوں نے ابطالِ نبوت پر کتابیں لکھ دی تھیں۔

دوسرا: جاہل صوفیوں نے طریقت کو شریعت سے علیحدہ اور آزاد ٹھہرایا، جیسا آج کل شریعت سے طریقت کو علیحدہ کر دیا گیا، مدارسوں سے طریقت کی تعلیم ختم ہوگئی، اس موضوع پر ان شاءاللہ آگے بیان ہوگا۔ اصل کی طرف آتے ہیں، احکام قرآن واحادیث کی پابندی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، جب آپ کا ظہور ہوا، آپ نے اپنی تصنیفات میں ان سب بے دینوں کا مقابلہ کیا اور کتاب وسنت سے ہر امر کا فیصلہ فرما دیا۔

آپ کا وصال

شبِ برات کو آپ نے اپنی وفات کے متعلق ظاہر فرما دیا کہ اسی سال میں ہوگی، آپ کو ضیق النفس کا دورہ شروع ہوا، آپ نے اپنے مریدین اور صاحبزادگان سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو وہ سب کچھ عطاء فرما چکا جو بشر کو عطاء کیا جا سکتا ہے، یہ سن کر سب پر بہت بڑا اثر آپ کی جدائی کے پیدا ہونے کا ہوا، مرض مذکورہ کا غلبہ ہوا، وہ شب جس

کے بعد آپ کا وصال ہوا آپ اٹھ کر بیٹھے اور جو حقائق منکشف ہوئے تھے، بیان فرمائے۔

اس کے بعد ضعف کا غلبہ ہوا، تہجد کی نماز وضو کر کے کھڑے ہو کر ادا فرمائی، صبح کی نماز بھی با جماعت پڑھ لی، اور یہ مصرعہ وردِ زباں پر تھا...

''آج وہ دوست ملا جس پر سب دنیا کو قربان کروں''، پھر اشراق کی نماز ادا کی اور تمام دعائیں ماثورہ پڑھتے رہے، بستر پر اس طرح سے لیٹے سر شمال کی طرف، منہ قبلے کی طرف، داہنا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے اور ذکر میں مشغول رہے، سانس کی تیزی کو صاحبزاداں نے دیکھ کر عرض کیا مزاج کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا اچھا ہے، جو دو رکعت نماز پڑھ چکے ہیں کافی ہے، یہ آپ کا آخری کلام تھا، اس کے بعد اللہ اللہ جاری تھا۔

ماہِ صفر ۱۰۳۴ھ بوقتِ اشراق داعیٔ اجل کو آپ نے لبیک کہا اور اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، اور عمر شریف آپ کی تریسٹھ سال ہوئی " إنا لله وإنا إليه راجعون " ۔آپ کا مزار ہندوستان میں پنجاب کے علاقہ میں شہر سرہند میں ہے۔

ہم نے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے دو اماموں کے حالات اوپر ذکر کئے، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ جن کی طرف یہ طریقہ منسوب ہے، دوسرے شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ تعجب کی بات ہے ہندوستان میں یہ طریقہ نقشبندیہ نایاب ہے، اس اضافۂ کتابت کی وجہ یہی ہے کہ کچھ عزیزوں نے ہندوستان سے اس فقیر کو پوچھا کہ نقشبندیہ سلسلہ کیا ہے؟ ان کے جواب میں یہ کتاب تصنیف کی ہے۔

تصوف و سلوک کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ دین کے پانچ جز ہے: ایک جز عقائد کا ہے کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ نے جن چیزوں کو جس طور پر خبر دی ہے وہ حق ہے، اس کی تفصیل عقائد کی کتابوں سے ملے گی۔ دوسرا جز عبادت ہے، نماز، روزے،

حج زکوۃ وغیرہ ۔تیسرا جز معاملات ہے ، یعنی نکاح ، طلاق اور حدود ، تجارت ان سب کے احکام ۔چوتھا جز معاشرت ہے ، یعنی ملنا جُلنا ، مہمان بننا ، بیوی بچے ، دوست وغیرہ ، ان سب کے آداب کیا ہیں وہ ، اور پانچواں جز تصوف ہے ، جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں ۔آج کل لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف کے لیے بیوی بچے اور دوسرے کام کاج چھوڑنے پڑتے ہیں ، یہ بالکل غلط ہے ، لیکن ان چیزوں کی محبت نکالنا شرط ہے ، یہ پانچ جز ہے ، ان پانچوں کے مجموعہ کا نام دین ہے ، اگر ان میں سے ایک جز بھی چھوڑا ہوگا ، یا کم ہوگا تو ناقص دین ہے ۔

شریعت نام ہے ظاہری اور باطنی اعمال کے مجموعہ کا ، جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے " معرفة النفس ما لها وما عليها " یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا ۔پھر متأخرین کی اصطلاح میں شریعت جز و متعلق بہ اعمالِ ظاہرہ کا نام '' فقہ '' ہوگیا اور دوسرے جز و متعلق بہ اعمال باطنہ کا نام '' تصوف '' ہوگیا ، اور ان اعمالِ باطنی کے طریقوں کو '' طریقت '' کہتے ہیں ۔حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں علم حدیث اور اصول فقہ وغیرہ الگ الگ نہ تھے ، بعد میں استنباط کرکے بہت سارے علوم نکالنے میں آئے ، ہر ایک کا الگ الگ نام رکھنے میں آیا ۔پس یہ سب امور متعلقہ شریعت کے ہی ہیں اور یہ جو مشہور ہوگیا ہے کہ شریعت صرف جز و متعلق با حکام ظاہرہ کو کہتے ہیں یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں ۔

تصوف کے اصولِ صحیح قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں ، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے ، بالکل غلط ہے ، شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے کا اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں : بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے ، جیسے کلمہ پڑھنا ، نماز ، روزہ ، حج ، زکوۃ ، ان کو '' مامورات '' کہتے ہیں ، اور کلماتِ کفر کہنا ، شرک کے افعال کرنا ، زنا ، چوری ، رشوت وغیرہ ان کو '' مناہی ''

کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے، جیسے ایمان وتصدیق وعقائدِ حقہ، صبر، شکر، توکل، رضا بالقضاء، تفویض واخلاص وغیرہ ان کو ''مامورات'' و''فضائل'' کہتے ہیں، اور عقائد باطلہ بے صبری، ناشکری، ریا، تکبر وغیرہ ان کو ''مناہی'' و''رذائل'' کہتے ہیں، جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں ﴿ أَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوْا الزَّكٰوةَ ﴾ (نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو) موجود ہے، اسی طرح ﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا ﴾ (اے ایمان والو! صبر کرو) اور ﴿ وَاشْكُرُوْا ﴾ (اور اللہ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے۔ دوسرے مقام میں ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) بھی دیکھو گے۔ جہاں ﴿ إِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾ (جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں) بھی موجود ہے، اگر ایک مقام پر تارِک نماز و زکوۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر تکبر کی برائی بھی موجود ہے، اسی طرح احادیث میں بھی پاؤ گے، جس طرح اعمالِ ظاہرہ حکمِ خداوندی ہے، اسی طرح اعمالِ باطنہ بھی حکمِ خداوندی ہے۔

شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ، یعنی شرع کے معانی کا بھی اعتبار ہے، اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف کو علیحدہ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جاوے، یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے مشہور فقہ میں کتاب الزکوۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ ہے، اسی طرح کتاب التصوف بھی فقہ ہے۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ و کتاب الزکوۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جاویں گے، اسی طرح توحید و اخلاص، تکبر و تواضع وغیرہ اخلاقِ حمیدہ و رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔

اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام وقعود کے اور بھی کچھ ہے، اور وہ ضروری بھی ہے۔ مثلاً: بظاہر اٹھ بیٹھ لیے اور نماز ادا ہوگئی، حالاں کہ قرآن مجید میں جہاں ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلوٰتِهِمْ ﴾ ہے اس کے ساتھ ہی ﴿ خٰشِعُوْنَ ﴾ (خشوع کرنے والے) بھی لگا ہوا ہے، جب " صلوتهم " سے نماز شرعی مطلوب سمجھتے ہیں تو کیا وجہ کہ " خشعون " سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے؟ حالاں کہ حکم ضروری ہے۔

اوپر مذکور ہوا کہ ظاہری احکام کو فقہ کہتے ہیں، جس طرح ظاہر کے کچھ اعمال فرضِ عین اور کچھ حرام ہیں، اسی طرح باطن کے اعمال میں بھی کچھ فرضِ عین ہیں اور کچھ حرام ہیں۔ اخلاقِ حمیدہ کا پیدا کرنا اپنی ذات میں باطنی فرائض پر عمل کرنا اور باطنی حرام عادتوں سے بچنا تصوف ہے۔

علمِ تصوف کی اصطلاحی تعریف جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے کی ہے، اس کا خلاصہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے'' تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے اچھے اخلاق کی قسم اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ اور برے اخلاق کی قسم اور اس سے بچنے کا طریقہ سیکھنے میں آتا ہے۔

جس طرح دیگر علوم مستنبط کا خاص نام ہوگیا، جیسے علم فقہ اور علم حدیث، اسی طرح مشائخ کے طریقہ کا نام تصوف ہوگیا۔ اگر کوئی شرح وقایہ و ہدایہ پڑھتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ فقہ پڑھتا ہے، حالاں کہ فقہ میں بقول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بہت سے علوم ہے، اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تصوف کی حقیقت حق تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے، اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا، ہمت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ صاحبِ ذوق بنو، اگر اتنی ہمت نہ ہو تو اللہ کے لیے انکار تو نہ کرو۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علم باطن سے کچھ میسر نہ ہو اس کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے، اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو، منکر کی یہی سزا ہے کہ وہ اس سے محروم ہے۔

''عشق اور مستی کے اسرار و رموز خود پرست سے مت کہو چھوڑ و اسے خود پسندی میں مرنے دو''۔

آج کل کا سلوک و تصوف

جان لے کے دنیا آخرت کی کھیتی ہے، پس افسوس اس شخص پر جس نے اس میں نہ بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بے کار رہنے دیا اور اپنے اعمال کے بیج کو ضائع کر دیا۔

جاننا چاہیے کہ زمین کا ضائع اور بے کار کرنا دو طریقہ پر ہے: ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرا یہ کہ اس میں ناپاک اور خراب بیج ڈالے اور پہلی قسم کی نسبت دوسری قسم اضاعت میں بہت زر اور زیادہ فساد ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا ناپاک اور خراب ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص سالک سے طریقہ اخذ کرے، اس کی راہ پر چلے، کیوں کہ وہ حرص و ہوا کے تابع ہوتا ہے اور حرص و ہوا والے کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو اس کی حرص کو ہی زیادہ کرے گی۔ پس اس سے سیاہی پر سیاہی حاصل ہوگی اور نیز ناقص کو چوں کہ خود وصل نہیں ہے، حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے اور ایسے ہی طالبوں کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق نہیں جانتا اور جب اس نے طریقۂ جذب اور سلوک کے درمیان تمیز نہ کی، تو بسا اوقات طالب کی استعداد ابتداء میں طریقۂ جذب کے مناسب ہوتی ہے اور طریقۂ سلوک سے نا مناسب ہوتی ہے، اور ناقص شیخ کے راستوں اور مختلف استعدادوں کے درمیان تمیز کے نہ ہونے کے باعث ابتداء میں اس کو طریقۂ سلوک پر چلایا تو اس نے راہِ حق سے اس کو گمراہ کر دیا، جیسا کہ وہ خود گمراہ ہے۔

اسی طرح بیعت ہونے کے بعد ذکر، اشغال دیا جاتا ہے کہ مقامات طے بھی نہ کئے ہوتے کہ اجازت وخلافت دے دی جاتی ہے، گویا طریقۂ فقراء کو بدنام کرنا اور اس کی نسبت بدگمانی پھیلانا ہے، اس فقیر نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جن کے ہر لطائف اورنس نس ذکر میں مشغول ہیں، لیکن حق تعالیٰ سے اسے کوئی تعلق نہیں، ذکر کی مشق کرنے سے ذکر جاری تو ہوجاتا ہے، لیکن وہ کیفیت اور تعلق مع اللہ پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل رسمی پیری مریدی ہورہی ہے، یاد رکھنا چاہیے بیعت وسلوک کا مقصد اپنے نفس کی اصلاح اور حق تعالیٰ کا دائمی حضور حاصل کرنا ہے۔

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ باپ پیر ہے ولی ہے، اس کے وصال کے بعد بیٹا پیر بن گیا، جس طرح ڈاکٹر کا بیٹا اس وقت تک ڈاکٹر نہیں بن سکتا، جب تک کہ وہ ڈاکٹری کا علم نہ پڑھے، اسی طرح ولی یا پیر کا بیٹا پیر نہیں بن سکتا، جب تک کہ وہ تقوی وطہارت کی زندگی گزار کر ولایت کے مقامات حاصل نہ کرے۔ جہلاء میں ولایت کا مدار معنوی طور پر ہوتا ہے، چنانچہ بدعمل فاسق وفاجر لوگ اپنے باپ دادا کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کے روحانی پیشوا بنے بیٹھے ہیں، حالاں کہ وہ تو روحانیت کی ''راء'' سے بھی واقف نہیں ہوتے، اور یہ لوگ ﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوْا الصَّلٰوْةَ وَاتَّبَعُوْا الشَّهَوٰتِ﴾ [مریم، آیت: ۵۹] (پھر ان کے (بعض) ایسے نا خلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا ور (نفسانی) خواہشات کی پیروی کی) کا مصداق ہوتے ہیں، ان کا کام تو سالانہ عرس پر میلا لگا کر پیسہ لوٹنا ہے، نہ خود شریعت پر چلتے ہیں نہ دوسروں کو کہنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے، یہ سراسر گمراہی ہے۔

برائے مدارس وعلماء

جاننا چاہیے کہ علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہوجاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا، اگر محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہوجاتا ہے۔

پس! معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں حقیقی علم کی حقیقت نور ہے، جس کی نسبت قرآن میں ہے ﴿ قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیں زیادہ نہیں پڑھیں تھی، مگر حق تعالیٰ نے قلب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان کرتے تھے بالکل صحیح فرماتے تھے۔ علم سے مراد یہ نہیں کہ "قَالَ" جاننا ہو، بلکہ علم ایک نور ہے، جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ (ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے، جس کے ذریعہ آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں) اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر چاروں طرف سے اسے تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا، علم کامل سے معرفت ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ ﴿ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ (ہوسکتا ہے کسی شئ کو تم برا سمجھتے ہو، لیکن تمہارے حق میں وہ بہتر ہو) اس لیے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لیے علاج اور کفارۂ سیئات ہورہا ہے۔ نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اللہ کے ہیں اپنے نہیں، ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لیے مناسب سمجھے اس میں رکھے۔

حقیقی علم کا مفہوم

یہی ہے کہ حقیقت علم کی جو تقوی سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے وہ فقہ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "من یرد اللّٰہ به خیراً یفقهه في الدین" جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے۔

یہ علمِ حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، کیوں کہ حضور ﷺ تو صحابہ کے اَن پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں "ہم امی قوم ہیں، حساب کتاب نہیں جانتے" بعضے تو ان میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے، مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب سے افضل تھے۔

چنانچہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی شان میں فرماتے ہیں: " اَعمقھم علما " کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ کا علم عمیق ہے۔ آخر وہ کونسا علم تھا؟ کیا درسی اور کتابی علم تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہمِ قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا، جس میں ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی رہتی تھی، اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''میں نے وکیع سے سوءِ حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھ کو معاصی چھوڑنے کی وصیت کی''۔

آخر وہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہے، کیا وہ کتابی علم ہے؟ ہرگز نہیں، کتابی علم تو جس کا حافظہ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہے گا۔ ایک فاسق فاجر کو بڑے سے بڑے متقی سے زیادہ قرآن حفظ ہوسکتا ہے اور ہے، ایسے حفاظ ہیں جو صرف رمضان میں تراویح کے لیے اپنا حلیہ صحیح کر لیتے ہیں، کافر کو بھی مسلمانوں سے زیادہ مسائل و احادیث یاد ہو جائے۔ چنانچہ اس ملک میں برطانیہ میں اسکلوں میں انگریز استاذ (ٹیچر) اسلامی لیکچرز ہے، جو کالجوں میں بچوں کو اسلام پر بیان دیتے ہیں، ان کو اسلامی فقہ، احادیث وغیرہ یاد ہوتی ہے، پڑھانے والے عیسائی ہوتے ہیں۔

تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کتابی علم میں سوءِ حفظ کی شکایت نہیں۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علوم میں قلتِ حفظ کی شکایت کر رہے تھے، جس میں معاصی کو دخل تھا، یہی ہے حقیقتِ علم اور یہ وہ چیز ہے، جس کی وجہ سے مجتہدین، مجتہد ہوئے ہیں، ورنہ وسعتِ نظر اور کثرتِ معلومات میں تو ممکن ہے کہ بعض مقلدین مجتہدین سے بڑھے ہوئے ہوں۔

علم اور معلومات کا فرق

علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہے، ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات ہیں، ان دونوں میں فرق ہے، یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس نے سیاحت بہت کی ہے، مگر اس

کی نگاہ کمزور ہے، اور ایک شخص نے سیاحت تو کم کی ہے، مگر نگاہ بہت تیز ہے، تو جس کی نگاہ کمزور ہے اور اس نے سیاحت بہت ہی کی ہے، اس کی مبصرات تو زیادہ ہے، مگر کسی مبصر (دیکھی ہوئی چیز) کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں، کیوں کہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں، ہر چیز کو سرسری طور پر یوں ہی دیکھا ہے، اور جس کی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں کی ہے اس کے مبصرات گو کم ہیں، مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کی حقیقت پر مطلع ہو جاتا ہے۔

غرض! جیسے کثرتِ مبصرات کا نام ابصار نہیں، اسی طرح کثرتِ معلومات کا نام علم نہیں، بلکہ علم یہ ہے کہ ادراکِ سلیم قوی ہو، جس سے نتائجِ صحیحہ تک جلد وصول ہو جاتا ہے، یہی ہے حقیقتِ علم جو صرف پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اسباب اور ہیں؛ منجملہ ان کے ایک سبب تو دعاء ہے۔ دوسرا سبب تقویٰ ہے۔ تمام معاصی سے اجتناب ضروری ہے۔

علمِ دین کے لیے عمل وخشیت لازم ہے

آج کل حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں، پھر پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اسی کو مقصد سمجھتے ہیں، تحصیلِ خشیت کا اہتمام نہیں کرتے، ایسا علم جو خشیت سے خالی ہو علم ہی نہیں۔

اے علماء کی جماعت! علم کو میراثِ انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کونسا علم ہے، جو وارث ہوتا ہے اس کو وراثت میں سب چیزوں سے حصہ ملتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ صرف ایک چیز میں سے حصہ مل گیا تو کافی ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی میراث سے جو چیز ملتی ہے وارث کو وہ صرف ظاہری علم نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام نے تکلیفیں بھی برداشت کی ہیں، فقر و فاقہ میں بھی رہے ہیں، تو یہ سب بھی انبیاء کی میراث

ہے، جو وارث کو ملتی ہے، تو پھر کیا بات ہے کہ آج کا عالم، مولوی فقر، فاقہ سے گھبراتا ہے، یہ بھی تو میراث ہے۔ ہماری بات کڑوی ضرور لگے گی، لیکن ہم تو صرف پہنچانے والے ہیں، جس طرح ڈاکیہ ڈاک پہنچاتا ہے۔

جو حق کہنے کا ہے کہتا ہوں تجھ سے اے میرے شفیق
نصیحت آئے ان باتوں سے تجھ کو یا ملال آئے

کیا انبیاء علیہم السلام کا علم بھی نعوذ باللہ ایسا ہی تھا جس میں محض مسائل و اصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو؟ ہرگز نہیں، وہاں تو یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا تھا اتنی ہی خشیت بڑھتی تھی۔ تعلیم و تعلّم کو مقصود بالذات سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے۔

حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف

مولوی احکام داں کو کہتے ہیں، عربی داں کو نہیں کہتے۔ عربی داں ابو جہل بھی تھا، مگر لقب تھا ابو جہل نہ کہ عالم۔ مولوی سے مراد عالم باعمل ہے، جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے، جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل نہیں ہے۔ ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔ مصر، سعودی میں عیسائی، یہودی عربی داں ہے، تو کیا ہم ان کو مقتدائے دین کہنے لگیں۔

مولوی اسی کو کہتے ہیں جو مولیٰ والا ہو، یعنی علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو، خوفِ خدا، اخلاقِ حمیدہ بھی رکھتا ہو، صرف عربی جاننے سے آدمی مولوی نہیں ہوتا، چاہے وہ کیسا ہی ادیب ہو، عربی میں تقریر بھی کر لیتا ہو، تحریر بھی لکھتا ہو، کیوں کہ عربی داں تو ابو جہل بھی تھا، بلکہ وہ آج کل کے ادیبوں سے زیادہ عربی داں تھا، حالاں کہ اس کا نام ہی ابو جہل تھا، معلوم ہوا کہ صرف عربی داں کا نام مولویت نہیں ہے۔

عالم کہتے ہیں کہ متقی متبع سنت کو، کیوں کہ مولوی جو نسبت ہے، مولیٰ کی، یعنی مولیٰ والا، سو جب تک وہ اللہ والا ہے اسی وقت مولوی بھی ہے، لائقِ اتباع بھی ہے، اور جب اس نے رنگ بدلا اسی وقت سے وہ مولوی نہیں رہا، نہ قابلِ اتباع ہے، بلکہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ خشیت بغیر علم کے نہیں ہوتی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں علم ہوگا خشیت بھی ضرور ہوگی، محض علم سے خشیت کا ہونا ضروری نہیں، اس کے لیے تدبیرِ مستقل کی حاجت ہے۔ بعض مولوی بھی جاہل ہوتے ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بعض جاہل مولوی ہوتے ہیں، کیوں کہ مولوی اصل میں وہ ہے جو اللہ والا ہو اور اللہ والا آدمی شریعت سے اور اللہ والوں کی صحبت سے ہوتا ہے۔

عالم کی مثال آفتاب کی سی ہے، کہ اس کے طلوع ہوتے ہی نصف کرۂ زمین منور ہو جاتا ہے اور ظلمت بالکل جاتی رہتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دین دار عالم ہو، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے تابع بن جائے، اس کی صفت یہ ہو کہ " لَا يَخَافُوْنَ فِيْ اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِم " (اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے)۔

آج کل جو امت کے اندر کھوٹ پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ واعظ ومقرر حضرات اس صفت کے ساتھ تبلیغ نہیں کرتے، جو انبیاء علیہم السلام میں تھی، یہی جو اوپر آیت نقل کی گئی، عوام کے تابع ہو کر چلتے ہیں، امت میں اور معاشرہ میں جو خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں، اس موضوع پر تقریر و بیان نہیں کرتے۔ سو فیصد دعوت وتبلیغ ہونی چاہیے وہ نہیں ہو رہی ہے، الا ماشاء اللہ۔ امت کو کمزور کرنے میں ان واعظین ومقررین حضرات بھی شامل ہیں، جو کمزور اور نصف دعوت وتبلیغ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں امت کمزور ہوگئی بس اتنا کافی ہے۔ اے میرے عزیز! کمزور تو ہے، تیری سوچ کمزور پڑ گئی ہے، اسی لیے تو نے امت کی استعداد کو بھی اپنی طرح جانا۔ کیا انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ بھی اسی طرح تھی؟

حضور نبی کریم ﷺ نے تو امت کو سو فیصد دین کی دعوت وتبلیغ کی، تب جا کر وہ تین سو تیرہ کی جماعت تیار ہوئی، تو تو صرف الفاظ کا بندہ ہے، حقیقت سے تجھ کو کیا واسطہ، آج تقریر و بیان کرنا ایک رسم بن گئی ہے، عوام بھی اس کو مزے کے لیے سنتے ہیں، اخلاص ہی نہیں، اس کو حق گوئی نصیب ہی نہیں ہوتی، اس کا وعظ وتقریر خالی پوست ہے، جس میں نام کو بھی مغز نہیں محض صورت ہے۔

اے میرے عزیز و! تمہاری بدحالی مجھ کو بلواتی ہے کہ نصیحت کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

اے مولوی! تیرا وعظ محض زبان سے ہے (إلا ماشاء الله) قلب سے نہیں ہے اور صورت سے ہے معنی سے نہیں ہے۔ صحت والا قلب اس وعظ سے دور بھاگتا ہے جو زبان سے ہو اور قلب سے نہ ہو۔ پس! ایسا وعظ سننے کے وقت اس کی ایسی حالت ہوتی ہے جیسی پنجرے کے اندر پرند کی اور مسجد کے اندر منافق کی۔ صدیقین میں سے کسی کو جب صاحبِ نفاق مولویوں میں سے کسی کی مجلسِ وعظ میں شریک ہونے کا اتفاق پڑتا ہے تو اس کی ساری آرزو وہاں سے نکل آنا ہوتی ہے، اللہ والوں کے لیے ریا کارو، بدعتیوں کے لیے چہروں میں علامتیں ہوتی ہیں، جن سے وہ مکار واعظوں کو فوراً شناخت کر لیتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں اور ان کی گفتگو میں موجود ہوتی ہے، وہ صدیقین سے اس طرح بھاگتے ہیں، جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں، اخلاص پیدا کرو اور یہ اخلاص اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے، پہلے اپنے نفس کی اصلاح کراؤ، بعد میں وعظ گوئی کرو۔

مدارس میں سلوک واخلاق کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ضروری ہے

آج کل تقریباً سب ہی مدرسوں سے سلوک وتربیت کا اہتمام نکل چکا ہے، اور مدارس سے فارغ ہونے کے بعد بھی کوئی اہتمام نہیں کرتے، اس کی وجہ سے عمل اور اخلاص میں کوتاہی ہو رہی ہے، پہلے مدارس سے فارغ ہونے والے کامل شیخ بن کر نکلتے

تھے، پڑھانے والے بھی ایسے صاحبِ نسبت ہوتے تھے، آج کل جو فارغ ہوتے ہیں تھوڑا عربی سمجھ لیتا ہے تو اسی کو مدرس بنا دیتے ہیں، نہ کوئی تجربہ ہوتا ہے نہ اپنی اصلاح کروائی ہوتی ہے۔ مدرسوں سے تربیت ختم ہو چکی ہے، اسی لیے اس بے چارے کے کانوں میں کبھی تصوف وسلوک کے لفظ فارغ ہونے کے بعد پڑتے ہیں تو اعتراض پر اتر آتا ہے۔

یہ مدارس والوں کی غلطیاں ہیں، جنہوں نے شریعت اور طریقت کو الگ کر دیا، تصوف وطریقت کا علم کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ حدیثِ جبریلؑ میں جس کو احسان کہا گیا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے، اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے''۔ اس حدیث کا پہلا حصہ جس میں یہ احسان کو ایمان اور اسلام کے بعد ذکر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ عقائد اور اعمالِ ظاہری کے بعد کوئی اور چیز بھی ہے، جس کا نام حدیث میں ''احسان'' آیا ہے۔ اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ تصوف جس کو حدیث شریف میں احسان سے تعبیر کیا گیا، یہ بھی ضروری ہے، باطن کی اصلاح کے لیے اور یہ بھی شریعت کا ہی حصہ ہے، تو اس کو سیکھنے اور اصلاح کے لیے ماہر رہبر کی ضرورت پڑتی ہے، جس طرح فقہ کے ماہر کو ''فقیہ''، ''مفتی'' اور ''مجتہد'' کہتے ہیں، اسی طرح تصوف وسلوک کے ماہر کو ''صوفی''، ''مرشد'' ''شیخ'' اور عام زبان میں ''پیر'' کہتے ہیں۔ جس طرح قرآن اور سنت سے فقہی مسائل اور احکام کا اجتہاد کے ذریعہ معلوم کرنا سب کے بس کا کام نہیں، بلکہ رہنمائی کے لیے مفتی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اسی طرح باطنی اخلاق کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنا ایک نازک اور مشکل کام ہے، جس میں ذکر اذکار مجاہدہ اور طرح طرح کے نفسیاتی علاجوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور کوئی ماہر رہنمائی کے بغیر مشکل ہے۔ یہ رہنمائی کا کام ''شیخ'' و ''مرشد'' انجام دیتے ہیں، اسی لیے ہر بالغ مرد اور عورت کو اپنے اخلاق کی صفائی اور اپنی اصلاح کے لیے ایسے شیخ ومرشد کی تلاش کرنی چاہیے جو قرآن اور سنت کا پابند ہو اور اس نے

باطنی اخلاق کی تربیت کوئی مستند شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کر چکا ہو تو اس کو غنیمت جاننا چاہیے اور اپنی اصلاح کے لیے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دینا چاہیے۔

جس طرح مدرسوں میں درس نظامی میں کنز اور ہدایہ ضروری ہے، اسی طرح ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ''قوۃ القلوب'' اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ''احیاء العلوم'' اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ''عوارف'' کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ اسی تصوف اور فقہ پر عمل کا کامل نمونہ ہے، اور یہی ایمان کے بعد قرآن اور سنت کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

پس! حقیقی مدرسہ وہ ہے جس میں علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم اور نگہداشت ہو۔ پس اے مدرسہ والو! تم اپنے مدرسوں کو سنبھالو اور ان کو حقیقی مدرسہ بناؤ، طلباء کے اعمال کی بھی نگہداشت کرو، ورنہ یاد رکھو " كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ " کے قاعدہ پر آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا، کیوں کہ آپ طلباء کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعایا ہیں، پس یہ جائز نہیں کہ آپ طلباء کو سبق پڑھا کر الگ ہو جائیں، بلکہ یہ بھی دیکھتے رہو کہ ان میں سے کون علم پر عمل کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، جس کو عمل کا اہتمام ہو اسے پڑھاؤ، ورنہ مدرسہ سے باہر نکال دیا کرو، جب تو آپ کا مدرسہ واقع دار العلوم ہوگا۔

تربیت کی ضرورت

سب کو مولوی و عالم بنانا فرض نہیں ہے، جس کے اندر علم کو اٹھانے کی صلاحیت ہو، شوق ہو، اس کو پڑھانا چاہیے۔ بعض لوگ تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں، مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے، حالاں کہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے، تعلیم درسی سے تو ہر اعتبار سے اس لیے کہ درسی فرض عین نہیں۔ بہت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین علوم درسیہ سے خالی تھے، مگر ان پر کبھی اس کو لازم نہیں کیا گیا اور تربیت نفس کی اصلاح ہر شخص پر

فرض عین ہے۔ تربیت تعلیم سے اہم ہے، اس سے قطع نظر کرنے کی اور اس کو ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں۔

طلباء کے تمام افعال کی نگہداشت کرو، لباس کی بھی ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو (جو لوگ پتلون وغیرہ پہنتے ہیں) ورنہ مدرسہ سے الگ کرو، چاہے مشابہتِ تامہ ہو یا مشابہتِ ناقصہ، ان سے صاف کہہ دو اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالبِ علموں سی صورت بناؤ، ورنہ رخصت ہو جاؤ۔

عالمِ دین بھوکا نہیں رہ سکتا

عالم کو اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہونا چاہیے، اپنے علم کو دنیا داروں کے پاس میلا مت کرو، باعزت شئی کو ذلیل شئی کے عوض مت بیچو، علم تو باعزت ہے اور ذلیل وہ دنیا ہے جو ان کے ہاتھوں میں ہے، مخلوق قادر نہیں ہے کہ جو چیز تیرے مقسوم میں نہ ہو وہ تجھ کو دے دے، تیرا مقسوم تو صرف ان کے ہاتھوں جاری ہو جاتا ہے کہ دینے والا تو حق تعالیٰ ہے اور واسطہ بن گئی مخلوق۔ پس جب تو صابر بنا رہے گا تو ان کے ہاتھوں تیرا مقسوم آئے گا، تیرے معزز ہونے کی حالت میں جو خود عطا کا محتاج ہو وہ دوسرے کو عطا نہیں کر سکتا، اس لیے مخلوق سے نظر ہٹا کر حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگنا چاہیے۔ حق تعالیٰ نے اپنے ایک ارشاد میں فرمایا ہے کہ ''جس شخص کو میری یاد نے سوال کرنے سے (یعنی دعاء مانگنے سے) مشغول بنائے رکھا، تو جتنا میں سوال کرنے والوں کو دوں گا، اس سے بدرجہ بہتر اس کو دوں گا''۔ قلب کے بغیر صرف زبان کے ذکر میں نہ وقعت ہے، اصل ذکر تو قلب اور باطن کا ذکر ہے، اس کے بعد درجہ ہے زبانی ذکر کا۔

اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دل کو تیری اطاعت پر قائم رکھ اور ہمارے نور کو کامل کر۔

بعض متفرق باتیں

آج کل تصوف میں حقیقت سے نا آشنائی ہے، صرف ظاہری صورت ہی رہ گئی ہے، بہت سی ایسی حقیقت کی باتیں و اسرار لکھے جائیں تو لوگ انکار کردیں، بلکہ قریب ہے کہ اس سلسلہ کے افراد بھی انکار کردیں، کیوں کہ حقیقت سے واقف نہیں ہیں، پھر بھی کچھ باتیں بیان کی جاتی ہیں، تاکہ کسی صاحبِ استعداد کے کام آجاوے۔

جاننا چاہیے کہ اس راہ کے سالک دو حال سے خالی نہیں: یا مرید ہے یا مراد۔ اگر مراد ہے تو ان کے لیے مبارک بادی ہے، محبت و جذب کی راہ سے ان کو کھینچ کھینچ کر لے آئیں گے اور مطلب اعلیٰ تک پہنچا دیں گے، اور جو ادب ان کے لیے درکار ہوگا وسیلہ یا بلا وسیلہ ان کو سکھا دیں گے، اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے گی تو ان کو جلدی سے اس سے آگاہ کر دیں گے اور ان پر اس کا مؤاخذہ نہ کریں گے۔ اور اگر پیر ظاہر کی ان کو حاجت ہوگی تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت کی طرف ان کی رہنمائی کریں گے۔ غرض! حق تعالیٰ کی عنایتِ ازلی ان بزرگواروں کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ بسبب یا بے سبب ان کا کام بنا دیتے ہیں ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے) اور اگر مرید ہے تو کامل مکمل پیر، شیخ کے وسیلہ کے بغیر ان کا کام دشوار ہے، پیر ایسا ہونا چاہیے کہ جو جذب اور سلوک کی دولت سے مشرف ہوا ہو، اور فنا و بقاء کی سعادت سے بہرہ ور ہوا ہو اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ وغیرہ کو انجام تک پہنچایا ہو، اور اس کا جذب اس کے سلوک پر مقدم ہو، اور مرادوں کی تربیت سے تربیت یافتہ ہو تو اس کا وجود کیمیا کی طرح ہے، اس کا کلام دوا اور اس کی نظر شفاء ہے، مگر افسوس ہے کہ ایسا مکمل شیخ شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ آج کل رسمی تصوف و سلوک رہ گیا ہے، صاحبِ استعداد طالب و مرید تو ہے، مگر شیخ کبھی کبھی استعداد پہچاننے میں غلطی کھا جاتا ہے، جذب وسلوک

میں فرق نہیں کر پاتا اور ایسے صاحب ِاستعداد کی استعداد کو خراب کر دیتا ہے۔ آج کل مریدوں کی تعداد بڑھانے پر دھیان ہوتا ہے، ان کی تربیت پر دھیان نہیں ہوتا، انگریزی میں کہتے ہیں ''**Quantity**'' (کونٹیٹی) پر نظر ہوتی ہے ''**Quality**'' (کولیٹی) پر نظر نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ مرید کو اگر بھلا برا کہا تو بھاگ جائے گا۔

اے میرے عزیز! مرید اسی کو کیا جاتا ہے جسے تم جو چاہے کہہ سکتے ہو، ورنہ تم خائن ہوں گے، اس کے معاملہ میں امانت کا حق ادا نہیں کیا، وہ تیرے پاس آیا ہی اسی لیے کہ اپنی اصلاح کروائے، ورنہ اس حدیث کے تحت کے " كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ " آپ سے سوال ہوگا، کیوں کہ مرید تیری رعیت ہے۔ بیعت کرنے سے پہلے اس کی وضاحت کردیا کرو کہ بیعت کا مقصد کیا ہے؟ تصوف کا مطلب کیا ہے؟ اور بغیر استخارہ کے بیعت نہ کرو، کیوں کہ حق تعالیٰ کی مشیت کا جاننا ضروری ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دیکھا دیکھی بیعت ہوجاتے ہیں، یا کرلیتے ہیں، لیکن اس کا حصہ کسی اور شیخ کے ہاتھ پر لکھا ہوتا ہے، اور وہ اپنا وقت برباد کرتا ہے، سالک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، جب پیر، شیخ تمام کمالات و فیوض کا جامع ہوتا ہے، شیخ کا خاص فیض شیخ کی خاص استعداد کے مناسب کبھی مرید کو شیخ کی شکل وصورت میں تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی اور شیخ کی صورت نظر آئے، لیکن یہ اپنے ہی شیخ کا فیض ہوتا ہے، جو مرید کو پہنچا ہے اور وہ شیخ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس کے اوپر ظاہر ہوتا ہے۔

- وہ مرید جو شیخ کی برکت سے فنا وبقاء کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور الہام وفراست کا راستہ اس پر کھل جائے اور شیخ اس کو مسلّم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے دے، تو اس مرید کو لائق ہے کہ بعض الہامی امور میں شیخ، پیر کے برخلاف اپنے الہام کے موافق

عمل کرے، اگر چہ اس کا خلاف شیخ کے نزدیک ثابت ہو، کیوں کہ وہ مرید اس وقت تقلید سے نکل چکا ہے۔ اب تقلید اس کے حق میں خطاء ہے۔ کیا نہیں جانتے کے اصحابِ کبار رضوان اللہ تعالیٰ نے بعض امورِ اجتہادیہ اور احکامِ غیر منزلہ میں حضور ﷺ کے ساتھ خلاف کیا ہے، اور بعض اوقات حق بہ جانبِ اصحاب ظاہر ہوا ہے، جیسا کہ صاحبِ علم پر پوشیدہ نہیں ہے۔

پس! معلوم ہوا کہ مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کو شیخ کے برخلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے دور ہے، بلکہ یہی ادب ہے، ورنہ حضور ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کمالِ ادب کے ساتھ مؤدب ہوئے ہیں، اور تقلید کے سوا اور کوئی امر نہیں کیا ہے۔

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مرتبۂ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید خطاء ہے، ان کے لیے بہتری اپنی رائے کی متابعت میں ہے، نہ کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں۔

تو نے سنا ہوگا کہ ہر صفت بہت سے فکروں کے ملنے سے کامل ہوتی ہے، اگر ایک ہی فکر پر رہتی تو کچھ زیادتی حاصل نہ کرتی، وہ نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھی، آج وہ مختلف راویوں اور بہت سی نظروں اور فکروں کے ملنے سے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے، کیوں کہ بنیاد اسی نے رکھی ہے، اس لیے فضیلت اسی کے لیے ہے، کیوں کہ فضیلت متقدمین کے لیے ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ ''میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اوّل اچھا ہے یا آخر''۔

○ جاننا چاہیے کہ سلوک کی کئی قسمیں ہیں: بعض کا سلوک جذب پر مقدم ہے، بعض کا جذب سلوک پر مقدم ہے، اور بعض کو منازلِ سلوک کے قطع کرنے کے اثناء میں جذب حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کو منازلِ سلوک کا طے کرنا میسّر ہو جاتا ہے، لیکن حد جذب

تک نہیں پہنچتے ۔ جذب کا مقدم ہونا محبوبوں کے لیے ہے ، اور باقی اقسام اسی طرح محبوبوں کے سلوک سے تعلق رکھتی ہے ، جو مقاماتِ عشرہ مشہود کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنے سے مراد ہے ، اور محبوبوں کے سلوک میں مقاماتِ عشرہ کا خلاصہ حاصل ہو جاتا ہے ، ترتیب و تفصیل کے ساتھ ان کا کوئی کام نہیں ہوتا ، وحدتِ وجود اور احاطہ و معیتِ ذاتیہ کا علم جذب مقدم یا متوسط پر وابستہ ہے ، منتہیوں کے سلوک خالص اور جذب کو اس قسم کے علوم سے کچھ مناسبت نہیں ہے ، جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

○ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایۃ میں درج کرتے ہیں ، اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ وہ جذب و محبت جو منتہیوں کے نہایت میں میسّر ہوتی ہے ، اس طریق میں وہ جذب و محبت ابتداء میں پیدا ہو جاتی ہے ، مندرج ہے ، کیوں کہ منتہی کا جذب روحی ہوتا ہے ، اور مبتدی کا جذب قلبی اور چوں کہ قلب روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے ، اس لیے جذب قلبی کے ضمن میں جذب روحی بھی میسر ہو جاتا ہے ، اور اس اندراج کو اس طریق کے ساتھ خاص کرنا اگر چہ یہ مطلب تمام جذبات میں حاصل ہے ، اس سبب سے ہے کہ اس خاندان کے بزرگواروں نے اس مطلب کے حاصل ہونے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کیا ہے اور اس مطلب تک پہنچنے کے لیے ایک خاص مسلک طے کیا ہے اور دوسروں کو یہ مطلب اتفاق کے طور پر حاصل ہوتا ہے ، ، ان کے یہاں کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ مقرر نہیں ہے اور نیز ان بزرگواروں کے لیے مقامِ جذب میں شان خاص ہوتی ہے ، جو اوروں کے لیے اور سلسلوں میں نہیں ہوتی ، اگر ہوتی بھی ہے تو شاذ و نادر ہوتی ہے ، اسی واسطے ان میں سے نقشبندی سلسلہ میں سے بعض کو اس مقام میں بغیر اس بات کے کہ منازلِ سلوک کو قطع کرے ، اربابِ سلوک کے فنا و بقاء کی مانند فنا و بقاء حاصل ہو جاتا ہے ، اور مقامِ تکمیل کی سیر بھی جو مقامِ سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہے ، میسر ہو جاتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ مستعدوں کی تربیت کرتے ہیں ۔

○ اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو، جان لے کہ انسان کی پیدائش سے مقصود حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت میں لوگوں کی استعداد کے تفاوت کے اعتبار سے لوگوں کے قدم مختلف ہیں، بعض کو بعض پر فوقیت ہوتی ہے، ہر شخص نے معرفت کے بارے میں اپنے عرفان کے بقدر بات کی ہے، لیکن جس بات پر اس بلند گیروں کا اجماع ہے اور جو بات قدرے مشترک ہے اور قرب کے درجات میں ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ معروف میں فنا ہوئے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی، جب تک کوئی شخص فنا نہ ہو جائے اس کے لیے بارگاہِ الٰہی میں باریابی نہیں ہے۔ پس عقلمندوں پر لازم ہے کہ اپنے کام کے نتیجے اور موجودہ حالت میں اچھی طرح غور فرمائیں، جس کسی کو اوپر لکھی ہوئی معرفت حاصل ہے، پس اس کے لیے سعادت و بشارت ہے۔ چاہیے کہ اس حاصل کو ان امور میں صرف کرے جو حاصل نہیں ہوئے اور ہمت اس بات پر لگائے کہ اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دے اور جس شخص کے لیے معرفت کی راہ نہیں کھولی گئی اور اس دولت کی طلب اور گم شدگی کا درد بھی نہیں دیا گیا، پس اس کے لیے نہایت ہی افسوس ہے، جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ اس نے ادا نہیں کیا اور اس عالم میں اس سے جو چیز طلب کی گئی تھی، وہ اس کو بجا نہیں لایا، اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا، اسباب حاصل ہونے کے باوجود اپنی استعداد کی زمین کو بے کار چھوڑ دیا، نہایت شرمندگی ہے کہ اس قلیل فرصت میں مطلوب کو اس کی طرف سے دعوت کے باوجود اپنی آغوش میں نہ لا کر اس دعوت گاہ سے سامانِ سفر باندھ لیتا ہے، کل قیامت کے روز کس منہ سے اس کی بے نیاز بارگاہ میں آئے گا، دوری اور محرومی جہنم کے عذاب سے بھی بدتر ہے۔

○ فنا ہمارے طریقۂ نقشبندیہ کے مطابق دو طرح پر ہے: پس فنائے قلب اس کا مذکور کے ماسوا کو اس حد تک بھول جانا ہے کہ اگر وہ تکلف کے ساتھ بھی ماسوا کو یاد کرے تو اس کو یاد نہ آئے، ماسوا کے ساتھ اس کا حبی و علمی تعلق بالکل منقطع ہو جائے، اور فنائے نفس

سے مراد یہ ہے کہ نفسِ حاضر ذاتِ سالک کی پوری طرح نفی ہوجائے اور عدمِ محض کے ساتھ اس درجہ تک مل جائے کہ خود " أنا " سے تعبیر نہ کر سکے۔اس مقام میں عارف کو نہ کوئی ذکر ہوتا ہے اور نہ کوئی توجہ، کیوں کہ عارف سے کوئی اثر، نشان باقی نہیں رہا ہے، ذکر وتوجہ کس کے لیے ہوگی، اس کے بعد اگر ذکر وتوجہ وحضور ہے تو اپنے آپ سے اپنے ساتھ ہے، اس فنا سے مقصود حق تعالیٰ کے ماسوا کے ساتھ گرفتاری کا زائل ہونا ہے، خواہ وہ ماسوا آفاق ہو یا نفس ہو، اس فنا سے مقصود ایمان کا روشن ونمایاں ہونا اور احکامِ شرعیہ کا کامل طور پر مطیع ہونا اور ریا شرکِ خفی کا دور ہونا، تاکہ اخلاص پیدا ہوجائے اور اخلاص بغیر فنائے نفس کے حاصل نہیں ہوتا اور حقیقی اسلام کے ساتھ مسلمان ہونا ہے۔

پس لازم ہے کہ قابلِ قدر عمر کو ان عجیب وغریب معانی میں غور وخوض کرنے کے لیے صرف کرے اور اس فنا ہونے والی زندگی میں اس اصول کی سمجھ تک پہنچانے کی حکمت طلب کرے اور اس کی طلب میں جان کے ساتھ کوشش کرے اور جس جگہ سے بھی اس کی خوشبو دماغ میں پہنچے اس کے پیچھے ہوجائے، طالب کو چاہیے کہ طلب میں اپنے آپ کو آرام نہ دے اور ہمیشہ بے چین رہے، تصوف اضطراب (بے چینی) کا نام ہے، جب سکون آ گیا تو تصوف نہ رہا، محبّ کو محبوب کے بغیر چین نہیں ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ہمارے بزرگوں کے طریقے کا ماحصل ہے، یہ اس لیے کہ ان برگزیدہ بندوں کی حقیقت اس گفتگو کے ماوراء ہے، یہ ایک ایسا بھید ہے کہ اس کی تعبیر اس قسم کی عبارتوں سے کرنا مشکل ہے، بلکہ ناممکن ہے" جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا"۔

جاننا چاہیے کہ ان مذکورہ معانی کا ذکر و وجدان کے ذریعہ پانا اس طریقۂ عالیہ کے اکابر کی طویل صحبت وخدمت کے بغیر دشوار ہے، اس فرقت زدہ گنہگار، جو کہ ان امور کے ذکر کرنے سے کانپتا اور ڈرتا ہے، فقیر نے اگرچہ اس عالی مرتبہ گیروں کی محبت کی راہ سے

ان معانی کے ساتھ قدرے ایمان حاصل کیا ہے، لیکن چوں کہ محبت میں ناقص ہے، اس لیے ان چیزوں میں بھی جو کہ محبت سے حاصل ہوتی ہے، ناقص ہی ہونا چاہیے، کیوں کہ محبت کرنے والے کے لیے محبوب کی اطاعت کرنا لازم ہے اور جب ان اکابر کے طریقے اپنے اندر بہت کم پاتا ہے، تو اس پر متفرع ہونے والی چیز کو کامل درجہ پر کس طرح پائے گا۔

سیورِ اربع

سیور جمع ہے سیر کی۔ اربع کے معنی ہیں چار۔ پس سیور اربع کے معنی چار سیریں بزرگوں نے اس راستہ کو چار سیروں میں تقسیم کیا ہے، اور یہ چاروں سیریں علمی اور روحانی طور پر ہوتی ہے نہ کہ جسمانی۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کے مرتبے اگر چہ بے انتہاء ہے، لیکن عالمِ مثال میں کشف کی نظر سے تمام ایک دائرہ کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور سالک عالمِ مثال میں اس طرح دیکھتا ہے کہ وہ سیر کر رہا ہے، روحانی عروج ہوتا ہے۔ چاروں سیروں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

(۱) سیر الی اللہ

جاننا چاہیے کہ اگر چہ حق تعالیٰ کی حقیقی صفتِ سات یا آٹھ ہیں، چنانچہ علمائے کرام نے اس کے متعلق بحثیں کی ہیں، لیکن ان صفات کی جزئیات کی کوئی انتہاء نہیں ہے، اور حق تعالیٰ کے نام وہی ہے جو احادیث میں ذکر کئے گئے یا جو ہزار نام توریت میں مذکور ہے، اگر چہ ان ناموں کو جو شریعت سے ثابت ہیں، اس کے علاوہ حق تعالیٰ کو نہیں پکارنا چاہیے، لیکن اتنے ہی ناموں میں محصور اور محدود نہ سمجھنا چاہیے، کیوں کہ ان کی کوئی حد نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنَ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ ﴾ یعنی (اگر تمام زمین کے درخت قلم ہوجائے اور دریا سیاہی اور اسی طرح کے سات اور دریا سیاہی ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ

کے کلمات ختم نہ ہو) پس ! یہ تمام موجودات جو حق تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ظلال اور عکس اور مظہر ہیں ، حق تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی طرح بے انتہاء ہیں ، جب سالک اسماء وصفاتِ الٰہی کے ظلال سے علم اعلیٰ یعنی ان اسماء وصفاتِ الٰہی کی طرف سیر کرتا ہے تو ترقی کرتے ہوئے دائرہ ظلال میں داخل ہو جاتا ہے ، اور اپنی اصل کو پہنچ جاتا ہے ، اور رنگ میں اصلیت پاتا اور وجود میں اصل ہی دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس میں فانی اور مٹا ہوا پاتا ہے ، حتیٰ کہ اپنا کوئی اثر اور کوئی اصلیت نہیں پاتا اور صرف وجود میں اصل ہی کا مشاہدہ کرتا ہے ، پس اس دائرہ ظلال کی سیر کو اصطلاح میں **"سیرالی اللہ"** کہتے ہیں ، اور یہی دائرہ ولایتِ صغریٰ اور اولیاء کی ولایت کا دائرہ ہے ، اکثر اولیاء اسی ظلال کو دائرہ صفات یعنی ولایتِ کبریٰ اور انبیاء کی ولایت خیال کرتے ہیں ، اور اسی کو عین صفات سمجھتے ہیں اور اسی حالتِ سکر میں "أنا اللہ" کہہ بیٹھتے ہیں اور نعرہ نکل آتا ہے ، حالاں کہ حق تعالیٰ کی ذات اس سے وراء الوراء ہے ۔

اگر کوئی شخص ولایتِ صغریٰ اور ظلال کے مرتبوں میں تفصیل کے ساتھ سیر کرے تو یہ ابدالآباد تک بھی نہ ہو ، لیکن ہر شخص ان مراتب میں اتنی ہی سیر کرتا ہے ، جتنا کہ اس میں اس کا حق ہے ، اور ایک ظل سے دوسرے ظل میں بھی پہنچ جاتا ہے ، اس میں اپنے آپ کو فانی پاتا ہے اور اس کے وجود میں باقی رہ جاتا ہے ، یہاں تک کہ ممکنات کے علوم طے کر کے اور کلی طور پر ان کے فنا ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک وصول حاصل کر لیتا ہے ، اور یہ حالت وہی ہے جو فنا سے تعبیر کی گئی ہے ۔

(۲) سیر فی اللہ

اگر حق تعالیٰ کا فضل سالک کے شاملِ حال ہو جائے تو ترقی کر کے اور حضور نبی کریم ﷺ کی پیروی کی برکت سے اسماء وصفات کے دائرہ میں جو ظلال دائروں کی اصل ہے ، داخلہ میسر ہو جائے اور سالک حق تعالیٰ کی صفات اور اسماء اور شیونات اور اعتبارات

میں سیر کرتا ہے، پس وجوب کے ان مرتبوں یعنی اسماء وصفات وغیرہ میں جو حرکتِ علمیہ سیر علمی واقع ہوتی ہے، اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور یہ سیر ولایتِ کبریٰ میں جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے واقع ہوتی ہے اور دوسروں کو یہ ولایت انبیاء علیہم السلام کی تابعداری ہی سے نصیب ہوتی ہے اور اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو کہ عروج کی انتہاء کو پہنچ جائے، عالم امر کے پانچوں لطیفے اس دائرہ کی انتہاء ہے اور یہ سیر اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ جس کو کسی عبارت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے اور نہ کسی اشارہ سے بیان کر سکتے ہیں اور نہ کسی نام سے اس کو پکارا جا سکتا ہے، نہ کسی کنایہ سے ادا ہو سکتی ہے، اور نہ اس کو کوئی عالم جان سکتا ہے، الاّ یہ کہ جس کے ساتھ حق تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے، اس سیر کا نام بقاء رکھا گیا ہے، یہ سیر آفاقی اور انفسی ہے، سیر یعنی سیر الی اللہ سے منزلوں دور ہے، سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا فضول ہے، کیوں کہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے، تو اس صورت میں دائرہ امکان کا قطع کرنا ناممکن ہوگا اور اس سے ہمیشہ کی ناامیدی اور نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، نہ کبھی فنا ثابت ہوگی نہ بقا، تصور کی جا سکے گی، پھر حق تعالیٰ کا وصال اور اتصال کیسے ہوگا اور اس کا قرب وکمال کیا حاصل ہوگا۔

یہی وہ مقام ہے کہ جہاں نفس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی مقام پر شرحِ صدر ہوتا ہے اور سالک حقیقی اسلام سے مشرف ہوتا ہے اور نفسِ مطمئنہ صدارت کے تخت پر بیٹھتا ہے اور رضا کے مقام کی جانب ترقی کرتا ہے، یہ جگہ انبیاء علیہم السلام کی ولایتِ کبریٰ کی انتہاء ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ یعنی (پس وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے ایمان کی روشنی رکھتا ہے) یعنی (اسلام کی حقیقت کا اس کو یقین آ گیا) ان کمالات کے مقابلہ میں جو اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں، عالم امر سے

تعلق رکھنے والے کمالات ایسے ہیں، جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ۔ یہ سب کمالات جن کا ذکر ہو چکا ہے، حق تعالیٰ کے اسم ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کمالات جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں وہ اور ہیں، اوراس میں باطن میں سیر کرنا ولایتِ علیا میں قدم رکھنا ہے، جو فرشتوں کی ولایت اور سیر فی اللہ کا دوسرا اور اعلیٰ درجہ ہے، اور اس کا معاملہ باطن میں رکھنے کے مناسب ہے۔

اور وہ سیر جو ان کمالات سے اوپر واقع ہو وہ کمالاتِ نبوت کا شروع ہے، ان کمالات کا حاصل ہونا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کمالات مقامِ نبوت سے پیدا ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی پوری پوری پیروی کرنے والوں کو بھی ان کی پیروی کے سبب سے ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ ولایتِ علیا تک ترقیاں اصلیت کے طور پر عناصرِ ثلاثہ سوائے خاک یعنی آگ، ہوا، پانی کے نصیب ہے، لیکن کمالاتِ نبوت کا مزہ عنصرِ خاک کے نصیب ہے، اور باقی لطائفیں عالم امر وخلق اس کے تابع ہے، اور چوں کہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے، اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے سب کمالات مقام نبوت کے کمالات کے ظلال اور ان کی حقیقت کے لیے مثال کی طرح ہے، اور اِن کمالات کو اُن کمالات سے وہی نسبت ہے جو دریا کو قطرہ سے، یہاں سیر فی اللہ کی مختصر تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ ہے سیر فی اللہ۔

(۳) سیر عن اللہ باللہ

سیر فی اللہ کے تمام کرنے پر سالکین کے دو گروہ ہو جاتے ہیں:

(ا) مستہلکین؛ یعنی وہ لوگ جو ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو گئے اور جمالِ الٰہی کے مشاہدہ میں ہی رہ گئے ہیں۔

(۲) راجعین الی الدعوۃ ، ان کو واپس مقامِ قلب میں لایا جاتا ہے ، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ میرے بندوں کو اسی راستہ سے جس راستہ سے کہ تم خود آئے ہو میری طرف لاؤ ، اور مخلوق کے ساتھ میل جول رکھو ، تمہارا مشاہدہ اب بند نہ ہوگا ، کیوں کہ سالک تعلیم وتلقین اور ترغیب سے مریدوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور اس تعلیم میں حق تعالیٰ اپنا مشاہدہ اس کو دیتا رہتا ہے ، تو اس حالت میں سالکِ ہادی کا ہر فعل باعثِ مشاہدہ ہوتا ہے ، پس اس قسم کے صاحبِ دولت کو جب دنیا کی طرف لانا چاہے اور مخلوق کو اس کے وجود شریف کی برکت سے نفسانی اندھیروں سے نکالنا چاہے تو اس کو تصوف کی اصطلاح میں سیر عن اللہ باللہ کے طریقہ پر جہان کی طرف لے آتے ہیں اور اس کی توجہ تمام تر مخلوق کی طرف ہوتی ہے ، لیکن اس کو مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری نہیں ہوتی ، اگر چہ ظاہر میں وہ مبتدی کا شریکِ حال ہے ، لیکن گرفتاری اور عدمِ گرفتاری میں بڑا فرق ہے اور خلق کی طرف توجہ کرنا اس منتہی کے حق میں بے اختیاری ہے اور اس میں وہ اپنی رغبت کچھ نہیں رکھتا ، بلکہ اس توجہ میں حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے ، برخلاف متبدی کے کہ اس میں اپنی ذاتی رغبت اور حق تعالیٰ کی نارضا مندی ہے ، مبتدی مشاہدہ حق سے سراسر دور ہے ، لیکن جو پردے منتہی سے دور ہو چکے ہیں ، وہ پھر واپس نہیں ہوتے ۔ پس اس سیر میں سالک علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف اور اسفل سے اسفل کی طرف رجوع کرتا ہے ، حتی کہ واپس ممکنات کی طرف رجوع کرتا ہے ، ایسا عارف اللہ کو اللہ کے ساتھ بھلانے والا ، یعنی حق تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی طرف مشغول ہونے میں ، جس قدر حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی توجہ ہٹی ہوئی ہے ، وہ حق تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے اور باطن میں وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے ، اور اللہ کی طرف اللہ کے ساتھ رجوع کرنے والا اور ملنے والا اور نزدیک ہونے والا ہے ۔

(۴) سیر فی الاشیاء باللہ

یہ سالک کی چوتھی سیر ہے جو رجوع کے بعد اشیاء میں ہے اور سیر اول میں جو اشیاء کے علوم بالکل مٹ گئے تھے اب پھر یکے بعد دیگرے حاصل ہو جاتے ہیں اور سالک بظاہر کلی طور پر مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور اگرچہ ظاہر میں اس کے تمام افعال عوام کی طرح دنیا کی مشغولی میں گزرتے ہیں، لیکن وہ اصل میں اپنے باطن میں ذاتِ حق سے واقف ہوجاتا ہے، اور ظاہر میں بے گانوں کی طرح رہتا ہے، اور اس قسم کے طریقہ والے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ چاروں سیروں کا بیان قدرے تفصیل سے ہو چکا ہے، اب اس بیان کا خلاصہ عرض کرتے ہیں، تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آوے۔

خلاصۂ بیان

یہ راستہ چار سیروں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) **سیر الی اللہ:** اس میں سالک اپنے آپ کو اور تمام موجودات کو مٹاتا ہے اور ایک ذاتِ حق کو ثابت کرتا ہے۔ سیر کے اس دائرہ کو دائرۂ امکان (مجموعہ لطائف عالمِ خلق و امر) کہتے ہیں اور اس مقام کو مقام فنا سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس کے صاحب پر ''ولی'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(۲) اب ولایتِ صغریٰ میں وہ سیر شروع ہوتی ہے جو اولیاء اللہ کی ولایت ہے، اس سیر میں سالک اسماء و صفاتِ الٰہی کے ظلال میں سیر کرتا ہے، دائرۂ ظلال کے قطع کرنے کے بعد اسماء و صفاتِ الٰہی میں مسمّٰی کے لحاظ کے بغیر سیر کرتا ہے، جس کو ولایتِ کبریٰ یعنی انبیاء علیہم السلام کی ولایت کہتے ہیں، یہ ولایتِ کبریٰ کے نیچے کا نصف حصہ ہے، جو اسماء وصفاتِ زائدہ کو شامل ہے، پھر اس کے اوپر کے نصف دائرہ میں جو شیون واعتبارات کو شامل ہے، سیر واقع ہوتی ہے، یہ ولایت ملأ اعلیٰ یعنی فرشتوں کی ولایت

کہلاتی ہے، اور ان تینوں ولایتوں میں خاک کے سوا باقی تینوں عناصر مورودِفیض ہوتے ہیں، ان تینوں ولایتوں کے حاصل ہونے پر فنائے نفس حاصل ہوجاتی ہے، اس کے بعد محض فضلِ الٰہی سے کمالاتِ نبوت، رسالت اور اولوا العزم میں سیر واقع ہوتی ہے، جس میں عنصرِ خاک کا زیادہ حصہ ہے اور اس مقام پر پہنچ جاتا ہے، جس کے بعد عدم محض ہے، مطلوبِ حقیقی کو اس عدمِ محض سے بھی وراء الوراء تلاش کرنا چاہیے، اسی ولایتِ سہ گانہ اور نبوتِ سہ گانہ کے کمالات کی سیر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور اسی مقام کو بقاء کہتے ہیں۔

(۳) (الف) **مستہلکین**: جو ہر وقت مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں۔

(ب) **راجعین الی الدعوۃ**: ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے عالَمِ خلق کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، اس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔

(۴) راجعین کو مخلوق کی طرف لوٹا کر ان کی اصلاح میں مشغول کر دیا جاتا ہے، اور عام مخلوق کے ساتھ ان کے ظاہر کو خلط ملط کر کے احکامِ شرعیہ ان کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے جاتے ہیں، اس سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں، شرافت مستہلکین کے لیے ہے اور فضیلت راجعین کے لیے، پس سیر اوّل سیر چہارم کے مقابل ہے، اور سیر دوم سیر سوم کے مقابل ہے، پہلی اور دوسری سیر نفسِ ولایت کے حاصل ہونے کے واسطے ہے، جو فنا و بقا سے مراد ہے، اور تیسری اور چوتھی سیر مقامِ دعوت کے حاصل ہونے کے واسطے ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، اور کامل تابعداروں کو بھی ان بزرگواروں کے مقام سے حاصل ہوتی ہے، یہی لوگ صحیح معنی میں انبیاء کے وارث ہوتے ہیں، چوں کہ ان کو چنا گیا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے دعوت کے کام کے لیے، اس لیے ان کی باتوں میں وزن ہوتا ہے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِ ﴾ یعنی (کہہ دیجئے! یہ ہے میرا راستہ، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے تابعدار بصیرت پر ہے)۔

فائدہ: ہر شخص کا عروج ایک خاص مقام تک ہوتا ہے جو اس کا مبدۂ متعین ہے، اس کے بعد اس کا رجوع اسی لحاظ سے ہوتا ہے، جس قدر جس کا عروج کامل ہوگا رجوع بھی اسی قدر کامل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے اولیاء اللہ میں سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جس قدر کرامت ظہور میں آئی اتنی کسی اور اولیاء سے ظہور میں نہیں آئی، کیوں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نزول رجوع مقامِ روح تک رہا، مقامِ قلب میں نہیں لوٹایا گیا، یہی راز ہے کہ جو شیخ سے کرامت کا ظہور زیادہ ہوا۔

یہ ہے تصوف کی سیر کا خلاصہ ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ یعنی (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دیتے ہیں)۔

جاننا چاہیے کہ مبتدی کو صرف علم ہی علم ہے اور منتہی کو معرفت، اور معرفت سوائے فنا کے نہیں ہوتی اور یہ دولت فانی کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

جب تلک کوئی نہ ہو جائے فنا
تب تلک ملتا نہیں اس کو خدا

جب معرفت علم سے الگ ہے تو پھر جاننا چاہیے کہ مشہور دانش کے سوا وہ ایسا امر ہے جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔

اور جب فنا میں بھی مرتبے مختلف ہیں تو اس واسطے منتہیوں کو بھی معرفت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہوگی، یعنی جس کی فنا زیادہ کامل ہوگی، اس کی معرفت بھی زیادہ کامل ہوگی اور جس کی فنا کم ہوگی اس کی معرفت بھی کم ہوگی، علی ہذا القیاس۔

اور جب انسان اخلاص سے مامور ہے اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا اور محبت ذاتی کے بغیر میسر نہیں تو اس واسطے فنا کے مقدمات یعنی دس مقامات کو حاصل کرنا چاہیے، اگرچہ فنا حق تعالیٰ کی محض بخشش ہے، لیکن اس کے مقدمات اور مبادی کسب سے تعلق

رکھتے ہیں ۔ ہاں! بعض ایسے بھی لوگ ہیں جن کو فنا کی حقیقت سے مشرف کرتے ہیں ، بغیر اس بات کے کہ مقدمات کو حاصل کریں اور ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنی حقیقت کو مصفی کریں اور اس وقت اس کا حال دو صورت سے خالی نہیں ہے : یا اس کو نہایۃ النہایۃ میں کھڑا رکھتے ہیں ، یا ناقصوں کی تکمیل کے لیے عالم کی طرف اس کو لوٹاتے ہیں ۔

بر تقدیر اول اس کی سیر مقاماتِ مذکورہ میں واقع نہیں ہوتی اور اسمائی اور صفاتی تجلیات کی تفصیلوں سے بے خبر رہتا ہے ۔اور بر تقدیرِ دوم جب اس کو عالم کی طرف لوٹاتے ہیں تو اس کی سیر مقامات کی تفصیل پر واقع ہوتی ہے ، اور بے نہایت تجلیات سے اس کو مشرف کرتے ہیں ۔ ظاہر میں مجاہد کی صورت رکھتا ہے ، لیکن حقیقت میں کمال ذوق اور لذت میں ہے ، ظاہر ریاضت میں ہے اور باطن میں نعمت و لذت ہے ۔ پس علمائے ابرار اور صلحائے اخیار جو فنا کی حقیقت سے مشرف نہیں ہوئے ، مگر نفسِ اخلاص ان کو حاصل ہے ، اسی واسطے یہ کہا گیا ہے کہ اخلاص کی حقیقت بغیر فنا کے متصور نہیں ہوتی اور یہ نہیں کہا کہ نفسِ اخلاص بغیر فنا کے محقق نہیں ہوتا ۔

سبحان اللہ ! بات کس طرف چلی گئی ، اگر کہے تو اسی کی نسبت کہے ، اگر چہ کچھ نہیں کہہ سکتا اور اگر ڈھونڈھے تو اسی کو ڈھونڈھے ، اگر چہ کچھ نہ پائے ۔

سالکین کو وصیت

جاننا چاہیے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا ، جس میں اس گروہ (یعنی تصوف) کا کوئی نہ کوئی ایسا شیخ نہیں جسے علمِ توحید اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو ، یہی نہیں بلکہ علماء میں سے ائمۂ وقت نے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے اور انہیں باعثِ برکت سمجھا ہے ، اگر انہیں کسی قسم کی فضیلت اور خصوصیت حاصل نہ ہوتی تو معاملہ برعکس ہوتا ۔

ابوعمران فقیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہما

حکایت ہے جامع منصور میں اکابر فقہاء میں سے ایک فقیہ کا حلقہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ساتھ تھا، اس فقیہ کا نام ابوعمران تھا، جب شبلی گفتگو فرماتے تو اس فقیہ کا حلقہ منتشر ہو جاتا، ابوعمران کے شاگردوں نے شبلی کو شرمندہ کرنے کی غرض سے ان سے حیض کے متعلق سوال کیا، شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابوعمران نے بے ساختہ اٹھ کر شبلی کے سر پر بوسہ دیا اور کہا: اے ابوبکر! میں نے اس مسئلہ میں تم سے ایسے دس اقوال معلوم کئے ہیں، جنہیں میں نے کبھی نہ سنا تھا، جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس میں سے مجھے صرف تین اقوال معلوم تھے۔

عبداللہ بن سعید اور جنید رحمۃ اللہ علیہما

کسی نے عبداللہ بن سعید بن کلاب سے کہا کہ آپ ہر شخص کے کلام پر جرح کیا کرتے ہیں اور میاں جنید نامی ایک شخص ہے، کیا تم اس پر بھی اعتراض کر سکتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ عبداللہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں گئے اور ان سے توحید کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ حیران رہ گئے، اور کلام دہرانے کی درخواست کی، جنید رحمۃ اللہ علیہ نے بات دہرائی، مگر عبارت بدل کر، اس پر عبداللہ نے کہا، یہ تو کوئی اور ہی بات ہے، جو مجھے نہیں آتی، ذرا پھر دہرائیں، انہوں نے پھر عبارت بدل کر بات کو دہرایا، عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جو آپ فرما رہے ہیں مجھے یاد نہیں رہ سکتا، آپ مجھے لکھ دیجئے۔

اس پر جنید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: اگر آپ سلوک کا راستہ طے کر چکے ہو تو میں لکھ دیتا ہوں، اس پر عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر ان کی فضیلت کا اعتراف کیا، لہٰذا جب اس گروہ کے اصول صحیح ترین اصول قرار پائے اور ان کے مشائخ اکبر الناس ٹھہرے اور علماء

اعلم الناس ، تو جس شخص کا ان پر ایمان ہوگا اگر وہ اہل سلوک میں سے ہو اور صوفیائے کرام کے مقاصد کی طرف چلنا چاہے تو سب سے پہلا قدم صدق دلی ہے، تا کہ اس کے طریقے کی بنیاد صحیح اصول پر ہو، کیوں کہ جو لوگ مقصود تک پہنچنے سے محروم رہے ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بنیادی چیزوں کا خیال نہیں رکھا تھا۔

(۱) ہم اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ علمِ دین کا سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرضِ عین ہے، خواہ بذریعۂ کتاب ہو یا بذریعۂ صحبت، اور اپنے عقائد اہل سنت والجماعۃ کے مطابق بنائیں۔

(۲) طالبِ علموں اور علماء کو وصیت کرتا ہوں کہ درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں، اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظرِ عنایت پر، اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

(۳) دینی کام کرنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ چاہے کسی بھی دینی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں، ان کو اخلاص حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ اخلاص حاصل ہوتا ہے اللہ والوں کی صحبت میں اپنے آپ کو مٹانے سے، سنت اللہ یہی رہی ہے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''صدیق'' کا لقب اسی لیے ملا کہ اپنے آپ کو حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے مٹا دیا تھا، آج کل دیکھا گیا ہے کہ دینی کام کرنے والوں میں دوڑ لگی ہوئی ہے، جیسے دنیادار اپنی دکانوں کو چلانے کے لیے دوڑ لگاتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مدارس والے بھی طلباء کی تعداد کے پیچھے پڑے ہیں اور تربیت سے دور ہیں، قیامت کے دن تعداد کا سوال نہیں ہوگا، تربیت کا سوال ہوگا، مدارس کی بڑی بڑی عمارتیں بنا کر عمارتوں میں پیسہ برباد کیا جاتا ہے، عمارتیں مضبوط ہوتی جارہی ہیں، اور روحانیت ختم ہوتی جارہی ہے، اسی طرح دعوت کے کام کرنے والے بھی تعداد بڑھاتے جاتے ہیں اور روحانیت ختم ہو رہی ہے، دعوت کے کام کرنے والے حضرات کو بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ حضرات

سمجھتے ہیں کہ دین کا صرف یہی ایک کام ہے۔ اے میرے بھائی! اپنی اصلاح کی فکر کرنا اور اپنی اصلاح کروانا فرضِ عین ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی دوسری مجلس یا حلقہ لگتا ہے تو یہ حضرات کو یہ بھی ناگوار لگتا ہے، سوچتے ہیں کہ دعوت والے حضرات بھی اس میں جڑ جائیں گے یا جیسے دکاندار ہوتا ہے اس کے سامنے کوئی اور دکان کھل جاتی ہے تو وہ کیسا پریشان ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ میرے سارے گاہک اب اس دکان میں چلے جائیں گے۔

اے میرے عزیزو! جس طرح روزی تقسیم کی گئی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے، اسی طرح یہ چیزیں بھی تقسیم کردی گئی ہیں، جس کو جس مقصد کے لیے بنایا اس کے لیے اس چیز کو آسان کردیا گیا، تصوف والے کے لیے تصوف آسان کردیا گیا، یہ سوچنا کے اب تبلیغ میں کون جائے گا اور سب کو اپنی طرف کھینچنا یہ تو آپ اللہ کی طرف دعوت نہیں دیتے ہو، جماعت کی دعوت دے رہے ہو اور ایسا کرنا شرک ہے، حق تعالیٰ کی دعوت کو چھوڑ کر شخصی یا جماعتی دعوت دینا غلط ہے، حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا یہ زندگی کا مقصد ہے۔

اور اسی طرح تصوف بھی آج کل رسمی بن کر رہ گیا ہے۔ بعض حضرات مریدوں کی تعداد بڑھانے میں لگے رہتے ہیں، لیکن تربیت کی ان کو بھی کوئی فکر نہیں رہتی۔ کہتے ہیں کہ آج کل ویسے مرید نہیں جو پہلے ہوتے تھے، آج اگر کچھ کہہ دیا جائے تو بُرا مان جائے گا، یا بھاگ جائے گا۔ ارے میرے مخدوم! اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف کو رسمی طور پر چلایا جائے؟ نہیں! جس کے اندر اخلاص ہوگا اور اپنی حکومت کی پرواہ نہ ہوگی وہ ایسا نہیں سوچ سکتا، بیعت کرنے سے پہلے تصوف کے آداب اور اس کا مقصد ان کے سامنے بیان کرو اور بغیر استخارہ کے کسی کو بیعت مت کرو، آج کل کی رسمی تصوف کی وجہ سے حقیقت ختم ہوتی جارہی ہے، دین کے کسی بھی شعبے میں کام کرنے کے لیے اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ دیکھئے! کون صاحبِ ہمت ہے جو ان باتوں کو قبولیت کے کانوں سے سنتا ہے۔

(۴) ہر وہ بات جس کا حکم شیخ دے اسے اس کی ہرگز مخالفت نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ ابتداء میں سالک کے لیے شیخ کی مخالفت انتہائی نقصان دہ ہے۔

(۵) شیخ سے اپنے اسرار و حالات کو چھپا کر نہیں رکھنا چاہیے، اور اگر تو نے اپنے شیخ سے ایک سانس بھی چھپائے رکھا تو تو نے اس کے حق صحبت میں خیانت کی، اگر بالفرض تجھ سے شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات سرزد ہوگئی ہے، تو اسے فوراً شیخ کے سامنے تسلیم کر لینا چاہیے، اور پھر شیخ جس قسم کی سزا کا حکم دے تو اسے شیخ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے، شیخ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مرید کی لغزشوں کو درگزر کر دے، کیوں کہ اس میں حقوق اللہ کی حق تلفی ہوتی ہے، شیخ کو چاہیے کہ پہلے مرید کو آزما لے اور جب دل گواہی دے کہ مرید میں صحیح عزم پایا جاتا ہے، تب شیخ سالک پر یہ شرط لگا دے کہ اسے اس طریقت میں جس قسم کے بھی تقدیر کے تصرفات پیش آئیں وہ ان پر راضی ہو۔

اور شیخ سالک سے اس بات کا عہد لے کہ اسے اس راہ میں کسی قسم کی تنگی، ذلت، بیماری یا دکھ لاحق ہو، تب بھی وہ اس راہ سے نہیں ہٹے گا، اور اس کا دل تن آسانی کی طرف مائل نہ ہوگا۔

(۶) سالک کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے شیخ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ معصوم ہے، بلکہ اسے ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے اور ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے۔

(۷) اگر شیخ کا دل سالک کو قبول کرے تو یہ اس کے لیے سعادت کا باعث ہے، شیخ کے دل کا سالک کو قبول کر لینا سالک کی سعادت مندی کا بہترین ثبوت ہے، اور جسے کسی شیخ کے دل نے رد کر دیا، وہ یقیناً اس کا انجام دیکھ لے گا، خواہ کچھ مدت کے بعد ہی سہی، اور جو اپنے شیخ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے رسوا ہوا تو اس نے بدبختی کی علامت ظاہر کر دی اور اس قسم کا شخص بہرآور نہیں ہوسکتا۔

(۸) سالک کی آفات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے اندر اپنے بھائیوں کے متعلق ایک مخفی حسد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس بات سے اثر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے برادرانِ طریقت میں سے کسی ایک پر حق تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور خود اس سے محروم ہے۔

یاد رکھو! تمام امور حق تعالیٰ کی تقسیم ہے، بندہ اس قسم کے حسد سے صرف اس وقت نجات پا سکتا ہے، جب وہ ذاتِ حق پر اکتفا کرے اور حق تعالیٰ نے اگر کسی کو مقدم کیا ہے تو یہ اس کی سخاوت اور انعام کا تقاضا ہے، لہٰذا اے سالک! جب تو دیکھے کہ حق تعالیٰ نے کسی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے تو تجھے اس شخص کا حاشیہ بردار ہو جانا چاہیے، کیوں کہ حق تعالیٰ کے ارادت مندوں میں ظریف الطبع لوگوں کا یہی دستور رہا ہے۔

(۹) سالک کی شان یہ بھی ہے کہ اس کے پاس دولت نہ ہو، ضرورت کے مطابق ہو، ورنہ دولت کی تاریکی وقت کے نور کو بجھا دیتی ہے، یہ اسی سالک کے لیے ہے جو حقیقت پسند ہو، ورنہ رسمی سالک تو آج کل دنیا کی محبت چھوڑنے کو تیار نہیں، مستقبل کا فکر لگا رہتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، جب دنیا کی محبت نکلے گی نہیں تو یہ راستہ کیسے طے کرے گا۔

(۱۰) اور وصیت کرتا ہوں تجھے کہ قلیل دنیا پر قناعت کرو، رزق کے متعلق حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد رکھ کے ہر جاندار کے رزق کا اللہ ضامن ہو چکا ہے، ساری مخلوق سے نا امید بن جا، اور ان سے دل نہ لگا۔ حق بات کہہ اگر چہ تلخ ہو، ہر ایک معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کر۔

(۱۱) اے سالک! اپنی ہمت کو اپنے مولیٰ کریم کے غیر کی طرف نہ بڑھا، کیوں کہ کریم سے امیدیں تجاوز نہیں کرتیں۔

(۱۲) تو اپنے دل کو اغیار سے خالی کر، حق تعالیٰ اسے معارف و اسرار سے پُر کر دے گا۔

(۱۳) اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے ہر روز سورۂ " یٰسٓ " شریف یا تین بار " قُل ھُوَ اللّٰہُ " شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے، مگر کوئی امر خلافِ سنت، بدعت وغیرہ عوام وخواص میں سے نہ کرے۔

(۱۴) اس پرفتن دور میں اپنے آپ کو بچائے رکھے، آج کل ''ٹی وی'' کے ذریعہ اسلامی چینلیں جو چلتی ہیں، ان میں انہاک نہ ہو، عقائد کو خراب کرنے والی باتیں ہیں، وہی طریقہ اختیار کرے جو ہمارے بزرگواروں نے اختیار کیا، جو صحیح العقیدہ ہیں، ان کو ناجائز ذریعہ سے اشتہارات کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۱۵) حمد ہے اس ذات پاک کے واسطے جس نے اپنے اولیاء کی طرف وہی طریقہ رکھا جو اپنی طرف راہیابی کا طریقہ ٹھہرایا اور اپنے اولیاء تک اسی کو پہنچایا، جس کو اپنی طرف پہنچانا چاہا۔

عملیات وتعویذات

جاننا چاہیے تعویذات وعملیات میں بہت سی چیزیں شریعت کے خلاف ہو رہی ہے، اس وجہ سے مناسب سمجھا کہ اس موضوع پر بھی گفتگو ہو جائے اور حق تعالیٰ کا دستور رہا ہے کہ اکثر بزرگواروں کو کوئی نہ کوئی عمل دیا جاتا ہے، جس کے ذریعہ وہ مخلوق کو راحت پہنچا سکے، وہ عمل اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، جب وہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو وہ عمل کی برکت بھی ختم ہو جاتی ہے، الاّ یہ کہ بعض حضرات کو مخصوص فضیلت دی جاتی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے، تو ان کے دنیا سے جانے کے بعد بھی فائدہ جاری رہتا ہے۔

آج کل عملیات وتعویذات میں صحیح عقیدے کے لوگ اور علماء بھی شریعت کے خلاف کام کر گزرتے ہیں، اور ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ لوگوں کے عقائد و پیسہ برباد ہو رہا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب دنیا میں کوئی خرابی عام ہو جاتی ہے، تو حق تعالیٰ اس خرابی وظلمتوں کو دور کرنے کے لیے اس کا انتظام فرماتے ہیں، جو چیز اور ظلمت کو ختم کرنا ہوتا ہے،

اسی کا علم دیا جاتا ہے، اسی مصلحت کے تحت حق تعالیٰ نے اس فقیر کو خاص اس کا علم عطا فرمایا، تاکہ امت کے ایمان کی حفاظت ہو سکے اور یہ خرابی دنیا سے ختم ہو۔

جاننا چاہیے کہ بہت سے عامل خون سے تعویذ لکھتے ہیں، پرندوں کا خون میرے اس عزیز کو یہ نہیں پتہ کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہوتا ہے، جیسے پیشاب کا حکم ہے، اگر کوئی شخص اس طرح کی تعویذ لکھی ہوئی پہن کر نماز پڑھے گا، تو اس کی نماز نہیں ہوگی، کچھ حضرات اس طرح عمل کرواتے ہیں کہ تعویذ کو دروازے کی دہلیز میں دفن کرواتے ہیں، اگر اس میں اللہ تعالیٰ کے نام یا قرآن کی آیت وغیرہ ہوگی تو یہ بے ادبی کا باعث ہوگا، اور کچھ حضرات تعویذات میں فرعون، ہامان وغیرہ جو دشمنانِ اسلام ہیں، ان کے نام لکھتے ہیں اور یہ صحیح العقائد علماء بھی اس طرح کے تعویذات لکھتے ہیں، اے میرے بھائی! تجھے شرم نہیں آتی اس قسم کے شرکیات عمل کرنے سے، کہاں گئی تیری ایمانی غیرت؟ کیا تو نے حق تعالیٰ کو کمزور سمجھا ان کے مقابلہ میں؟ یا تو شیطان کا بندہ بنا ہوا ہے، اکثر حضرات فرشتوں کے نام بھی لکھتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مدد طلب کرنا اور پکارنا شرک ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا؟

جاننا چاہیے کہ یہ بات بھی لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھی ہے، بلکہ عاملوں کی طرف سے امت کے ایمان کو خراب کرنے کے لیے ذہنوں میں ڈالی گئی کہ ناپاک یا کالے علم، جادو کے علاج یا توڑ کے لیے کسی ایسے ہی شخص کے پاس جانا چاہیے، غیر مسلم کے پاس اس کا علاج کروانا چاہیے، یعنی کسی پر ناپاک سحر، جادو کا اثر ہے تو اس کے علاج کے لیے، ایسے ہی علم کا استعمال کرنا، یا کسی غیر مسلم کے پاس علاج کروانا چاہیے، یہ اس قسم کی سوچ اور عقیدے رکھنے والے سمجھتے ہیں، تو جاننا چاہیے اے میرے عزیز! سب سے پہلے تو ہم ایسے عقیدے رکھنے والے کو مشورہ دیں گے اپنے ایمان کی تجدید کرلے، کیوں کہ ہمارے نزدیک تو اس کا ایمان اسلام کے بارے میں یہ ہے کہ اسلام ناقص مذہب ہے، اس لیے

تو اس نے غیر مذہب کے پاس جانے کو کہتا ہے، اور اگر مولوی عالم ہے تو اپنی سند کو پھاڑ کے جلا دے۔

جاننا چاہیے کہ اسلام ایک مکمل مذہب ہے، اور ہمیں جو دین ملا ہے وہ مکمل ہے ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ یعنی (آج کے روز آپ پر دین کو مکمل کر دیا) جو نبی ہمیں ملے، جناب نبی کریم ﷺ کو پچھلے تمام انبیاء کا علم عطا کیا گیا ہے اور یہی حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ '' اذان کی آواز جہاں آتی ہے وہاں سے شیطان بھاگتا ہے'' اب میرے مخدوم بتا کہ اذان پاک ہے یا نعوذ باللہ ناپاک ہے؟ ظاہری بات ہے کہ اذان میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور نبی کریم ﷺ کی شہادت کے الفاظ ہیں، جب تیرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے اور قرآن شفاء ہے اور قرآن کے سارے الفاظ حق ہے، تو قرآن کہتا ہے: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً ﴾ یعنی (اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے) تو ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ حق کے آنے کے بعد بھی باطل ٹھہر سکے، یا تو قرآن غلط ہے یا تیرا ایمان غلط ہے، کون غلط ہو سکتا ہے؟ تو ہی اپنے گریبان میں منھ ڈال کے سوچ لے، ظاہری بات ہے کہ قرآن حق ہے، تو قرآن کے ذریعہ ان ناپاک چیزوں کا علاج کیا جائے تو کیا وہ ختم نہیں ہو سکتا؟ یہ بے چارے کیا جانے جو خود عملیات کی کتابوں سے دیکھ دیکھ کر عمل کرتے ہیں اور کتابیں بھی معتبر نہیں ہوتیں، جان لے تیرا علم تقلیدی ہے اور اس فقیر کا علم الحمد للہ تقلید سے پاک ہے۔

جاننا چاہیے کہ عملیات کا علم روحانی ہے، اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جسمانی بیماری کے لیے تو غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج معالجہ کرواتے ہیں، تو پھر اس علاج میں کیا حرج ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جسمانی بیماری کا تعلق ظاہری اعضاء کے ساتھ اور اس کا علم بھی ظاہری چیزوں سے تعلق رکھتا ہے، اس میں مذہبی منتروں کا استعمال نہیں ہوتا اور عملیات کا

تعلق روحانیت کے ساتھ ہے، اگر کسی کو سحر، جادو وغیرہ کا اثر ہوتا ہے، تو وہ انسان کی روحانیت پر اثر کرتا ہے، اسی وجہ سے اس میں مذہب کو دخل ہوتا ہے اور اس میں ایمان کا امتحان ہوتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر کوئی سحر، جادو وغیرہ کا اثر ہو اور وہ مندر میں جا کر مورتی کے سامنے اپنا سر ٹیکے گا، تو وہاں سے بھی شفاء نظر آئے گی، کیوں کہ حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: " أنا عند ظن عبد بي " یعنی (میں بندے کے گمان کے مطابق کرتا ہوں) اب اس میں عامل صاحب کا ایمان کمزور ہے اور غیر معتبر کتاب کا سہارا لیے ہوئے ہے، تو وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

اے عاملو! عملیات کرنے والوں ادھر آؤ ہم تجھے بتاتے ہیں کہ عملیات کیا ہے؟ سب سے پہلے اپنی نیتوں کو درست کرو، حرص ولالچ کو نکالو، اپنی خواہشات کو چھوڑو اور پھر تقویٰ اور شریعت کے دو بازوں کو مضبوط کرو، پھر روحانی اڑان بھرو، جتنی روحانیت قوی ہوگی اتنا اثر زیادہ ہوگا، عملیات کا تعلق تقویٰ کے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ ناپاک علم کا علاج ناپاک کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔ الحمد للہ اس فقیر نے ایسے بہت سے علاج کئے ہیں، جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کے ایمان کی کمزوری کی بنا پر کہتے ہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ قرآن جو حق ہے، اس کے ہوتے ہوئے باطل ٹھہر سکے، آزمائش ضرور ہوگی، کیوں کہ حق کی چال آہستہ رکھی ہے اور باطل تیز رفتار سے بھاگتا ہے، ہم اس کو کہتے ہیں کہ انگریزی دوائی کا اثر جلدی ہوتا ہے اور اس دوائی سے دوسرے اثر بھی پڑتے ہیں اور حکیمی دوائی دیشی، اس کا اثر دیر سے ہوتا ہے، مگر اس دوائی سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، اسی طرح شریعت کے ساتھ قرآن سے عمل کرنے سے دیر لگے گی، لیکن کوئی ایمان کا نقصان نہیں ہے۔ بعض حضرات تو صرف دنوں کے حساب سے عمل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اکیس دن کے عمل سے ٹھیک ہو جائے گا، یا تین دن کے عمل سے ٹھیک ہو جائے گا، ایسے لوگ حق تعالیٰ کے اوپر یقین نہیں رکھتے، وہ اپنے عمل پر یقین رکھ کر چلتے ہیں، جب مقرر دنوں

میں فائدہ نہیں ہوتا تو کہہ دیتے ہیں کہ اب ہمارا کام نہیں ہے۔ ان کو حق تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اس فقیر کے پاس یہاں برطانیہ میں ایک ایسا مسئلہ آیا تھا کہ ایک نوجوان لڑکے کو جس کی عمر سولہ، سترہ سال کی ہوگی، جنات کا اثر ہوگیا تھا اور وہ بھی کسی اور ملک سے، جب وہ وہاں گیا ہوا تھا، بعد میں وہ یہاں برطانیہ میں آیا تو پتہ چلا کہ کوئی خطرناک چیز نے قبضہ کیا ہوا ہے، جب وہ اس پر سوار ہوتی تو اس کو قابو کرنا مشکل ہوتا تھا، آٹھ، دس بندے کے بھی بس میں نہیں ہوتا تھا، وہ جہاں بھی عاملوں کے پاس گئے، سب نے کہا یہ ہمارا کام نہیں ہے اور کچھ عاملوں کو اس نے تکلیف بھی پہنچائی، آخر میں اس فقیر کے سامنے بات رکھی گئی، ہمیں پوری حقیقت سے واقف کیا کہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے، فلاں پیر کو بھی تکلیف پہنچائی ہے، سوچ لو۔ ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے ہمیں وہاں لے چلو، جب ہم وہاں پہنچے تو لڑکے کو بلوایا اور بٹھا کر توجہ دینا شروع کی تو وہ جنات نے کہا کہ تیری طاقت ہمیں بتا تیرے پاس کتنی طاقت ہے، جو تو میرا مقابلہ کرسکتا ہے، اس فقیر نے کہا کہ ہم یہاں طاقت آزمانے نہیں آئے اور نا ہی کوئی ہمارے پاس طاقت ہے، اگر تیرے پاس جتنی طاقت ہے وہ تو دکھا، ہمارے پاس تو صرف اللہ ہے، جس پر ہمیں ناز ہے، ہم اپنے مولائے کریم کی طاقت پر کام کرتے ہیں اور تو اپنی طاقت پر مغرور ہے، لیکن یہ طاقت تجھے کس نے عطا فرمائی؟ وہ جنات کہنے لگا کہ اس کو (یعنی اللہ کو) ہمارے درمیان میں مت لا، یہ ہم دونوں کا مسئلہ ہے، ہم نے کہا کہ ہم تو اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسی پر ہمیں فخر ہے، اور وہ جوش میں آکر کھڑا ہوا ہماری طرف بڑھنے کے لیے، وہاں جو لوگ تھے وہ گھبرائے، ہم نے کہا کچھ نہیں ہوگا، ہم باہر جا کر اس لڑکے کا انتظار کرتے ہیں، یہ صحیح ہو کر باہر آئے گا اور حق تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وہ باہر آیا صحیح سالم، یہاں یہ واقعہ سنانا مقصد نہیں، یہ بتانا مقصد ہے کہ حق تعالیٰ پر یقین رکھ کر اور اسی سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔ ہم ہر مسلمان کو کہتے ہیں کہ اس قسم کی کوئی بات جو عامل کرتا ہے کہ ناپاک علم کا

علاج ناپاک ذریعہ سے، یا غیر مسلم سے کروانا چاہیے، تو ایسے عاملوں سے پرہیز کرو، یہ تمہارے ایمان کے ڈاکو ہیں، جو شیطان کے چیلے ہیں، شریعت ہمیں جو ملی ہے وہ مکمل ہے، اگر اس قسم کی باتیں کر کے غیر مسلم کا سہارا لیتا ہے، یا غیر مسلم علم سے عمل کرتا ہے، وہ اسلام کو رسوا کرتا ہے، سمجھتے ہیں کہ اسلام میں اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

جِنّاتوں کے ذریعہ علاج

جاننا چاہیے کہ بہت سے عامل حضرات جناتوں کے ذریعہ سے علاج کرتے ہیں، جسے وہ مؤکل بھی کہتے ہیں، اس فقیر نے ایسے بہت سے عامل جو صحیح العقائد عالم بھی ہیں، وہ بھی دھوکہ کھاجاتے ہیں، ان کے پاس جو جنات ہوتے ہیں، وہ انہیں شریعت کے خلاف باتیں بتاتے ہیں، یہ بے چارے بغیر سوچے سمجھے اسے صحیح سمجھنے لگتے ہیں، اکثر اس میں ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی یہ جنات ان عاملوں کو کسی کے بارے میں یہ بتا دیتے ہیں کہ فلاں شخص کی طرف سے آپ پر جادو ہوا ہے، اور یہ بے وقوف عامل سامنے والے کو اس کا نام بتا دیتا ہے، لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ اس قسم کی بات شریعت کے خلاف ہے، اگر اسلامی حکومت میں کوئی اس قسم کا الزام لگائے تو اسے شرعی عدالت میں اس بات کو ثابت کرنا ہوگی کہ یہ جو الزام لگاتے ہو اس کو ثابت کرو، تو کیا وہاں یہ عامل گواہ کے طور پر جنات کو پیش کرے گا؟ اس قسم کی باتیں شریعت کے خلاف ہے اور خاندانوں میں جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔ لوگ بھی اسی قسم کے عاملوں کے پاس جاتے ہیں، تاکہ پتہ چلے کہ کیا ہوا ہے، بعض عامل بعض کیا آج کل یہی ہو رہا ہے کہ ایسے عامل کے پاس جا کر جن کے پاس جنات ہوتے ہیں، وہ عامل اس آنے والے حضرات کو اس کی پچھلی زندگی کے حالات بتاتے ہیں، کہ آپ کے ساتھ ایسا ہوا، یہ ہوا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں بتاتے ہیں، سننے والے حضرات حیران ہوتے ہیں کہ ہماری پچھلی باتیں سب کیسے بتادیں اور سب صحیح ہے۔

تو جاننا چاہیے کہ اس قسم کی باتیں سن کر سوچتے ہیں کہ بہت پہنچے ہوئے ہیں ۔ اے میرے بھائی! جہاں پہنچنا ہے وہاں نہیں پہنچے، اس قسم کی باتیں جو عامل جنات کے ذریعہ سے بتاتے ہیں وہ کوئی غیب کا علم نہیں ہوتا، بلکہ اس جنات کو اپنے خود کا پتہ نہیں ہوتا، وہ اس قسم کی باتیں جو ظاہر کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو انسان ان عامل کے ذریعہ سے ان کے جنات سے باتیں کرتا ہے، یا وہ عامل بتاتا ہے، وہ اس لیے کہ پوچھنے والا شخص یا مریض جو اس کے سامنے ہوتا ہے، اس کے ہمزاد کے ذریعہ پتہ لگاتے ہیں، یہ ہمزاد کیا ہے؟ اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا ساتھی ہمزاد جو شیطان میں سے ہوتا ہے، وہ سب باتیں ان عامل کے جنات کو بتاتا ہے، تب وہ یہ سب باتیں مریض کو بتاتے ہیں، اس سے سننے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے، لیکن جو چیز انسان کو نظر نہیں آتی وہ ایک دوسرے سے بات کر لیتے ہیں، یہ اس کا ہمزاد وہ عامل کے جنات کو اس کی ساری حقیقت سے واقف کر دیتا ہے، اس قسم کے حضرات صرف باتیں بتا کر آنے والے شخص کے یقین کو اپنے بارے میں قوی کرنے کے لیے بتاتا ہے۔

جاننا چاہیے جنّات جس کو مؤکل کہتے ہیں وہ بہت سی باتیں شریعت کے خلاف عمل کی بتاتے ہیں، صاحبِ علم حضرات جو علماء سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی ان کی باتوں میں پھنس جاتے ہیں، تو عوام بے چارے کیا کر سکتے ہیں؟ اس فقیر نے اس قسم کے بہت سے عاملوں سے جن کے پاس جنات ہے ملاقات کر کے ان کو سمجھایا، کچھ تو کہنے لگے آپ نے کیا کر دیا، ابھی ہمارے پاس نہیں ہے، اس قسم کے لوگ امت کے ایمان کو خراب کر رہے ہیں۔ بہت سے علماء حضرات بھی یہاں برطانیہ میں جناتوں کی باتوں میں آ کر وہ ساری باتیں صحیح سمجھنے لگتے ہیں، اس وقت ان کا علم بھی کام نہیں آتا۔ ہمیں تو سن کر ان کی زبانی تعجب ہوتا ہے۔ ایک مولانا نے تو صرف جنات کو حاصل کرنے کے لیے دس، پندرہ ہزار پاؤنڈ خرچ کر دئے، لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا، یہ سب صحیح العقائد علماء کی باتیں

کررہے ہیں ، مولانا صاحب کو بتایا گیا کہ آپ کے پاس جنات آ جائے گا ، جب وہ انتظار کرتے رہے اور بعد میں پوچھا عامل کو کہ کیا بات ہے آئے نہیں؟ تو وہ عامل کہنے لگا کہ بھیجے تھے، مگر آپ کے شہر کے جناتوں نے اسے مار کر بھگا دیا، اب یہ حال ہے علماء کا۔ ہم نے ان کو سمجھایا کہ اگر آپ اللہ کو پانے میں اتنے پیسے اور محنت کرتے تو شاید آپ جنات سے بھی کم محنت میں پا لیتے اور وہ بھی ماشاءاللہ مولانا صاحبِ خلافت ہے، تصوف میں چشتیہ سلسلہ سے ، صاحبِ نسبت اس لیے نہیں کہا کہ صاحبِ نسبت ایسا نہیں ہوتا ، آج کل تو اکثر صاحبِ خلافت ہے، صاحبِ نسبت تو مشکل نظر آتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جنات اور مؤکل کی اکثر باتوں کو سمجھنے میں عامل دھوکہ کھا جاتے ہیں، ان کی باتوں کے دو مطلب ہوتے ہیں: ایک ظاہری اور باطنی، لیکن سمجھنے میں عامل غلطی کر جاتے ہیں اور شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں، اگر عامل کی نیت صحیح ہو اور تقویٰ ہو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، جو عامل کرواتے ہیں کہ زعفران چاہیے اور یہ چیز کو فلاں جگہ جا کر دفن کردو اور یہ کردو وہ کرنا پڑے گا، یہ سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس قسم کے عامل شیطان کو خوش کرتے ہیں، کہتے ہیں جنات تابع ہے۔ اے میرے بھائی! تیری یہ حالت دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ جنات تیرے تابع ہے، بلکہ تو اس کے تابع ہو گیا ہے، اسی وجہ سے تو وہ جو کرواتے ہیں وہ کرتا ہے۔

ہمزاد کیا ہے؟

جاننا چاہیے کہ جیسے اوپر ذکر ہوا کہ ہر انسان کے ساتھ ہمزاد ہوتا ہے، قرآن میں اس کا ذکر "قرین" کے نام سے ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ قٓ میں ﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ o ﴾ یعنی (اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا کہ اے ہمارے رب! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، یہ آپ ہی راستہ سے دور بھٹکا ہوا تھا)

اسی طرح اس کے اوپر والی آیت نمبر تئیس میں بھی " قرین " کا لفظ استعمال ہوا ہے ،مگر وہاں فرشتے کے بارے میں ہوا ہے ۔" قرین " کا مطلب ساتھ رہنے والا ،جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ’’جب انسان پیدا ہوتا ہے تو ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے‘‘ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کے ساتھ اس کی ماں کے پیٹ سے شیطان بھی پیدا ہوتا ہے ، بلکہ جب ادھر ایک بچہ پیدا ہوا تو اُدھر ایک شیطان پیدا ہوتا ہے ،اور بعد میں یہ شیطان ہمزاد انسان کے ساتھ ساتھ موت تک رہتا ہے ، بہت سی احادیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے اس شیطان ہمزاد کی طرف اشارہ کیا ہے ،جیسے جماع ’’ہم بستری‘‘ کرتے وقت کی دعا اسی لیے پڑھنے کا حکم فرمایا ، اگر نہیں پڑھتا ہے تو شیطان بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے ،اسی طرح کھانے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا ، ورنہ شیطان کھانا کھا جاتا ہے ۔اسی طرح حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ :’’ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے ، وہ اس کی رگ میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے ،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ بھی ہیں ؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ہے ،مگر وہ مسلمان ہو گیا ہے اور وہ مجھے نیکی کی دعوت دیتا ہے‘‘ ۔اس قسم کی بہت سی احادیث سے ہمزاد کے بارے میں پتہ چلتا ہے ۔

جاننا چاہیے کہ اس کو ہمزاد اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے ، جب انسان پیدا ہوتا ہے ، اس کے بعد سے موت تک یہ ساتھ رہتا ہے ، اور انسان کی ہم شکل ہوتا ہے ، جو انسان جس طرح کی شکل وصورت کا ہے ، اس کا ہمزاد بھی اسی شکل و صورت کا ہوتا ہے ، جیسے ہندوستان میں اکثر گاؤں میں اور شہر میں بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں ، جو جب کوئی غیر مسلم مر جاتا ہے تو بعد میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ فلاں مر گیا ، اب وہ بھوت بن گیا ، یا یہ کہتے ہیں کہ فلاں کی روح بھٹک رہی ہے ،تو جاننا چاہیے کہ جو غیر مسلم مرتا ہے ،تو اس کی روح کو تو عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ، اور جسم کو تو وہ جلا دیتے ہیں ،

یا اس برطانیہ میں عیسائی جسم کو دفن کر دیتے ہیں، تو اب روح تو عذاب میں سے آنے سے رہی، تو یہ جو ہمزاد شیطان ہوتا ہے جو اس کا ہم شکل ہوتا ہے، اس کو حق تعالیٰ نے قیامت تک کی مہلت دے رکھی ہے، اس کو موت نہیں ہے، تو یہ اس طرح گھومتا رہتا ہے، اسی طرح عامل جس کے پاس مؤکل جنات ہوتے ہیں، وہ آنے والے کی جو مریض وغیرہ، ان کے پاس آتے ہیں، ان کے ماضی، پچھلے حالات بتاتے ہیں، وہ آنے والے کے ہمزاد اس عامل کے جنات کو بتا دیتے ہیں، پھر وہ عامل کو بتاتے ہیں، تو لوگ سن کر کہتے ہیں کہ بڑے پہنچے ہوئے ہیں، ہماری ساری باتیں بتا دی۔

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے انسان کی تخلیق میں بڑے عجائبات رکھے ہیں، انسان خود اپنے بارے میں کبھی نہیں سوچتا کہ اس کی خود کی ذات میں کیسی کیسی حکمتیں کام کر رہی ہیں، وہ سوچتا ہے کہ صرف خون گوشت کا نام انسان ہے، لیکن اس پانچ، چھ فٹ کے انسان کو چلانے کے لیے اس کے جسم میں کون کونسی چیزیں روحانی طور پر کام کر رہی ہیں، وہ نہیں جانتا، اسی لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم نے اس کے نفسوں میں نشانیاں رکھی ہیں''۔

تو یہ ہمزاد انسان کا ہم شکل ہوتا ہے، عورت کے ساتھ عورت اور مرد کے ساتھ مرد۔ عورت ہمزاد کو پَری بھی کہتے ہیں عامل حضرات، جیسے اکثر ایسا ہوتا ہے، خاص کر یہاں برطانیہ میں کہ جب انگریز لوگ جس مکان میں رہتے ہوتے ہیں، بعد میں اس میں مر گئے تو ان کا ہم شکل ہمزاد اسی طرح گھومتا رہتا ہے، جو عادتیں وہ انسان میں ہوتی ہیں وہ کرتا رہتا ہے، جب کبھی اس قسم کے مکانوں میں مسلمان رہنے آتا ہے تو اس کو ہمزاد کو تکلیف ہوتی ہے، کیوں کہ مسلمان قرآن، نماز پڑھتا ہے مکان میں، تو اس کو تکلیف ہوتی ہے، تو وہ آنے والے مسلمان کو تکلیف دینا شروع کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ بچوں کو نظر آنے لگتے ہیں۔ یہاں برطانیہ میں مکانوں کی بناوٹ اس طرح ہے کہ جب کوئی چلتا ہے تو اس کی آواز سنائی دیتی ہے، کیوں کہ لکڑی استعمال ہوتی ہے، تو کبھی کبھی مکانوں میں

آوازیں آتی ہیں چلنے کی اوپر والے منزلہ سے، تو گھر والے پریشان ہو جاتے ہیں کہ کوئی آوازیں آرہی ہیں، جنات ہے۔

ایک جگہ یہاں برطانیہ میں اس فقیر کا کسی کے مکان پر جانا ہوا تو وہ گھر والوں نے بتایا کہ ہمارے گھر میں آوازیں آتی ہیں چلنے کی، تو انہوں نے پہلے کسی عامل کو بلایا ہوگا، تو اس نے کہا کہ جنات ہے اور نکالنے کے لیے پانچ سو پاؤنڈ دینے ہوں گے، ہمیں سن کر بڑا تعجب ہوا اور ہم نے کہا اس عامل کو ہمارے سامنے لائیں، لیکن وہ نہیں ملا، ہم نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے یہ تو ہر انسان کے ساتھ اپنی جو چیز ہوتی ہے، جسے ہمزاد کہتے ہیں اس کے اس طرح چلنے سے آوازیں آتی ہیں اور کچھ نہیں، پانی پڑھ کر دیا کہ اسے گھر میں چھڑک دے، الحمد للہ ختم ہوگیا۔

جب انسان اپنے گھروں میں ہوتے ہیں، یا سوئے ہوتے ہیں تو یہ اپنی ہی چیزیں ہمزاد گھروں میں گھومتے ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات میں برتنوں کو کھلا نہ چھوڑو، پانی وغیرہ اس کو ڈھانک کر رکھیں، وہ اسی لیے کہ یہ چیزیں گھومتی رہتی ہے، جیسا مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے، یہ نکلنے شروع ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ بہت سے عامل بعض مرتبہ کسی کو کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ جنات کا اثر ہے، ایک پاک ہے اور ایک ناپاک ہے۔ جب ہم یہ بات سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس عامل کو کہو کہ تیرے ساتھ بھی ایک پاک اور ایک ناپاک ہے، وہ اس طرح کہ ہر انسان کے ساتھ حق تعالیٰ نے دو چیزیں رکھی ہیں: ایک فرشتہ اور ایک یہ ہمزاد، لیکن ہم اس کو تفصیل سے لوگوں کو سمجھاتے ہیں، اور وہ عامل اس طرح کی باتیں بتا کر ڈرا دیتا ہے اور لوگ فکرمند ہو جاتے ہیں، اور عامل اپنا جیب بھر لیتا ہے، یہ ہمزاد حق تعالیٰ نے انسان کے امتحان کے لیے رکھا ہے، اس فقیر نے اسی کتاب میں پیچھے خواطر کا جو ذکر کیا ہے، وہ اسی کے متعلق ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے شیطان انسان کا دشمن ہے اور وہ حق تعالیٰ اور انسان کے خلاف ہی رہا ہے، یہ تو حق تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے ہر انسان کی حفاظت کے لیے ہر انسان کے ساتھ سات یا آٹھ فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، ورنہ یہ شیطان انسان کو ختم کر دے، جس طرح اکثر جو لوگ خودکشی کرتے ہیں وہ اسی کا حصہ ہے کہ یہ شیطان انسان کو وساوس میں ڈال کر گمراہ کرتا ہے، اسے اُکساتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ختم کر دے، تاکہ یہ ہمزاد اس سے آزاد ہو جائے، کیوں کہ اس کو موت نہیں ہے قیامت تک، وعدہ کیا گیا ہے۔ اکثر جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی غیر مسلم کی موت اکسیڈنٹ میں ہو جاتی ہے، خاص کر یہاں برطانیہ میں دیکھا گیا ہے، تو انسان مرجاتا ہے، جسم تو جلا دیا جاتا ہے یا دفن کر دیا جاتا ہے، روح اپنی جگہ پہنچ جاتی ہے، مگر ہمزاد وہ وہیں جہاں اکسیڈنٹ ہوتا ہے رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جس طرح اس کی موت ہوئی ہے، دوسرے لوگوں بھی وہ اسی طرح مارنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جس کی تقدیر میں اس کے ہاتھ موت نہیں لکھی ہوتی وہ بچ جاتا ہے، اسی طرح سے وہ راستہ یا مقام کی شہرت ہو جاتی ہے کہ یہاں جنات ہے اور اتنے اتنے اکسیڈنٹ ہوئے ہیں۔ اگر مسلمان دھیان کرے تو پتہ چلے، بلکہ علماء کی بھی توجہ اس طرف نہیں جاتی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہر موقع کی جو دعاء بتائی اور اس میں پناہ چاہی گئی اس کی وجہ یہ ہی ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت جتنی آتی جاتی ہے، اتنا ہی وہ حق تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، جیسے دنیا والوں کی سوچ کے مطابق جو ملک جتنا طاقتور ہوتا ہے، تو دوسرے ملک اس کی پناہ میں آنے کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں اور ساتھ ساتھ ڈرتے بھی رہتے ہیں، کیوں کہ اِس نے اُس ملک کی طاقت کو پہچانا ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان حق تعالیٰ کو اتنا بھی نہیں پہچانتا جتنا ایک ملک دوسرے ملک کو پہچانتا ہے، جب انسان دعاء جو جس موقع کے لیے نبی کریم ﷺ نے بتلائی ہے پڑھ لیتا ہے، تو حق تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے، آج مسلمان غفلت میں پڑ گیا ہے، اس کے پاس اتنا بھی

وقت نہیں کہ وہ کوئی وظائف پڑھے، آج تو مادّیت کا دور ہے، عامل حضرات نے بھی نیا طریقہ اپنایا ہے، اب وہ بھی تعویذ کو ہاتھ سے نہیں لکھتے، بلکہ مشین سے نقل کر کے دیتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ کچھ بزرگواروں کو ان کے عمل میں خاص چیزیں عطاء کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ سے اس کی تاثیر نظر آتی ہے، اصل میں وہ ان کے تقوی کا اثر بھی ہوتا ہے، جیسے پہلے بزرگواروں نے لوگوں کو جو تعویذات دیتے تھے وہ صرف حق تعالیٰ کے نام ہوتے تھے، یا قرآن کی آیتیں ہوتی تھیں، وہ کسی کو لکھ کر دیتے تو اس کا اثر بھی ظاہر ہوتا تھا، اب ان کے دنیا کے جانے کے بعد بعض حضرات ان کی لکھی ہوئی تعویذات کو مشین کے ذریعہ نقل کر کے دینے لگ جاتے ہیں، اس کو مثال سے سمجھیں، جیسے کوئی دوائی ایجاد کرنے والا کسی بیماری کی دوائی ایجاد کرتا ہے، بعد میں وہ بازار میں بکنے لگتی ہے، ایجاد کرنے والا مر جاتا ہے، لیکن اس کی ایجاد کی ہوئی دوائی کوئی نہ کوئی بنا کر بیچتا رہتا ہے، اس میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ سالوں بعد کچھ اور اضافہ یا تبدیلی کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ پہلے سے بہتر اور جلدی اثر کرنے والی چیزیں شامل کر دی گئی ہیں، یا کہ وہ دوائی ہی بنانا بند ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اب وہ کام نہیں کر رہی ہے، اس کے مقابل اور کوئی دوا آ گئی ہے، لیکن تعویذات میں بھی لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ کسی کے پاس عملیات کی کتاب آ جاتی ہے، تو وہ اسی میں سے دیکھ کر تعویذ لکھنا یا اس کی مشین سے نقل کر کے دینے لگ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو عامل سمجھنے لگتے ہیں، لیکن اس قسم کی تعویذات سے بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہوتا، یا کبھی صحیح العقائد بزرگوں کے آزمائے ہوئے عمل کو استعمال کرتے ہیں، لیکن جس کا یہ عمل ہے وہ اب دنیا میں نہیں ہے، وہ موجود ہے، لیکن اس نے اس کو تلقین نہیں کیا ہے، کسی اور سے سن کر عمل کر رہا ہے، تو ان حالتوں میں اس عمل کا فائدہ نظر نہیں آئے گا، کیوں کہ وہ عمل کا تعلق اسی بزرگ سے وابستہ ہے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کی شریعت الگ تھی، بعد میں ان کے جانے کے بعد حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو عیسیٰ

علیہ السلام کی شریعت ختم ہوگئی ۔اب حضور ﷺ کی لائی ہوئی شریعت قیامت تک رہے گی ،اسی طرح کبھی بزرگوں کے جو کوئی عمل میں تاثیر رکھی جاتی ہے ،تو وہ اس بزرگ تک ہی وابستہ رہتی ہے،ان کے جانے کے بعد اس عمل کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے،الاّ ماشاء اللہ کے کچھ اللہ والوں کا عمل اور وظائف کا اثر ماشاء اللہ ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، کیوں کہ اس قسم کے عمل کا تعلق تقوی اور ایمان کے ساتھ ہوتا ہے ۔

ایک جگہ کسی مریض نے جس کو ہمزاد کا مسئلہ تھا،اس نے سوال کیا ہم سے کہ آپ کا دیا ہوا پانی پینے سے ذائقہ بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا ،ہم نے اسے کہا دو گلاس میں پانی لاؤ، وہ لے آئے ،ہم نے کہا اب آپ اس میں آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھ کر دم کریں ،ایک گلاس میں اور دوسرے میں ہم دم کرتے ہیں ،اس کے بعد کہا کہ یہ دونوں گلاس سے پانی پی کر بتاؤ کہ کونسا پانی کیسا ہے؟ اس نے جو خود دم کیا تھا وہ پیا اور کہا جیسا پانی اصل ذائقہ ہوتا ہے ویسا ہی ہے، ہم نے کہا اب یہ پیو جو ہم نے دم کیا ہے، وہ پیا ایک گھونٹ اور کہا کہ کڑوا لگتا ہے ۔

عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بزرگوں کو ان کے کچھ عمل میں تاثیر رکھ دی جاتی ہے ،لیکن اس کو لوگ سمجھتے نہیں ۔تعویذات دینے میں بھی بڑی بے پرواہیاں ہو رہی ہیں ،اس سے امت میں اعمال کی لائن سے کمزوری پیدا ہو رہی ہیں ۔ہم کہتے ہیں کہ جب صحابۂ کرام رضوان اللہ کو کوئی مشکلات پیش آتی تھیں ،تو وہ جناب نبی کریم ﷺ کے پاس جا کر اپنے حالات بتاتے اور اپنے مسئلہ کو نبی کے سامنے پیش کرتے تو کیا نبی کریم ﷺ نے آنے والے صحابہ کو تعویذ لکھ کر دیتے تھے، یا کوئی عمل بتاتے ؟ بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کو خود سحر، جادو کا اثر ہوا تھا،تو کیا حق تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعہ یہ بتایا کہ جا کر نبی کو کہو فلاں تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالو اور یہ تعویذ کو جلانا ہے، یا یہ کہا کہ کالی مرغی یا کالا بکرا صدقہ کرو، کیا بتایا؟

اے عاملو، عملیات کرنے والو! ہم تجھ سے پوچھتے ہیں بتا تو صحیح کہ جب میرے محبوب ﷺ پر سحر، جادو کا اثر ہوا تو کونسا تعویذ استعمال کیا؟ ہم تجھے بتاتے ہیں اس وقت آخری دو سورتیں سورۂ ''فلق'' اور سورۂ '' ناس'' نازل کی گئیں، ان دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں نازل کی گئیں، اس وقت کوئی تعویذ نہیں جلایا گیا۔ اے مولوی! جو لوگوں کو مٹکیاں دفن کرنے کو کہتا ہے، کسی کو ندیوں میں پھنکواتے ہیں، کسی کے پاس مرچی اور لیمبو جلواتے ہیں، ذرا سوچا بھی تو نے مرچی، لیمو جیسی چیزیں جو حق تعالیٰ نے کھانے کے لیے پیدا کی اور تو ان نعمتوں کو ضائع کرواتا ہے۔ کیوں امت کے ایمان کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہو، پہلے تو اپنے ایمان و یقین کو حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح کرلے، پھر اپنے اندر روحانیت پیدا کر، تو تجھے ان چیزوں کا سہارا نہیں لینا پڑے گا، جو تو ہندوانہ کرتا ہے۔

حق تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں'' اے میرے بندے! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو میں چاہتا ہوں، تو تو اپنی چاہت کو میری چاہت کے تابع کردے، تو پھر وہی ہوگا جو تو چاہتا ہے''۔

سبحان اللہ! بات کہاں سے کہاں چلی گئی، کڑوی ضرور ہے، لیکن ہم تو قاصد ہیں، قاصد کا کام ہے بات کو پہنچا دینا اور بیماری جس قسم کی ہے تو دوا بھی کڑوی ہی استعمال ہوتی ہے، جب خون میں خرابی ہوجاتی ہے تو کڑوی صافی کا استعمال ہوتا ہے، اوپر ذکر ہوا سورۂ ''فلق'' اور سورۂ '' ناس'' کے معنی پر غور کرنا چاہیے، اس میں حق تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے، ہر چیز کے شر سے۔ ہر چیز کا حقیقی مالک اور بادشاہ کون ہے؟ شیطان بھی تو حق تعالیٰ کی مخلوق ہے، لیکن تجھے حق تعالیٰ سے کیا واسطہ؟ تو تو اپنے رب کو پہچانتا ہی نہیں، کتنے ایسے نمازی تہجد گذار، سبحان اللہ، الحمد للہ پڑھنے والے پابندی سے پڑھتے رہتے ہیں، لیکن ان کو حق تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اس فقیر نے تو ایسے بھی دیکھے ہیں، جن کو لوگ صاحبِ نسبت سمجھتے ہیں، ان کو کوئی نسبت نہیں ہوتی حق تعالیٰ سے۔ پتہ

نہیں یہ کس چیز کو نسبت سمجھے ہوئے ہیں، ہاں ! یہ ضرور ہے کہ مال، دولت سے نسبت بڑی قوی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان کو صحیح سمجھ عطاء فرماوے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں، جو ہمزاد کے متعلق ہے۔

جاننا چاہیے کہ بہت سے لوگوں کو اس کی تکلیف ہوتی ہے، جب یہ ہمزاد باہر یعنی انسان کی ظاہری جسم پر آجاتا ہے، تو انسان کا برتاؤ بدل جاتا ہے، اس میں ہر ایک کا مختلف برتاؤ ہوتا ہے، کبھی کوئی بچوں جیسی حرکتیں کرتا ہے، کوئی خاموش رہتا ہے، کسی کو نہ چاہتے ہوئے بھی رونا آتا ہے، اور کبھی چلانا زور زور سے ہوتا ہے، اس قسم کی حالت میں عامل حضرات پہچاننے میں غلطی کرتے ہیں اور وہ مریض کی ایسی حالت دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ اس کو جنات کا اثر ہے اور مریض کے گھر والے پریشان ہوجاتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو حکیم ڈاکٹر بیماری کو پہلے پہچانتے ہیں، بعد میں اس کا علاج کرتے ہیں، اسی طرح عملیات میں بھی یہ ضروری ہے کہ پہلے پہچانے کہ کیا مرض ہے؟ بعد میں علاج کرے، لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر عامل دھوکہ کھاجاتے ہیں تشخیص کرنے میں، جس کو ہمزاد کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اس کو بائیں ہاتھ پر درد بھاری رہتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب کسی پر سحر، جادو کا اثر ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے ہمزاد متاثر ہوتا ہے، یہ سب روحانی مسئلے ہیں، جس طرح بیماری سے انسان کا ظاہری جسم متاثر ہوتا ہے، اسی طرح سے سحر، جادو وغیرہ سے انسان کی روحانیت متاثر ہوتی ہے۔ اس قسم کے مریضوں کا علاج روحانیت سے ہوتا ہے، ہم اس کو تسبیحات پڑھنے کو بتاتے ہیں، تاکہ اس کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ قوی ہو جائے اور تعویذات سے یہ ہوتا ہے کہ اس کا یقین اسی میں اٹک جاتا ہے، اور وہ عمل سے دور ہوتا جاتا ہے، سمجھتا ہے تعویذ حفاظت کررہی ہے۔ ہمیں تعویذات دینے سے منع کیا گیا ہے، بتایا گیا ہے کہ اس کے بندوں کو اس کے

ساتھ جوڑنے کا حکم ہے، نہ کہ تعویذات میں الجھانے کا جس کی وجہ سے لوگوں کا ایمان خراب ہو رہا ہے، لوگ حق تعالیٰ سے دور ہو رہے ہیں، ہمیں اس قسم کے کافی لوگ ملے۔ ایک نوجوان لڑکے سے پوچھا کہ نماز پڑھتے ہو؟ نماز کی پابندی کرو، اس نے کہا کس کے لیے نماز پڑھیں، سب کام تو مولویوں کے ہاتھوں میں ہیں، کوئی تعویذ سے جادو کرواتا ہے، تو دوسرا اس کا علاج کرتا ہے تعویذوں سے، ہم نے اس نوجوان کو دو گھنٹے سمجھایا، ساری باتیں تفصیل سے سمجھائی، ہم نے کہا یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، جو تمہیں نظر آ رہا ہے، وہ سب دھوکہ ہے، حق تعالیٰ نے باطل چیزوں کو آزادی دے رکھی ہے، اور سوچنا چاہیے کہ جب مجھ پر یہ تکلیف آئی تو میرا اللہ مجھ سے کیا چاہتا ہے، سحر، جادو کا اثر حق تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جب تجھے اس کا اثر ہو ہی گیا تو تیرا رب تجھے یاد کر رہا ہے، تیرا امتحان لے رہا ہے کہ اب یہ میرا بندہ کہاں بھاگتا ہے، کیا میری طرف رجوع کرتا ہے؟ یا کہیں پناہ تلاش کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس قسم کے لوگوں کی پوری زندگی تعویذات اور عاملوں کے چکّر میں ختم ہو جاتی ہے، ہم نے کہا کہ قرآن کی ''سورۂ قیامہ'' کی اس آیت پر غور تو کرو کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ ﴾ یعنی (دیکھو! جب جان گلے تک پہنچ جائے اور لوگ کہنے لگے (اس وقت) کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے) اس آیت پر غور کرو کہ یہاں حق تعالیٰ نے جھاڑ پھونک کا کیوں ذکر کیا؟ کسی اور چیز کا بھی ذکر کر سکتے، جیسے طبیب، حکیم یا عالم، لیکن جھاڑ، پھونک کا ذکر کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسے بھی بندے ہوں گے، جنہوں نے جھاڑ پھونک اور تعویذات کو ہی اپنا مقصد بنا لیا ہوگا، سر میں درد ہوگا تو بھی تعویذ لینے بھاگے گا، گھر میں برتن گرے گا تو بھی تعویذ کے پیچھے دوڑے گا، تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب بلاؤ تیرے جھاڑ، پھونک کرنے والے کو اور وہ تجھے بچا لے، کیوں کہ تو نے تو اپنے رب کو پہچانا نہیں، تو اس کی طاقت کو نہیں جانتا، اگر پکڑنے پر آئے تو اس کے جیسا پکڑنے والا

کوئی نہیں اور اگر رحم کرنے پر آئے تو اس کے جیسا رحم کرنے والا کوئی نہیں ، اور اگر دینے پر آئے تو اس کے جیسا دینے والا کوئی نہیں ۔تو نے تو صرف عامل کو پہچانا ہے، میرے اللہ کو نہیں پہنچانا ، اس طرح سے اس کو سمجھایا، الحمد للہ بات اس کی سمجھ میں آئی اور وہ کہنے لگا کہ آپ نے تو میرا ایمان مضبوط کر دیا اور وہ نماز پڑھنے لگا۔

عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ بندوں کو حق تعالیٰ کے ساتھ جوڑنا ہے، یہ نہیں کہ ان کو تعویذوں میں الجھا کے رکھ دو، اور ان کے ایمان سے کھلواڑ کرو۔کل قیامت کے دن کیا جواب ہوگا تیرے پاس؟ فانی دنیا کے چند روپیوں کے خاطر خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہو۔

یہ دنیا اہل دنیا کو بسی معلوم ہوتی ہے
مگر نظر والوں کو یہ اُجڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے
ہم رونا اپنا روتے ہیں تو وہ ہنس ہنس کے سنتے ہیں
انہیں دل کی لگی دل لگی معلوم ہوتی ہے

جب ہم یہاں برطانیہ انگلینڈ میں آئے تو سوچ رہے تھے کہ یہاں کے پیدا ہونے والے انسان اور خاص کر مسلمانوں کو دیکھ کر کہ ہندوستان ، پاکستان کے اندر پیدا ہونے والے اور یہاں کے پیدا ہونے والوں میں اتنا فرق کیوں ہے؟ زمین ،آسمان کا فرق؟ تو ہم سوچتے تھے کہ یہاں برطانیہ کے پیدا ہونے والے کو چیر کر دیکھوں کہ ایسی کونسی چیز ان کے اندر ہے جو اتنا فرق ہے، تو سوال ہمیشہ ذہن میں رہتا ،لیکن بعد میں حق تعالیٰ نے اس مسئلہ کو منکشف کر دیا کے ہندوستان ، پاکستان میں جس قسم کا ماحول ہے (اب تو وہاں بھی اللہ خیر کرے) تو وہاں کے مطابق لوگوں کے ساتھ یہ ہمزاد لگایا گیا ہے، اور یہاں برطانیہ میں جو ماحول ہے، اس کے مطابق ہمزاد لگائے گئے ،تا کہ اس کے مطابق انسان کا امتحان ہو۔یہاں برطانیہ میں جس طرح کا ماحول ہے اس کے مطابق قوی چیزیں رکھی گئی ہیں، جیسے اس کی مثال اکثر ہم دیتے ہیں کہ بچے جو گاڑی ،موٹر والی گیم (Game)

کھیلتے ہیں تو اس میں ایک گاڑی، موٹر پہلے سے اس طرح رکھی ہوتی ہے کہ جب بچہ اپنی پسند کی ہوئی موٹر چلاتا ہے تو دوسری گاڑی، موٹر آکر ٹکر مارنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن وہ بچہ ان سب سے بچا کر موٹر کو اپنی منزل تک پہنچاتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ جیت گیا اور اس کو نمبر ملتے ہیں (پوئنٹ)۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی انسان کے ساتھ اپنا نفس رکھا ہے وہ اس کو اِدھر، اُدھر لے جانے کی کوشش کرتا ہے، غلط خواہشات کی طرف تو اگر اس کو قابو کر کے انسان اپنی منزل تک پہنچ گیا تو کامیاب ہے۔ حق تعالیٰ نے دنیا کو امتحان کی جگہ بنایا ہے، یہ چیز ساتھ لگادی اور کہا اس کو صحیح کر کے لے کر آ ؤ میرے پاس ﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا o ﴾ یعنی (تحقیق کہ کامیاب ہو گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک رکھا، اور جس نے اسے خاک میں ملایا، وہ خسارہ میں رہا) تو یہ انسان کا امتحان رکھا گیا ہے۔

خلاصہ:

ہم ہر اس مسلمان سے مخاطب ہیں کہ جس پر سحر، جادو کا اثر ہوتا ہے، یا کوئی اور پریشانی آتی ہے تو ان کو سوچنا چاہیے کہ سحر، جادو کا اثر حق تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا، ہم ایسے مسلمان کو کہتے ہیں کہ تم پر یہ سحر، جادو کا اثر جو ہوا ہے وہ تمہارا امتحان ہے اور حق تعالیٰ تم سے کچھ چاہ رہے ہیں کہ یہ میرا بندہ کہاں بھاگتا ہے، میری طرف رجوع بھی کرتا ہے یا نہیں؟ اور جس کے ہاتھوں یا جس نے سحر، جادو کروایا ہے سمجھو اس کی آخرت برباد کرنے کا ارادہ ہو چکا ہے، اگر موت سے پہلے توبہ کر لی تو ٹھیک ہے، ورنہ آخرت برباد ہوگئی، تو یہ جاننے کی فکر نہ کرے کہ کس نے سحر، جادو کیا ہے؟ بس معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور علاج وغیرہ کرائے تو شریعت کی حد میں رہ کر، نہ ایسے لوگوں سے جو ہندوانہ کام کرواتے ہیں کہ یہ چیز کو دفن کر دو اور وہ چیز دریا میں بہا دو اور فلاں جانور کا چمڑا

چاہیے اور یہ چیزیں جلا دو، اس قسم کی باتوں سے عملیات کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی چیزیں کہاں سے ایجاد کی گئی، یہ سب ہندوانہ طریقہ ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ جیسے پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ کالا جادو یا ناپاک جادو کا علاج ناپاک ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے یہ تو اسلام کو بدنام کرنے والی باتے ہیں، اس قسم کی باتیں کرنے والا عامل وہ ''نیم حکیم خطرۂ جان'' والا معاملہ ہے۔ حقیقت سے دور ہے، وہ صرف کتابیں دیکھ کر وہ بھی ایسی کتابیں جو شرعی اعتبار سے معتبر ہی نہیں ہیں، ان میں دیکھ کر علاج کرتے ہیں، اور یہ جو بعض مفتی حضرات نے اس کی اجازت کچھ شرطوں کے ساتھ دے رکھی ہے، وہ اصل میں اس چیز کی حقیقتوں سے واقف نہیں ہیں، جیسے بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جو طبّی لائن کے ہوتے ہیں تو مفتیان کرام کہتے ہیں کہ اگر کوئی دین دار حکیم اس کام کا حکم دے تو ایسا آپریشن کر سکتے ہیں، اس قسم کے مسائل میں دارو مدار حکیم یا دین دار ڈاکٹر پر ہوتا ہے۔ اسی طرح عملیات کے معاملے بھی مفتی حضرات نے ہندو، غیر مسلم کے پاس کچھ شرطوں کے مطابق جائز کہا ہے، وہاں ان کی اجتہادی غلطی ہوئی ہے، کیوں کہ مفتی حضرات کو اس عملیات کے معاملہ میں جو تحقیقی باتیں ملی ہوں گی، اس پر جائز کا فتویٰ دے دیا گیا ہے، لیکن ان حضرات نے بھی نہیں سوچا کہ اسلام ایک مکمل دین ہے اور یہ عملیات کا تعلق بھی دین کے ساتھ ہے، روحانیت کے ساتھ ہے، ناپاک سحر، جادو کا علاج قرآن سے کیا جائے، تقوی اور روحانیت سے کیا جائے، نہ کہ غیر مسلم کے ذریعہ، یا آج کل تو مسلمان عامل بھی ایسا علم استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناپاک کا توڑ ناپاک ہی سے ہوگا، یہ سراسر اسلام کی توہین ہے۔ عملیات میں زیادہ تر دخل شیطان کا ہوتا ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے، اس قسم کے عامل جو ایمان کے ڈاکو ہیں، آپ کے ایمان اور یقین کو کمزور کر دیتے ہیں، بہت سے حضرات فال کھولتے ہیں یا کھلواتے ہیں، یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ حضور نبی

کریم ﷺ نے ایسی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔فرمایا: ''جو نجومی کے پاس جائے یا فال کھلوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ یہ کھلی وعید کے بعد بھی ایسے کام کرکے اپنے آپ کو عاشقِ رسول سمجھتا ہے، اس کو ذرا بھی احساس ہی نہیں۔

ہاتھ بزور ہے، الحاد سے دل خوگر ہے
امتی باعثِ رسوائیٔ پیغمبر ہے

کون کونسی بات پر رویا جائے، کہنے کوتو بہت کچھ ہے، حق تعالیٰ امت کو صحیح سمجھ عطاء فرمائے۔

بات اس لیے تھوڑی کہی اے میرے دوست!
کہ سن سن کر دل آزردہ نہ ہو جائے تیرا

اب ہم یہاں بات کو ختم کرتے ہیں ان شاء اللہ آگے خلاصۂ طریقت بیان ہوگا، اس کے بعد کچھ عزیزوں کی فرمائش ہے کہ مکتوبات کو بھی شامل کرلیا جائے تو تصوف کے متعلق جو مکتوبات لکھے گئے ہیں ان شاء اللہ انہیں بھی شاملِ کتاب کرلیے جائیں گے۔

خلاصۂ طریقت

بندہ کو لازم ہے کہ اپنے نفس کی عبودیت اور اس کی محافظت اور مراقبہ حضوری کا پوری حفاظت کے ساتھ لحاظ رکھے اور ایک ساعت بھی کاہلی وغفلت نہ کرے کہ محافظت اورنگہداشت رکھنا تو بندے کا کام ہے اوراس کے اختیار کے متعلق ہے اورتوفیق دینا فضلِ خداوندی کے ہاتھ میں ہے اور یہ توفیقِ ہدایت رغبت و بشاشت کے ساتھ عبودیت اختیار کرنے اور مطیع بن جانے پر موقوف ہے۔ فضل خداوندی اہل ہمت ہی پر ہوتا ہے۔

الغرض! نفس کومنور بنانا اورتزکیہ کے لیے بندہ بننا اورحکم کا فرما بردار ہو جانا اوراس غلامی و خدمت گزاری کو بشاشت رکھنا بڑی ضروری شرط ہے، بلکہ اپنی غلامی پر فخر کرے اور بندگی کو اپنی عزت سمجھے۔

یا اللہ! ہم کونصیب فرما اپنی محبت اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت کی ساری باتیں، محبت ہی کی شاخیں اورمحبت تیری توفیق کے بغیر محال ہے۔

جامۂ عشق جو پہن لیتا ہے
ہر خار کو وہ پھول بنا لیتا ہے
دنیا کو جھکا لیتا ہے
کرتا ہے دنیا کو محبت کا شکار
عشق کے رنگ میں رنگ جاؤ میرے یار

پس، اے عزیز! اس راستہ کے لیے شیخ کامل کا ساتھ پکڑ اور تقویٰ کو اپنا لباس بنا، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ یعنی (تقوی کا لباس سب میں بہتر ہے)۔ نیز فرمایا ہے: ﴿ إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾ یعنی (حق تعالیٰ کا کوئی ولی نہیں بجز پرہیز گاروں کے) صاف الفاظ میں حکم فرمادیا کے غیر متقی اس کا ہرگز بھی ولی

نہیں ہوسکتا، اگر بغیر تقوی کے صرف علم میں کوئی فضیلت ہوتی تو خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں ابلیس سب سے افضل ہوتا۔

مبارک ہو عالم متقی کو کہ فنا ہونے والی رذیل دنیا کو چھوڑ کر فارغ ہو بیٹھتا ہے اور ایسے شخص کی صحبت سے تیر کی طرح بھاگتا ہے جس کے قول یا فعل یا لباس یا معاملہ میں تقویٰ نہیں ہے، چوں کہ متقی جانتا ہے کہ بد (فاسق، فاجر) صحبت سے دنیا کا نقصان اور آخرت کی رسوائی ہے۔

شیخ ابوسعید ابوخیر (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ فائدہ مند علم وہ ہے جو صاحبِ علم کو تکبر زائل کر کے تواضع اور اختلاط کے بعد عجلت اور رغبت کے دفع کرنے کے بعد زہد کی میراث بخشے، اور وہ علم کہ جس نے اپنے اٹھانے والے صاحبِ علم کو عجب کے بعد تکبر اور گمنامی کے بعد شہرت کا نتیجہ دیا تو وہ وہی علم ہے جس سے فخرِ دو عالم ﷺ نے پناہ چاہی ہے، ''الٰہی غیر مفید علم سے میں پناہ مانگتا ہوں''۔ پس ہرگز کسی کے لیے مناسب نہیں کہ شریعت سے اعراض کرے اور جاہلوں کی خرافات پر مائل ہو، جنھوں نے صوفیائے کرام کے لباس میں آکر شیاطین کی خدمت کو انجام دینا اپنا شیوہ قرار دے رکھا ہے، ایسا کرے گا تو بجز خسارہ کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، بس عاقل کو اشارہ کافی ہے۔

معرفت کی ابتداء ستاروں کی طرح روشن ہوتی ہے اور اس کا درمیانی حصہ چمکتے ہوئے چاند کے مثل اور اس کا آخر کھلے ہوئے سورج جیسا کہ ساری ترقیوں کو نور سے بدل دیتا ہے اور تمام عیبوں سے پاک بنا کر یقین کی تجلیات سے سینہ اور قلب روشن فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام سالکین کو نصیب فرماوے اور غفلت کی نیند سے بے دار فرماوے۔ یا اللہ! تو ہم کو اپنے حبیب ﷺ کا اتباع نصیب فرما اور اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان! ان کاموں کی توفیق دیجیو جن کو تو محبوب سمجھتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ آمین

ہر قسم کی حمد رب العالمین کے لیے ہے اور قیامت تک نازل ہو کامل اور سدا بڑھنے والی رحمتیں اور دُرود اس کے حبیب ﷺ پر جو سارے پیغمبروں کے سردار ہیں۔ نیز ان کی اولاد اور صحابہ پر جو پاک صاف اور ان پر جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور ان کو محبوب سمجھا، اللہ تعالیٰ راضی ہو ہم سے اور ان سب سے۔ آمین یا رب العالمین

عفو فرما خطائیں میری اے عفو!
شوق توفیق نیکی کا دے مجھ کو تو
جاری دل کر کے ہر دم رہے ذکر ہو
عادتِ بد بدل اور کر نیک خو
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

طالبِ دعاء
فقیر یوسف احمد نقشبندی
جمعہ ۲۳/ جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷/ مئی ۲۰۱۱ء

دعاء

ہواؤں ، حرص والا دل بدل دے
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے
بدل دے دل کی دنیا دل بدل دے
خدایا فضل فرما دل بدل دے
گناہ گاری میں کب تک عمر کاٹوں
بدل دے میرا رستہ دل بدل دے
سنوں میں نام تیرا ڈھڑکنوں میں
مزہ آجائے مولیٰ دل بدل دے
ہٹا لوں آنکھ اپنی ما سوا سے
جیؤں میں تیری خاطر دل بدل دے
کروں قربان اپنی ساری خوشیاں
تو اپنا غم عطا کر دل بدل دے
تیرا ہو جاؤں اتنی آرزو ہے
بس اتنی ہے تمنا دل بدل دے
میری فریاد سن لے میرے مولیٰ
بنا لے اپنا بندہ دل بدل دے
ہواؤں ، حرص والا دل بدل دے
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے

مکتوبات

مکتوب نمبر (۱)

نعمت کے شکر ادا کرنے کے بارے میں

(بنام شیخ الحدیث حضرت قاری رشید احمد اجمیری صاحب حفظہ اللہ)

بسمہ تعالیٰ

الحمد للّٰه و سلام علی عباده الذین اصطفی .

حق تعالیٰ شریعت کے راستہ پر استقامت بخشے اور ہماری ساری ہمت کو اپنی پاک جناب کی طرف پھیر کر ہم کو پورے طور پر اپنے آپ سے فانی اور بالکل اپنے ماسوا سے ہٹالے، بحرمة سید البشر ﷺ۔

کمترین بندہ یوسف عرض کرتا ہے: اپنی تقصیروں کی نسبت کیا عرض کرے، جو کچھ حق تعالیٰ نے چاہا ہو گیا اور جو نہ چاہا نہ ہوا، اور نہیں ہے گناہوں سے پھرنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اور اللہ تعالیٰ بلند شان کی مدد سے۔

سب سے پہلے یہ فقیر معافی چاہتا ہے، کافی دنوں سے فون سے رابطہ نہ ہو سکا، کچھ گلے کی خرابی کی وجہ سے، کافی خراب رہا گلا، بات کرنا مشکل تھا، پھر اِدھر اُدھر کی مشغولی مانع ہوئی، امید ہے عذر قبول فرمائیں گے۔

دوسرا یہ کہ فقیر آپ کی نعمت کا شکر ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اقرار کرتا ہے، یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے، اور یہ سب دید وداد اسی احسان پر وابستہ ہے، آپ کے حسن توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا ہے، جو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور آپ کے توسّل سے حضرت تک رہنمائی ہوئی، آپ کی برکت سے وہ کچھ بخشا ہے کہ کسی نے اس کا مزہ چکھا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے ہیں جو آج یہ نسبت عنقاء ہے۔ اکثر لوگوں کو ان عطیوں کا علم بھی

حاصل نہیں ہوا، احوال و مقامات اور ذوق و مواجد اور علوم، تجلیات وظہورات سب کو عروج کے زینے بنا کر قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا" الحمد الله سبحانه علی ذلك"۔

حضرت والد بزرگوار کے مقام کو بتایا گیا پورے راندیر کے قبرستان کی صدارت حاصل ہے، حضرت والد بزرگوار کے مقام تک راندیر کا کوئی نہیں پہنچا، حضرت والد بزرگوار سے فقیر کو بہت محبت ہے، حضرت نے پورے راندیر کے قبرستان والوں کے سامنے جلسے کی شکل میں اس فقیر کو کچھ ہدیے عطا فرمائے، سند بھی عطا کی، طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ تمام امت کے اولیاء کے سلسلوں کو جامع ہے اور اس طریق کے سالکوں کو ہر ایک سلسلہ کے مشائخ کی عنایت ہے اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کے سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی کشفی سے بدل جائے۔ یہ بزرگوار الہام کے طور پر ان علوم کو اصل، یعنی حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں۔

شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے، طریقت اور حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہے، اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہے، ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے، نہ کوئی اور امر، احوال، مواجد اور علوم و معارف، جو صوفیاء کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں، اصلی مقصود نہیں ہے، ان سب سے گذر کر مقامِ رضاء تک پہنچنا چاہیے، جو مقامِ جذب اور سلوک کا نہایت ہے، کیوں کہ طریقت اور حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے، جو مقامِ رضاء کے ساتھ ملا ہوا ہے، تین قسم کی تجلیوں اور عارفانہ مشاہدوں سے گزر کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقامِ رضاء کی دولت تک پہنچاتے ہیں ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ، وَاللّٰهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o ﴾ ۔

مقامِ اخلاص کا حاصل ہونا اور مرتبۂ رضا تک پہنچنا ان احوال و مواجد کے طے

کرنے اور ان علوم و معارف کے ثابت ہونے پر منحصر ہے، یہ سب باتیں مطلوب حاصل کرنے کے لیے اسباب اور مقصود تک پہنچنے کے لیے وسیلہ ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے، کیوں کہ ان بزرگواروں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ اگر متابعت کی دولت ان کو حاصل ہو اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہے، اور اگر باوجود احوال کے متابعت میں قصور معلوم کرے تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے، یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں، اس طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحبِ نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں! سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے۔

اس فقیر کو عملیات کے کام پر مامور کیا اور یہ کام روحانیت کے ساتھ دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اس میں ایمان کی کافی خرابی پھیل گئی ہے، اس کے ساتھ ایمان کی دعوت بھی رکھی گئی ہے، ہمیں بتایا گیا کہ ایمان کی درستی کرنی ہے عجیب وغریب باتیں کھولی گئیں، جسمانی امراض کو بھی حق تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ روحانیت سے کھینچتے ہیں، امراض کے بارے میں آپ کا ارادہ ہوا تو ان شاء اللہ تفصیل سے بتائیں گے۔

معافی چاہتا ہوں خط طویل ہو گیا، چوں کہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کے اظہار میں جن کا ظہور عالمِ اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر ہوا ہے، آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا، اس واسطے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا، تا کہ آپ کی نعمت کا تھوڑا شکر ادا ہو جائے، ﴿ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴾۔

گھر والوں کو بھی ہماری طرف سے سلام عرض کر دینا اور فقیر سلامت خاتمہ کے لیے دعاء کی التماس کرتا ہے۔ والسلام

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۲)

کامل فنا کے بارے میں

(بنام قاری رشید احمد اجمیری صاحب حفظہ اللہ)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی.

امابعد!

شیخ الحدیث نہایت عزت و احترام کے ساتھ کامل ومکمل سلام و کثیر تسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے، ان کی ہدایت کے آفتاب ہمیشہ طلوع ہوتے رہے اور ان کے فیض رسانی کے انوار ہمیشہ چمکتے رہے۔

حضرت قاری صاحب امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے، صاحبِ قوت حق تعالیٰ کا سب سے ضعیف بندہ فقیر یوسف احمد حق تعالیٰ ان دونوں کی عاقبت کو بہتر کرے، عرض کرتا ہے: ہم یہاں خیریت و عافیت سے ہیں، اور دوستوں کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں اور اللہ کریم سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کی درازی عمر سے مسلمانوں کو مستفید فرمائے اور ہمیں آپ کی ملاقات کے شرف سے مشرف فرمائے۔ آپ کے فضلِ عمیم سے امید کی جاتی ہے کہ ہمیں اپنے دل سے خارج اور اپنی دعاؤں سے فراموش نہیں فرمائیں گے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: ''آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے'' صوفی ظاہر کے اعتبار سے مخلوق کے ساتھ موجود اور حقیقت و باطن کے اعتبار سے ان سے جدا ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا باطن وحقیقت اس کے ظاہر سے، بلکہ حق تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے ٹوٹ کر منزلوں دور چلا جاتا ہے اور غیب الغیب سے مل جاتا ہے، ظاہر کی غفلت اس کے باطن میں سرایت نہیں کرتی، عوام کا باطن ظاہر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظاہر کی غفلت ان کے باطن میں سرایت کرتی ہے اور خواص کے لیے جن کا باطن ظاہر سے

منزلوں دور ہو چکا ہوتا ہے ایسا نہیں ہے، اور ظاہر کی غفلت باطن میں راہ نہیں رکھتی اور اس کے حضورِ آگاہی میں کچھ نقصان نہیں لاتی ، کیوں کہ حضورِ آگاہی اس کا ملکہ ہوجاتی ہے ،اور اس کی صفتِ لازمہ بن جاتی ہے ، اس راستہ کے بعض سالکوں کو یہ قطع تعلق اور ما سوا کو بھول جانا اس درجہ تک حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر وہ تکلف سے بھی ما سوا کو یاد کرے ہرگز یاد نہ آوے ، ما سوا کہ نسیان کے سبب سے جو ان کو حاصل ہو چکا ہے ماسوا کا خیال ہرگز ان کے باطن میں راہ نہ پائے ، یہ کمال ولایت کے کمالات میں سب سے پہلا کمال اور فنائے قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اشیاء کے علمِ حصولی کے زوال سے وابستہ ہے، اگر اس مقام سے ترقی واقع ہوجائے اور علمِ حضوری بھی جو کہ اس مقام میں علم و عالم کا اتحاد ہے، علم حصولی کی طرح زوال کا رُخ کرلے اور عدم کی طرف لے جائے تو یہ فنائے نفس ہوتی ہے ، اس کے بعد نفس اطمینان کے مقام میں آ جاتا ہے ، احکامِ الٰہی کا فرمابردار ہوجاتا ہے، اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے ۔ ان دونوں کمالات کے اوپر دوسرے اور کمالات بھی ہیں جو ان دونوں کے ساتھ مشروط ہیں، اس مکتوب کو بس یہیں ختم کرتا ہوں ، حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس کی معرفت سے نوازے ۔

گلا بھی خراب رہتا ہے اور مصروفیت بھی رہتی ہے، اس بنا پر فون سے بات بھی نہیں ہو پاتی ، امید ہے درگزر فرمائیں گے ۔﴿ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ﴾ ۔

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۳)

بزرگواروں کی مزاروں پر بیٹھ کر چندہ اکٹھا کرنا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے بارے میں

(بنام صاحب زادہ سید جسیم الدین)

۱۰/ جمادی الآخر ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۵/ جون ۲۰۰۷ء

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين .

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ حاجی صاحب زادہ سید جسیم الدین کو کہ فقیر نے آپ کا بھیجا ہوا خط جو ہر سال صادر ہوتا ہے پڑھا، بڑی حیرت ہوتی ہے کہ آپ جس بزرگوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جو چندہ اکٹھا کرتے ہیں، تو ذرا اس میں غور تو کریں کہ جس بزرگوار کا نام لیتے ہیں، کیا ان کی یہ تعلیم تھی؟

اے میرے عزیز! اپنی نسبت کو ان کے ساتھ جوڑتے ہیں، کیا خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان اس لیے آئے تھے کہ لوگوں سے نذرانہ، چندہ اکٹھا کر کے اپنے پیر اور شیخ کا عرس منائیں؟ نہیں ہرگز نہیں، آپ بخوبی واقف ہے، اگر خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ایسا کام کرنا ہوتا تو اپنے پیر شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر بیٹھ کر ہر سال چندہ اور نذرانے جمع کرتے۔

اے مخدوم زادے! مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت ﷺ سے حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی اور جب انہوں نے ان کو خرقہ ساتھ عصا، نعلین اور مُصلّٰی دیا اور فرمایا کہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا ہے اور اسی کو یہ یادگار دینا، جس کو تم مرد پاؤ، اور جو کچھ ہم نے تم کو بتایا اس پر عمل کرنا، تاکہ قیامت

کے دن شرمندگی نہ ہو، یہ تعلیم حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے دی حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو۔ مرشد سے علیحدہ ہونے کے بعد مختلف مقامات کی سیاحت کرتے ہوئے اجمیر پہنچے، جب وہ دہلی سے اجمیر جا رہے تھے، تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا، یہ ان کی تبلیغی خدمت تھی اور آج ہماری یہ حالت ہے کہ اپنے دور ہو رہے ہیں۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کتابیں تصنیف (لکھیں) کی ہیں، ان کو تھوڑا غور سے پڑھنا چاہیے۔

اے میرے عزیز! سن ذرا اپنے دل کے کانوں سے حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی اٹھائیس صحبتوں کے ملفوظات جو خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع فرمائے تھے، ان ملفوظات میں تصوف کے مسائل پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعات نماز پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں، بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا سو دن تک قبول نہیں ہوتی ہے، جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ یعنی (کام، کھیتی، تجارت وغیرہ) ہی کہ ذریعہ سے روزی ملتی ہے وہ کافر ہے، کیوں کہ رزاق اللہ ہے، مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا، کپڑے پھاڑنا، ستر مسلمانوں کے خون کے برابر ہے، مؤمن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، تین شخص جنت کی خوشبو نہ پائیں گے: ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا تاجر۔

حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف (کتاب) ''تکمیل اخلاق'' اس کے مطالعہ (پڑھنے) سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل سلوک کے لیے ہر قسم کے ظاہری و باطنی اخلاق کا حامل ہونا ضروری ہے، کیوں کہ ان

کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم ، بلکہ مشائخ رحمہم اللہ کا ایک خاص اخلاق ہے (ص: ۴۷) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے ، ظاہری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو ، جب اس سے کوئی بات خلافِ شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا ، جس کا نام طریقت ہے ، اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا ، اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا رتبہ پائے گا ، اسی لیے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات ، خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے ۔

اے میرے عزیز! جان لیا حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تو شریعت کی پابندی کا حکم دے رہے ہیں اور طریقت کو شریعت کا پابند جانا ہے ، اور کچھ جاہل صوفی ، پیری اور شیخی کی گدی نشین ہو کر شریعت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت الگ ہے اور طریقت الگ ہے ، ان جاہلوں نے نہیں جانا کہ شیطان انہیں دھوکہ دے رہا ہے " ضلوا فأضلوا " (خود بھی گمراہ ہیں ، اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں) ۔

حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نماز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ '' نماز دین کا رکن ہے اور ستون ہے ، اگر ستون قائم رہے گا تو گھر کھڑا رہے گا اور جب ستون ہی گر جائے گا تو مکان گر پڑے گا ، جس نے نماز میں خلل ڈالا اس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا ، نماز کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گذر شام (سیریا) کے قریب ایک شہر میں ہوا ، اس شہر کے باہر ایک غار تھا ، ایک بزرگ اس میں سکونت پذیر تھے ، خوف اور ہیبتِ الٰہی سے ان کے بدن پر گوشت پوست نہ تھا ، صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں ، میں ادب سے قریب جا کر بیٹھ گیا ، پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو؟ میں نے جواب دیا بغداد سے آتا ہوں ، فرمایا خوب آئے ، لیکن مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو ، تاکہ تم کو ذوق درویشی حاصل ہو ، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے ہوگئے ایک بات سے

ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گذرتے ہیں، میں نے پوچھا کہ حضرت وہ کون سی بات ہے؟ فرمایا نماز ہے، جس وقت ادا کرتا ہوں، خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط (فرض، واجب، سنت) نہ چھوٹ گئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہوکر یہی نماز جب عتابِ الٰہی بن جائے۔ (دلیل العارفین)

اللہ اکبر! نماز کے ادا کرنے میں اتنا خوف، وہ بھی کسی شرائط کے چھوٹنے کا اور جو لوگ اپنی نسبت کو ان بزرگواروں کی طرف کرتے ہیں وہ سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے، سوچنا چاہیے اور اپنے آپ کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں اور ان کے خادموں میں شمار کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ یہ فقیر کی آج سے کچھ دس سال سے پہلے اجمیر شریف حاضری ہوئی تھی، تو اس وقت وہاں زیارت کروانے کے لیے ایک نوجوان کچھ اٹھارہ، بیس سال کی اس کی عمر ہوگی (گائیڈ) کے طور پر ہم سے ملا اور وہ ہمیں کافی جگہ لے گیا، دکھانے کے لیے جب ہم تاراگڈھ پر چڑھے تو وہاں ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، تو اس فقیر نے اس سے کہا کہ بھائی ظہر کی نماز کا وقت ہے، ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں، آؤ تم بھی ساتھ پڑھ لو، تو وہ کہنے لگا مجھے تو نماز معاف ہے، ہم نے پوچھا کیسے؟ تو کہنے لگا کہ میں خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ہوں، سبحان اللہ! ہم نے کہا جس کو یہ نماز کا تحفہ ملا حضور ﷺ کو جب معاف نہیں تو تجھے کیسے معاف ہوگئی؟ یہ حالت ہے آپ کے وہاں کے خادموں کی اور حضرت خواجہ صاحب نماز کی تاکید فرماتے ہیں، تو یہ کیسا آپ کا تصوف وسلوک ہے کہ شریعت بھی آپ لوگوں سے ساقط ہوجاتی ہے؟ یہ تو ہے فرضوں کی حالت، اب ذرا خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ بھی سنیں کہ راہِ سلوک کے گناہ کون سے ہیں؟ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ راہِ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہے: (۱) گورستان (قبرستان) میں قہقہہ لگانا۔ (۲) قبرستان میں کھانا پینا، کیوں کہ یہ عبرت کا مقام ہے۔

(۳) مردم آزاری کرنا (۴) اللہ کا نام لے کرلرزہ براندام نہ ہونا۔ سالک کو ان گناہوں سے بچنا چاہیے۔ (دلیل العارفین)

اے عزیز! سوچ حضرت خواجہ صاحب تو راہِ سلوک کے گناہ بتارہے ہیں کہ قبرستان میں قہقہہ لگانا اور اس میں کھانا پینا، اب دیکھ لے کہ جہاں حضرت خواجہ صاحب آرام فرما ہیں، کیا وہاں یہ چیزیں نہیں ہورہی ہیں، جس سے روکا گیا ہے، پھر یہ کیسی گدی نشینی ہے، خلیفہ اور گدی نشین تو وہ ہوتا ہے جس کے اندر اپنے شیخ کا پرتو ہو، کیا تو دنیا میں نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی ڈاکٹر ہوتو یہ ضروری نہیں کہ اس کا بیٹا اس کے بعد ڈاکٹری کرے، جب تک کہ اس نے کسی یونیورسٹی میں پڑھا ہو اور اس کے بعد اس نے مشق کی ہو، باقاعدہ اس کے پاس سرٹیفکٹ ہو، تب جا کر لوگ اس کو ڈاکٹر مانتے ہیں، یہ نہیں کہ باپ کے بعد اسے ڈاکٹر کی کرسی پر بیٹھا دے، چاہے اس میں وہ صلاحیت ہو یا نہ ہو، ایسے کو کوئی ڈاکٹر نہیں کہتا۔ بس اسی طرح میرے عزیز! تصوف وسلوک کے مقامات طے کئے بغیر کوئی پیری اور شیخی کی گدی پر نہیں بیٹھ سکتا، جب تک اپنے نفس کی اصلاح نہ ہوگئی ہو " أعاذنا الله سبحانه عن ذلك " (اس سے اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے)۔

اے میرے دوست! حضور ﷺ کا مقام تو مسلّم ہے، جو مسجد نبوی میں آرام فرما ہیں، ان کے صحبت یافتہ ہزاروں صحابہ تھے اور سب سے زیادہ حقدار امام حسن، حسین تھے، تو کیا وجہ تھی کہ ان لوگوں نے تو نبی ﷺ کی مزار مبارک کو اس طرح دنیا کمانے کا ذریعہ تو نہیں بنایا، اگر امام حسین بھی چاہتے تو اپنے نانا حضور ﷺ کی مزار پر گدی نشین ہو کر لوگوں سے نذر و نیاز وصول کرتے، آخر وہ کون سی بات تھی جو اپنی گردن کٹوا دی، حالاں کہ نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے دنیا ہی میں جنت کے نوجوانوں کی سرداری کی بشارت سن چکے تھے، اگر کربلا میں جا کر بھی یزید کی باتوں کو مان لیتے اور اس سے صلح کر بھی لیتے تو بھی ان کی سرداری میں کوئی کمی نہیں آتی، لیکن حق کے لیے اپنی جان دے دی، ذرا سوچیں آج کل

کے جاہل پیر جو سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں شریعت کی ضرورت نہیں اور نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، اگر صحابہ چاہتے تو وہ بھی مدینہ منورہ میں بیٹھ کر پوری دینا کے مسلمانوں کو خط لکھ کر اس طرح سے نذر و نیاز کی رقم منگواتے، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے مشن میں لگایا ہوا تھا، کیوں کہ نبی ﷺ نے صحابۂ کرام کو دین پھیلانے کے لیے پوری دنیا میں پھیلا دئے، اس کے بعد تابعین، تبع تابعین اور اولیاء اللہ نے بھی یہ ہی کام کیا اور حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح سے اپنی چشتیہ نسبت لے کر ہندوستان آئے تھے اور آج ان بزرگواروں کے مبارک کارخانہ کو وہاں کے نفس پرست، گدی نشین داغدار کر رہے ہیں۔

﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ، اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَنْ يَشَآءُ ، وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْب ○ ﴾ (جس چیز کی طرف تو انہیں بلا رہا ہے وہ تو ان مشرکین پر بڑی بھاری ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے چن لیتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے)۔

اے مخدوم! کیوں اس ناپاک دنیا کی خاطر اپنی آخرت خراب کرتے ہو ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ○ ﴾ (لیکن تم تو دنیا کا جینا سامنے رکھتے ہو اور آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے) ایک عاقل ایسا نہیں کرسکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کر لے اور اس کے انتظام میں پڑ کر اس کے اہتمام کو چھوڑ دے۔ مسندِ احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر آخرت میں نہ ہو، دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو، اس کے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بے وقوف ہوں“۔

اے میرے مخدوم! جو کچھ کہا گیا اسے دل کے کانوں سے سن اور غور کر کہ کس کے پیچھے لگے ہو، کل قیامت کے دن کھڑے ہو کر جواب دینا ہے اور حضرت خواجہ اجمیری

رحمۃ اللہ علیہ بھی حق تعالیٰ سے کہیں گے کہ اللہ پوچھ ان سے کہ میرے بعد ان لوگوں نے میری قبر کو میلے کی جگہ اور دنیا کمانے کا ذریعہ کیوں بنایا؟

بوقت صبح ہوگا تجھ کو معلوم
کٹی کس کی محبت میں تیری رات

اب بھی کچھ نہیں گیا، موقع کو غنیمت سمجھ، اس فقیر نے تو حجت تمام کردی، اس مکتوب کے ذریعہ، قاصد کا کام ہے صرف پہنچا دینا۔

دردِ دل اس لیے تھوڑا کہا اے میرے مشفق!
کہ کہیں سن سن کے دل آزردہ نہ ہوجائے تیرا

سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۴)

علماء وفقہاء چار جماعتوں میں منقسم ہیں کے بارے میں

(بنام حضرت مولانا ابرار رفعت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مولانا ابرار امید ہے آپ خیر وعافیت سے ہوں گے، حق تعالیٰ سے آپ کی عافیت کی دعاء ہے۔صاحبِ قوۃ اللہ تعالیٰ کا یہ سب سے ضعیف بندہ فقیر یوسف احمد عرض کرتا ہے کہ یہاں کے حالات بھی حمد کے لائق ہیں اور یہ فقیر دوستوں کی ملاقات کا مشتاق ہے۔

میرے عزیز! حق تعالیٰ کی عطائیں ختم نہیں ہوسکتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کی امت مثل بارش کے ہے، خزانے آپ کے دوستوں کے لیے ہیں اور حکمت کے اہل تو سب ہی آدمی ہیں، کبھی تیز چلنے والا لنگڑانے لگتا ہے اور دوسروں کا منہ تکنے والا لنگڑا آگے بڑھ جاتا ہے، اس لیے اگر کسی معمولی آدمی کو کوئی خاص نعمت حاصل ہو جائے تعجب نہ کرنا چاہیے۔

اے اللہ! مجھے حکمت وفہم اور معرفت وعلم میں ترقی دیجئے، اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اپنا محبوب، اپنا مقرب، اپنے نبی کی پیروی کرنے والا بنا دیجئے۔ بے شک آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں اور جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں اور آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

میرے مخدوم! علماء فقہاء چار جماعتوں میں منقسم ہیں: ان میں پہلی جماعت تو یہ ہے کہ انسان جھگڑنے، بحث کرنے، فخر کرنے اور مال جمع کرنے کے لیے علم حاصل کرے۔ دوسری جماعت یہ ہے کہ کسی نے بحث ومناظرہ اور بڑا بننے کے لیے تو علم

حاصل نہیں کیا، لیکن اس کو یہ خواہش ہے کہ میرا شمار علماء میں ہوجائے، تاکہ خاندان والے مجھے اچھا کہے، اسی مقصود پر اس نے کفایت کی اور ظاہر شریعت پر چلتا رہا، آگے کچھ نہیں۔ تیسری جماعت میں وہ لوگ ہیں جس نے مشکل مسائل کو حل کیا، منقولات و معقولات کی باریک باتیں معلوم کیں، مناظرہ کے دریاؤں میں گھس گیا اور ان تمام میں اس کی نیت یہ ہے کہ علم حاصل کرکے شریعت کی مدد کرے گا، مگر اس کے اندر غرورِ علم ہے، علم کی وجہ سے دوسروں کو اپنے سے کم سمجھتا ہے، جب کسی مسئلے میں شریعت کی حمایت کو کھڑا ہوتا ہے اس وقت اگر کوئی اس کی دلیل پر اعتراض کردے تو اپنے نفس کی حمایت میں ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ حد سے نکل جاتا ہے اور مدِ مقابل کے خلاف دلیلیں قائم کرنے لگتا ہے، اس کو برا بھلا کہنے لگتا ہے اور بعض اوقات اس کو کافر بنا دیتا ہے، اس پر طعن کرنے لگتا ہے اور ایسا حملہ کرتا ہے جیسا درندہ شکار پر حملہ کرتا ہے۔ شریعت کی حد کی بالکل رعایت نہیں کرتا نہ اپنے حالات میں نہ مد مقابل کے معاملات میں۔ چوتھی جماعت میں وہ لوگ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا تو اس نے اپنے آپ کو غافلوں کے جگانے اور جاہلوں کو راستہ بتانے، بھاگنے والوں کو واپس لانے اور مفید علوم اور نصیحت کی باتیں پھیلانے کے لیے وقف کردیا، جو باتیں شرعاً بری ہیں نفسانی غرض سے پوری طرح الگ ہوکر ان پر انکار کرتا ہے اور جو شرعاً پسندیدہ ہیں ان کو پسند کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اچھی بات وہی ہے جس کو شریعت نے اچھا بتلایا، عقلمند بن کر نیک کاموں کا حکم کرتا ہے۔

پس! پہلی جماعت تو بری ہے، دوسری جماعت والے محروم ہیں، تیسری جماعت والے دھوکہ میں ہیں، چوتھی جماعت والے سچے عالم ہیں، پھر ان جماعت میں سے بھی ہر جماعت میں بہت سے درجات ہیں، جو آدمی کے حالات سے معلوم ہوسکتے ہیں، حقیقت آپ کے سامنے ظاہر ہوچکی ہے۔

میرے عزیز! طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے، دونوں میں

صرف لفظی فرق ہے، اصل اور مقصود دونوں کا ایک ہے، پس جس صوفی کو لفظوں کا پردہ اصل اور مقصود کے سمجھنے سے روک دے، وہ جاہل ہے اور حق تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا اور جس عالم کو یہ لفظی حجاب حقیقت سمجھنے سے روک دے وہ بھی محروم ہے۔

اے اللہ! ہم اس علم سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں جو نفع نہ دے۔ ان علماء سے پوچھو جو حجاب میں پڑے ہوئے ہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے شہروں میں کوئی ایسا شخص رہے جو زبردست اللہ کے دئے ہوئے علم سے منکروں، گمراہوں، اسلام کے مخالفوں کو مغلوب کردے، جن کو دیکھ کر مخالفین خود ہی بول اٹھے کہ اسلام سچا مذہب ہے، بحث وتکرار کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیا تمہارا دل یہ چاہتا ہے کہ حضور ﷺ کی روحانی زبان کا سلسلہ بند ہو جائے؟ تمہارے نفس یہ خواہش کرتے ہیں کہ معجزاتِ نبویہ کی سلطنت جاتی رہے؟ اگر تمہاری یہی تمنا ہے تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ، اگر نہیں تو بتلاؤ کہ نبی کریم ﷺ کا روحانی ترجمان کون ہیں؟ اور حضور ﷺ کے معجزات کا نمونہ کس کے پاس ہے؟ تمہارے پاس یا صوفیاء کے پاس؟، اگر یہ لوگ نہ رہے تو حضور ﷺ کے روحانی اور باطنی کمالات کا نمونہ دنیا کو کون دکھلائے گا؟ ﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِيْ اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ، نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَ بِأَيْمَانِهِمْ ﴾ گواہی دے رہی ہے۔نبوت محمدیہ کی باطنی زبان ﴿ نَحْنُ أَوْلِيَآءُ كُمْ فِيْ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِيْ الْاٰخِرَةِ ﴾ (مسلمانوں سے فرشتے قیامت میں کہیں گے کہ ہم تمہارے مددگار تھے دنیا میں بھی اور ساتھی ہیں آخرت میں بھی) غیبی امداد کا صوفیاء کے ساتھ ہونا بہت زیادہ ظاہر ہے، جس پر ان کی کرامت دلالت کرتی ہے، اس حقائق کے بقاء کو ثابت کر رہی ہے۔

میرے مخدوم! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو (اچھے کاموں کا حکم کرنا برے کاموں سے روکنا) اپنا شعار بناؤ، الحمد للہ آپ امام بھی ہیں، جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ نبی ﷺ کا خلفیہ ہے، کتاب اللہ کا

خلیفہ ہے، صادقِ مقصود سچے نبی ﷺ نے ہمیں ایسا ہی بتلایا ہے۔سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے ہم سایوں کا محبوب ہو اور دوست احباب اس کی تعریف کرتے ہو، سمجھ لو کہ وہ مداہن ہیں (یعنی برے کاموں سے روکنے میں سستی کرتا ہے) اور کیا لکھا جاوے۔

دردِ دل اس لیے تھوڑا کہا اے میرے مشفق!
کہ سن سن کے دل آزردہ نہ ہوجائے تیرا

والسلام علی عبادہ الذین اصطفی .

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۵)

علم کی حقیقت کے بارے میں

(بنام مولانا رضوان احمد)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی .

مولانا رضوان امید ہے خیریت سے ہوں گے۔

میرے مخدوم ! اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے جاندار کو پانی سے بنایا ہے ﴿ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ پانی کے بغیر زندگی کا تصور کوئی نہیں ، پانی ختم ہو جائے تو رفتہ رفتہ زندگی ختم ہو جاتی ہے ، مادّی زندگی کا دارو مدار پانی پر ہے ، حق تعالیٰ نے علم کی تشبیہ پانی کے ساتھ دی ہے کہ یہ علم ختم ہو جائے گا تو جس طرح مادّی زندگی پانی کے بغیر ختم ہو جاتی ہے ، اسی طرح علم کے بغیر روحانی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے ﴿ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ماءً ﴾ (آسمان سے پانی اتارا) وادیاں ، تالاب اُبھرنے لگے ، خس و خاشاک اوپر آنے لگے ، آسمان سے پانی برسا ، یہ تشبیہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم ، وحی کو اور وادیاں سے تشبیہ دی ہے قلوب کو ، پانی جب اترتا ہے خشک وادیوں میں وہ بھرتا جاتا ہے ، گندا اوپر آجاتا ہے ، وادی میں صاف صفاف پانی رہ جاتا ہے ، آسمان سے علوم کی بارش ہوئی ، قلوب وادیاں کی طرح کوئی وادی چھوٹی ، کوئی بڑی ، کوئی وادی بہت بڑی ، کوئی تنگ ، کوئی سینہ چھوٹا ، کوئی سینہ بڑا ، دینے والا دینے میں کمی نہیں کر رہا ، لینے والا کا ظرف جدا جدا ہے ، اپنا اپنا ہے ، دنیا کے معاملہ میں دینے والے نے طے کر کے دیا ہے ﴿ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ﴾ یہ اللہ کا نظام ہے ساری دنیا کا رزق طے کر دیا ہے ، زیادہ محنت سے وہ زیادہ نہیں ہوتا ، کم محنت کرنے سے کم نہیں ہوتا دوسو (۲۰۰) لیٹر کی ٹنکی رکھی ہو ، اس میں بیس نل لگاؤ یا دو نل لگاؤ پانی اتنا ہی رہے گا ، جتنی اس کی کیپسیٹی ہے زیادہ نل لگانے سے زیادہ نہیں ہوگا ، لیکن علم میں بارش ہے ، بارش میں معاملہ ہماری طرف چلا جاتا ہے ، بارش کرنے والا برسا رہا

ہے، پیالہ رکھو بھر جائے گا، گلاس بھر جائے گا، ڈول رکھو بھر جائے گی، تالاب رکھو بھر جائے گا، برسانے والا بے حساب برسا رہا ہے، لینے والوں کے ظرف اپنے اپنے ہیں ﴿ فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا ﴾ اللہ کے معرفت کے خزانے کھلے ہوئے ہیں، آجاؤ لے لو، جتنا چاہتے ہو لے لو، اللہ کو پتہ ہے ہر لینے والا یکساں نہیں ہوتا، تو اشارہ کردیا" بِقَدَرِهَا " کوئی چھوٹے ظرف والا کوئی بڑے ظرف والا، کوئی بہت بڑے ظرف والا، دینے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے، لینے والوں میں کمی رہ جاتی ہے۔

میرے عزیز! اس علم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا محل دل کو بنایا، اس کی وادی دل ہے، اس کی جگہ زبان نہیں، اس کی جگہ عقل نہیں، اس کی جگہ کتابیں نہیں ہیں، اس کی جگہ دل ہے۔ کسی اور سے کیا گیلہ کرے، گلا آپ سے ہے، خود، اپنی نعمت سے ناآشنا ہے، ہم ناقدرے ہیں، اگر دل اللہ کی عظمت سے بھرا ہوتا تو دنیا مچھر کا پر نظر آتی، دھوکہ کا گھر نظر آتا، بڑی عمارتیں اور مٹی برابر ہوتی، سونا اور پتھر برابر نظر آتے، ساری دنیا کی راحتیں آخرت کے سامنے ہیچ نظر آتیں، ہم ہی ناقدرے نکلے، ہمارے اندر سے علم کی عظمت نکلی، آج چاروں طرف اندھیرا ہے، اس میں تلوار کام نہیں آتی، بم کام نہیں آتے، روشنی کام آتی ہے، علم ایک روشنی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب وہ نور آئے گا تو سینہ کھلے گا، کسی نے پوچھا اس کی علامت کیا ہے؟ اور آج کے مولوی کی نشانی کیا ہے؟ یہ دیکھو میرے پاس سند ہے، دیوبند کی سند ہے، ڈابھیل کی سند ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں نشانی کیا ہے؟ نہ وہاں دارالعلوم کی سند نشانی، نہ وہاں دیوبند کی سند نشانی، فرمایا: جب نور آئے گا تو پتہ چلے گا، چال بدل جاتی ہے، انداز بدل جاتا ہے، جب یہ علم الفاظ کے ساتھ نور کو بھی اندر لائیں الفاظ کے ساتھ، حقائق کو بھی اندر لائیں تو کیا ہوگا، سینہ کھلا، پہلی نشانی دنیا سے دل ہٹ جائے گا، میرے اللہ نے کہا حرام سے بچنا، میں نے حلال بھی چھوڑا، دنیا نے میری طرف اپنا داہنا بڑھایا، میں نے داہنا بھی کاٹا، بایاں بھی کاٹا، میں اس سے کنارہ کش ہوگیا، جو اس کے پیچھے بھاگنے والے ہیں ان کے حوالہ کیا، نور اندر آیا، دنیا

سے بے رغبتی آتی ہے۔سالم بن عبد اللہ بن عمر طواف کر رہے تھے، اموی شہزادہ ہشام بن عبد الملک وہ بھی طواف کر رہا تھا، تو ہشام نے کہا سالم سے کوئی اپنی ضرورت تو بتائیں ، کوئی حاجت تو بتائیں ، انہوں نے کہا اللہ کے گھر میں اللہ کو چھوڑ کر اس کے غیر سے مانگوں ؟ ہشام چپ چاپ طواف ختم کر کے باہر نکلے ، ہشام بولا اب تو مانگو ، کہنے لگے کیا مانگوں ؟ دنیا مانگوں کے آخرت مانگوں؟ وہ کہنے لگا دنیا مانگو، آخرت میں کہاں دے سکتا ہوں ، تو انہوں نے فرمایا ہشام دنیا تو کبھی دنیا کے مالک سے نہیں مانگی ، تجھ سے کیا مانگوں گا۔دوسری نشانی آخرت کا شوق لگ جاتا ہے۔

میرے مخدوم ! آج دنیا علم والوں سے خالی ہو رہی ہے، سند والے تو ہزاوں لاکھوں ہیں، علم والے ملتے نہیں ہے، اپنے آپ کو پگھلاؤ، جان مارو، اگر دنیا کے مزے چاہیں گے، دنیا کی لذت چاہو گے ، دنیا دارو کی طرح جیبے رکھو گے، تو پھر اللہ کی نظروں میں آپ کی حیثیت ایک تنکے کے برابر بھی نہ ہوگی ، اللہ تعالیٰ کی نظروں میں گر جاؤ گے ، دنیا سے بے رغبت ہو کے چلو، آخرت کو اپنا نصب العین بناؤ ،علم " قیل " اور " قال " کا نام نہیں ہے۔ " ضربوا " ، " ضربا " ساری منطق اس میں ختم ہو جاتی ہے، اس کا نام علم نہیں ہے، علم اللہ کا نور ہے، علم اللہ کی معرفت ہے، علم اللہ کی محبت ہے، علم اللہ کا شوق ہے، علم راتوں کا رونا ہے، تدبّر ہے، تفکر ہے۔درسِ نظامی کو ختم کیا اور عالم بن گئے ،صرف اس کا نام ہے، منزل آگے ہے ، اللہ کی معرفت تک پہنچنا ہے ، قرآن کی جگہ ادب بک ڈپو نہیں ہے ، قرآن کی جگہ مدینہ ایجنسی نہیں ہے ، قرآن کی جگہ ورق نہیں ہے ، اس کی جگہ دل ہے " علی قلبك " دل ہے ، اسے خالی کرو دنیا کی محبت سے ، حسد سے ، ریا سے ، عالم کی خوبصورتی ہے اچھے اخلاق ، عالم کی خوبصورتی ہے تواضع ، عالم کی خوبصورتی ہے مٹا ہوا ہونا۔

والسلام علی من اتبع الھدی

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۶)

حق تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں

(بنام مولانا رضوان احمد)

الحمد للّٰہ علی عبادہ الذین اصطفی .

مولانا رضوان احمد۔

میرے عزیز! اس فانی دنیا میں مقصدِ اعلیٰ اللہ جل شانہ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت دو قسم کی ہے: قسم اول وہ معرفت ہے جس کو علمائے عظام نے بیان فرمایا ہے اور قسم دوم وہ معرفت ہے کہ جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔ پہلی قسم نظر واستدلال کے ساتھ وابستہ ہے، اور دوسری قسم کشف وشہود سے مربوط ہے۔ پہلی قسم دائرۂ علم میں داخل ہے، جو کہ تصور وتفکر کی قسم سے ہے، اور دوسری قسم دائرۂ حال میں داخل اور متصف ہے۔ پہلی قسم عارف کے وجود سے فنا کرنے والی نہیں ہے اور دوسری قسم سالک کے وجود کو فنا کرنے والی ہے، کیوں کہ معرفت اس طریقہ میں اللہ تعالیٰ میں فنا ہونے سے عبارت ہے۔ پہلی قسم علم حصولی کی قسم سے ہے اور ادراکِ مرکب ہے، اور دوسری قسم علمِ حضوری کی قسم سے ہے اور ادراکِ بسیط ہے، کیوں کہ اس مقام میں حاضر حق تعالیٰ ہیں، بجائے نفس سالک کے، کہ وہ فنا حاصل کر چکا ہے۔

قسم اول نفس کی مخالفت وانکار کے باوجود معرفت کا حصول ہے، کیوں کہ نفس اس مقام میں اپنی صفاتِ رذیلہ پر قائم ہے، سرکشی سے جو کہ اس کی ذات میں ہے نہیں نکلا ہے، اور ظلم سرکشی سے جو کہ اس کی فطرت میں ہے باز نہیں آیا ہے، اس مقام میں اگر ایمان ہے تو وہ ایمان کی صورت ہے اور اگر اعمالِ صالحہ ہے تو اعمال کی صورت ہے، کیوں کہ نفس ابھی تک اپنے کفر پر ہے اور اپنے آقا کی مخالفت پر قائم ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے : '' تو اپنے نفس کی مخالفت کر ، کیوں کہ بلا شبہ وہ میری مخالفت پر کمر بستہ ہے'' ، اس لیے ایمان کو مزاجی کہتے ہیں ، یہ ایمان زوال وخلل سے محفوظ نہیں ہے (مزاج کی نفی ہو جاتی ہے) اور معرفت کی دوسری قسم چوں کہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی ہے اور نفس کے مطیع ہو جانے کا ثمرہ دینے والی ہے ، اس لیے اس مقام کا ایمان زوال وخلل سے محفوظ ہے ، ایمان کی حقیقت اس جگہ میں ہے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہے ، حقیقت کی نفی نہیں ہوتی اور بقاء اس کے لیے لازم ہے ، گویا آیتِ کریمہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے ۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس معرفت کے طالب رہے ہیں کہ اس قدر علم واجتہاد کے باوجود بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم رکاب جاتے تھے ، لوگوں نے ان سے سبب پوچھا ، انہوں نے فرمایا کہ میں حدیث جانتا ہوں ، وہ اللہ کو مجھ سے بہتر پہچانتے ہیں ۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شاید عمر کے آخری دو سال میں جو اجتہاد واستنباط ترک کر کے خلوت اختیار کی ، جیسا کہ انہوں خواب میں کسی سے فرمایا اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا ، وہ آخری دو سال میں اسی معرفت کی تحصیل وتکمیل اور اسی ایمان کے مکمل کرنے میں مصروف رہے ، جو کہ اس معرفت کا ثمرہ ہے ، ورنہ وہ اعمال میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے ، کون سا عمل ہے جو استنباط کے درجہ کو پہنچتا ہے ، اور کون سی عبادت ہے جو تدریس وتعلیم کے مرتبہ تک جاتی ہے ۔

جاننا چاہیے کہ کامل طور پر اعمال کی قبولیت کمالِ ایمان کے مطابق ہے اور اعمال کی نورانیت کمالِ اخلاص سے ہے ، ایمان جس قدر زیادہ کامل اور اخلاص جتنا زیادہ مکمل ہوگا اعمال کا نور وقبول وکمال کچھ اور ہی ہوگا ۔ اور اس ایمان کا کمال اور اخلاص کی تکمیل معرفت کے ساتھ وابستہ ہے اور چوں کہ معرفت اور ایمانِ حقیقی فنا اور موت قبل الموت

سے وابستہ ہے، اس لیے جس شخص کا قدم فنا میں جتنا زیادہ راسخ ہوگا وہ ایمان میں اسی قدر زیادہ کامل ہوگا، اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان امت کے ایمان پر فوقیت لے گیا، کیوں کہ وہ فنائیت میں فردِ کامل تھے۔

اس تحریر سے مقصود اور طول کلامی سے مطلب یہ ہے کہ عقلمندوں اور ذہین لوگوں پر ضروری ولازمی ہے کہ اپنے مستقبل اور زمانۂ حال کے بارے میں اچھی طرح غور کریں، جس کسی کو مذکورہ معرفت حاصل ہے تو اس کے لیے خوشی وخوشخبری ہے، جو کچھ اس کی پیدائش سے مقصود تھا وہ بجالایا ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ o ﴾ " أي لِيَعْرِفُوْنَ " (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) یعنی تا کہ میری معرفت حاصل کرے، اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے، کیونکہ عبادت کا کمال معرفت سے وابستہ ہے اور جس شخص کو یہ معرفت حاصل نہیں ہے، اس کو چاہیے کہ اس کی طلب میں جان کے ساتھ کوشش کرے اور جس جگہ سے مطلوب کی بو پائے اس کا پیچھا کرے۔ افسوس ہے کہ اس دنیائے فانی میں جس چیز کا اس شخص سے مطالبہ کیا گیا ہے اس کو بجانہ لائے اور دوسرے امور میں مشغول ہو جائے۔

والسلام علی من اتبع الهدی.

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۷)

سیر وسلوک کا خلاصہ کے بارے میں

(بنام فیروز خان)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی .

برادرِ عزیز فیروز خان ! ان فقراء کے ساتھ آپ نے محبت ، اخلاص کا اظہار فرمایا اور باطنی تعلقات کو واضح کیا اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہیں " اَلْمَرْءُ مَعَ مَا أَحَبَّ " (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے ، جو طریقہ آپ نے اخذ کیا ہے اس کی قدر کریں ، اس پر اتنی مداومت کریں کہ یہ نسبتِ شریفہ دل کا ملکہ (صفاتِ راسخہ) ہو جائے اور حق تعالیٰ کے ساتھ حضور اس کی صفتِ لازمہ بن جائے ، جو نفی کرنے سے نفی نہ ہو سکے ، جیسا کہ سننا قوتِ سامعہ کی صفت ہے ، اور دیکھنا قوتِ باصرہ کی صفت ہے ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عنایت سے دل کو مطلوب کے ماسوا سے اس قدر بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی ہرگز یاد نہیں آتی ، نہ کسی خوشی کے ساتھ خوش ہوتا ہے اور نہ کسی غم کے ساتھ غمگین ہوتا ہے ، اس حالت کو فنائے قلبی (دل کی فنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے ، جاننا چاہیے کہ اس فنا میں اگرچہ چیزوں کا علم وسعتِ سینہ سے رخصت ہو چکا ہے اور اس کا علمی و محبت کا تعلق ما سوا (اللہ کے غیر سے) ختم ہو چکا ہے ، لیکن اس کا نفسِ حاضر اور علم حضوری میں پناہ قائم ہے ، جب عنایتِ الٰہی کی سبقت سے عارف اپنی ذات کے قدم عدم ہونے کو معلوم کر لیتا اور دیکھ لیتا ہے اور جان لیتا ہے کہ وجود اور طوالع وجود خاص رب معبود کے کمال کے اوصاف میں تضاد ہے تو اس وقت بلا شبہ سعادت کی کھڑکی اس پر کھل جاتی ہے اور مطلوب کی خوشبو اس کے دماغ میں جا پہنچتی ہے ۔

یہ دید تجلی صفات سے ہے جب یہ دید غالب آجائے تو ہوسکتا ہے کہ آیتِ کریمہ کہ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالک کو واپس دو) کہ اشارہ کے متعلق ان عاریتی کمالات یعنی طوالع وجود اور تمام صفات کو پوری طرح ان کے اہل کے سپرد کردیتا ہے اور ظلال کو اصول کے ساتھ ملا ہوا پاتا ہے اور اپنے آپ کو جو کہ ان کمالات کا آئینہ خالی اور عدمِ محض کے ساتھ ملحد دیکھتا ہے، اس پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا اس وقت حاصل ہو جاتا ہے، اور اسلام حقیقی کی طرف راہ پالیتا ہے، یہ کمال فنائے نفس کے ساتھ وابستہ ہے۔ میرے عزیز! یہ ہے سیر وسلوک کا خلاصہ اور اہلِ کمال کے حال کا ثمرہ، اس طریقہ کا سلوک سنتِ عالیہ کی پیروی اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب کے ساتھ وابستہ ہے اور شیخ مقتدی (پیر) کی محبت پر کامل استحکام کا ہونا ہے، مرید محبت کے رابطہ کے ذریعہ جو کہ وہ شیخ مقتدیٰ (پیر) کے ساتھ رکھتا ہے، لمحہ بہ لمحہ اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور اس کے کمالات کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے۔

اور کیا تکلیف دی جائے اس مکتوب (خط) کے ساتھ رضوان کا بھی خط ساتھ میں روانہ کیا جاتا ہے، انہیں پہنچا دینا، امید ہے کوئی بات سمجھ میں آجائے۔ دوستو سے دعاء کی امید ہے۔ والسلام

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۸)

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے کے بارے میں

(بنام فیروز خان)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی .

(اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور اس کے نیک بندوں پر سلام ہو)

برادر فیروز خان کو واضح ہو شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت شریعت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان تمام چیزوں پر جو حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، ایمان لانے کے بعد نفس امّارہ کی سرکشی اور طغیان کے باوجود جو اس کی طبیعت میں رکھا گیا ہے، احکامِ شرعیہ کا ادا کرنا ہے، اس مقام میں اگر ایمان ہے تو ایمان کی صورت ہے، اور اگر نماز، روزہ ادا کرتا ہے تو نماز، روزے کی صورت ہے، تمام احکامِ شریعہ اسی قیاس پر ہے، کیوں کہ نفس جو وجودِ انسان میں اپنے فکروں اور انکار پر اڑا ہوا ہے، ایمان اور اعمال صالح کی حقیقت کس طرح تصور ہو سکے، یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر جنت کی خوشخبری دی ہے، جو اس کی رضا کا مقام ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ ایمان میں تصدیقِ قلب پر کفایت فرمائی ہے اور نفس کے مان لینے کی تکلیف نہیں فرمائی۔

ہاں! جنت کی بھی صورت اور حقیقت ہے، صاحبِ صورت جنت کی صورت سے محظوظ ہوں گے، اور صاحبِ حقیقت جنت کی حقیقت سے، صاحبِ صورت اور اربابِ حقیقت جنت کے ایک ہی میوے (فروٹ) کھائیں گے، مگر صورت والوں کو اور لذت آئے گی اور حقیقت والوں کو اور۔

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنت میں ہوں گے اور ایک ہی میوے (فروٹ) کو کھائیں گے، لیکن ہر ایک کا مزہ ولذت جدا جدا ہوگا، اگر علیحدہ نہ ہوتو نبی ﷺ کے سوا تمام بنی آدم پر امہات المؤمنین کی فضیلت لازم آتی ہے، اور لازم آتا ہے کہ جو شخص دوسرے شخص سے افضل ہو اس کی بیوی بھی اس دوسرے شخص سے افضل ہو، تو معلوم ہوا کہ صاحبِ صورت والوں کو اور لذت آئے گی اور صاحبِ حقیقت والوں کو اور۔ شریعت کی یہ صورت بشرط آخرت کی فلاح ونجات اور جنت میں داخل ہونے کا موجب ہے، جب شریعت کی صورت درست ہوگئی، تو گویا ولایتِ عامہ (عام ولایت) حاصل ہوگئی ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے)۔

اس وقت سالک حق تعالیٰ کی عنایت سے اس بات کے لائق ہو جاتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایتِ خاصہ کی طرف توجہ کرے اور نفس کو امّارہ پن سے اطمینان کے درجہ تک لے جائے، لیکن یاد رہے کہ اس ولایت تک پہنچنے کی منزلوں کا طے کرنا بھی شریعت کے اعمال پر وابستہ ہے، ذکر الٰہی جو اس راہ میں سب سے بہتر وعمدہ ہے شرعی امور میں سے ہے اور برائی سے بچنا بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے اور فرائض کا ادا کرنا مقربات سے ہے، اور راہ میں رہنما پیر کا طلب کرنا بھی، تاکہ وسیلہ ہو سکے، شرعی امور ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الوَسِيْلَةَ ﴾ (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو) شریعت سے چارہ نہیں، خواہ شریعت کی صورت ہو، خواہ شریعت کی حقیقت ہو، کیوں کہ ولایت ونبوت کے تمام کمالات کی جڑ احکامِ شرعی ہے، کمالاتِ ولایت صورتِ شریعت کا نتیجہ ہے اور کمالاتِ نبوت حقیقت کا ثمرہ ہے۔ ان شاء اللہ آگے بیان کیا جائے گا۔

ولایت کا مقصد طریقت ہے، جہاں ماسوا کی نفی مطلوب ہے اور غیر کا رفع مقصود ہے، جب حق تعالیٰ کے فضل سے ماسوا بالکل نظر سے دور ہوجاتا ہے، اور غیر کا نام ونشان نہیں

رہتا تو فنا حاصل ہوجاتی ہے اور مقامِ طریقت ختم ہوجاتا ہے اور سیر الی اللہ تمام ہوجاتا ہے، اس کے بعد مقامِ اثبات میں سیر ہوجاتی ہے، جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مقامِ بقاء ہے، جو حقیقت ہے جو ولایت سے اعلیٰ مقصد ہے اس طریقت وحقیقت پر جو فنا و بقاء ہے ولایت کا اسم (اس کو ولایت کہتے ہیں) صادق آتا ہے اور نفسِ امّارہ مطمئنّہ ہوجاتا ہے، اور انکار سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ سے راضی ہوجاتا ہے اور مولیٰ اس سے راضی ہوجاتا ہے۔

جب حق تعالیٰ کے فضل سے نفس مقامِ اطمینان (مطمئنّہ) میں آجاتا ہے اور حکمِ الٰہی کے تابع ہوجاتا ہے تو اسلامِ حقیقی میسّر ہوجاتا ہے اور ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے، بعد میں جو بھی عمل میں آئے گا شریعت کی حقیقت ہوگی۔ اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہوگی اور اگر روزہ یا حج ہے تو وہ روزہ و حج کی حقیقت ہوگی، دوسرے احکام کا ادا کرنا بھی اسی قیاس پر ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ سلوک دو قسم پر منقسم ہے: سلوکِ نبوت اور سلوکِ ولایت، کمالاتِ نبوت میں بھی عروج کے وقت حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے، جس طرح مرتبۂ ولایت میں۔ نبوت میں نزول کے وقت ولایت کی طرح خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے، البتہ اس قدر فرق ہے کہ ولایت میں ظاہر میں خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور باطن میں حق کی طرف، نبوت کے نزول میں ظاہر و باطن خلق کی طرف متوجہ اور کلی طور پر ان کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرتے ہیں، یہ نزول ولایت کے نزول سے اکمل ہے، خلق کی طرف ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے، جیسے لوگوں نے گمان کیا ہے، بلکہ عوام کی توجہ خلق کی طرف ان کی اس گرفتاری کے باعث ہوتی ہے، جو ماسوا (جیسے بیوی، بچے وغیرہ) کے ساتھ رکھتے ہیں اور اخص خواص کی توجہ خلق کی طرف ماسوا کی گرفتاری کے باعث نہیں ہے، کیوں کہ یہ بزرگوار ماسوا کی گرفتاری کو پہلے ہی قدم میں چھوڑ جاتے ہیں اور اس کی جگہ

خلق کے خالق کی گرفتاری اختیار کر لیتے ہیں، بلکہ ان بزرگوں کی توجہ خلق کی ہدایت وارشاد کے لیے ہے، تا کہ خلق کی خالقِ حق تعالیٰ طرف رہنمائی کرے۔

اولیاء اللہ کے حجاب و پردے ان کی بشری صفات ہیں، جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، ان بزرگوں کو بھی ہوتی ہے، ان کا ولی ہونا انہیں ضرورت سے بری نہیں کرسکتا، ان کی ناراضگی بھی عام آدمیوں کی ناراضگی کی طرح ہوتی ہے اور خود جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں'' جب آپ حضرت ﷺ کی یہ کیفیت ہے تو اولیاء اللہ کیوں کر اس سے بری ہو سکتے ہیں؟ کھانے پینے اور اہل وعیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرنے میں اولیاء اللہ اور باقی شریک ہیں۔

حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا ﴿ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ﴾ (ہم نے ان کے جسم کو بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں) ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پس جس کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے، وہ نعمتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے اور دنیا وآخرت کا نقصان اٹھاتا ہے، اسی ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولتِ اسلام سے محروم رکھا اور ابدی نقصان میں ڈالا باسعادت وہی شخص ہے جو اہلِ رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا، بلکہ اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے اور صرف ان کے باطن ہی کو دیکھتے ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر صفاتِ بشریت کا ظہور (ظاہر) اہل اللہ میں ہوتا ہے، باقی آدمیوں میں نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور صاف مقام پر میل کچیل اور تاریکی، خواہ تھوڑی بھی ہو تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے، صفاتِ بشریت کی تاریکی عوام کے قلب و قالب اور روح ونفس میں سرایت کرتی ہے، لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخاص میں نفس بھی

اس تاریکی سے بری ہوتا ہے، صرف قالب تک محدود رہتی ہے، اگر یہ تاریکی نہ ہوتی تو خواص کوعوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کی راہ بند ہوجاتی، یہ تاریکی خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی کہ انہیں میلا کردے۔عوام جو دھوڑ، ڈگڑوں کی طرح ہیں وہ اہل اللہ کی صفاتِ بشری کو اپنی صفاتِ بشری کی طرح خیال کرتے ہیں، اس واسطے محروم وخوار رہتے ہیں، ہر مقام کی خصوصیتیں علیحدہ ہوتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ طریق دو قسم پر منقسم ہے: طریقۂ سلوک اور طریقۂ جذب۔ کبھی وصول الی اللہ پہلے ہوجاتا ہے پھر شوقِ عبادت و ریاضت پیدا ہوتا ہے، اس کو'' طریقۂ جذب'' کہتے ہیں، اور کبھی اول ذکر، عبادت، ریاضت ہوتی ہے، پھر وصول الی اللہ میسّر ہوتا ہے، اس کو'' طریقۂ سلوک'' کہتے ہیں۔ اور سلوک دو قسم پر ہوتا ہے: ایک سلوکِ نبوت اور سلوکِ ولایت، اور ہر ایک کے آثار وخواص جدا جدا ہیں، جو ہم لکھتے ہیں اولیاء اللہ میں سے کسی پر کسی وقت فیض نبوت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیض ولایت کا۔

آثارِ سلوک وولایت

(۱) طریقۂ ولایت والے کھانے پینے میں تکلّفاً کمی کرتے ہیں۔

(۲) خلق سے نفرت کرتے ہیں۔

(۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے، جب تک واجب نہ ہو۔

(۴) ان کو اپنے کشف اور تحقیقات پر اطمینان ہوتا ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں، اگر خلافِ شریعت نہ ہو۔

(۵) ان پر ذوق، شوق غالب ہوتا ہے اور عبادت میں لذتِ طبعیہ آتی ہے۔

(۶) اہتمام سے دعاء نہیں مانگتے۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ طبعًا محبت کرتے ہیں، مگر اعتقادِ فضیلت ترتیب سے ہوتا ہے۔

(۸) شیخ کو سارے جہاں سے افضل سمجھتے ہیں اور اس پر فریفتہ ہوتے ہیں۔

(۹) ان سے شریعت میں کبھی تسامح بھی ہوجاتا ہے اور وہ معذور ہے۔

(۱۰) ان پر سکر (عالم بےخودی) غالب ہوتی ہے۔

(۱۱) ان پر حب عشقی غالب ہوتی ہے۔

(۱۲) سلوکِ ولایت کی انتہاء مقامِ رضا یا فناء الفناء ہے۔

آثارِ سلوک و نبوت

(۱) طریقۂ نبوت والے قصداً کمی نہیں کرتے، جو ملتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں۔

(۲) خلق کی طرف ہدایت وارشاد کے لیے رغبت کرتے ہیں، لیکن خلق سے جی نہیں لگتا۔

(۳) امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہر حال میں کرتے ہیں۔

(۴) ان پر ادب غالب ہوتا ہے، جیسا کہ صاحبِ شریعت سے منقول ہوتا ہے، اس پر اپنی طرف سے بذریعۂ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے، اگرچہ وہ زیادت خلافِ شریعت نہ ہو۔

(۵) ان پر ذوق، شوق غالب نہیں ہوتا، بلکہ عبادت میں بھی طبعی مزہ نہیں آتا، یعنی اگر نہ آوے دلگیر نہیں ہوتے، محض حکم سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔

(۶) حکم باری تعالیٰ "اُدْعُوْنِیْ" دعاء مانگنا فرض سمجھتے ہیں۔

(۷) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

(۸) افضلیت کا یقین نہیں کرتے، محبت کرتے ہیں۔

(۹) یہ شریعت پر بڑی پختگی سے عمل کرتے ہیں۔

(۱۰) ان پر صحو (یعنی ہوشیاری) غالب ہوتی ہے۔

(۱۱) ان پر حبِ ایمانی غالب ہوتی ہے۔

(۱۲) سلوکِ نبوت کی انتہاء مقامِ عبودیت ہے۔

" وَالْأَمْرُ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ " (پوری حقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں)۔

یا اللہ! تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر۔

والسلام

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۹)

حق تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں

(بنام فیروز خان)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی .

فیروز خان۔

میرے عزیز! اس کائنات پر حق تعالیٰ کا قبضہ اتنا کامل ہے کہ اس کو الفاظ میں بتانے کے لیے الفاظ ہی کوئی نہیں، ایک مثال سے سمجھایا ہے ﴿ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ ﴾ تم دنیا کے سارے درخت کاٹ کے قلم بناؤ اور جو آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے درخت آئے جو کٹ گئے، جل گئے وہ سب بھی جمع کرلو اور جو آئندہ قیامت تک آنے والے درخت کو بھی جمع کرلو، ان سب کو کاٹ کے قلم بناؤ اور ساتوں سمندر کو سیاہی بنالو اور تم سب بیٹھ جاؤ سارے دنیا کے انسان، جنات، فرشتے اور اللہ کی تعریف لکھنا شروع کریں، سب اپنی طاقت کے مطابق لکھے، ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ ساتوں سمندر ختم ہو جائیں گے، لیکن تیرے اللہ کی تعریف ختم نہیں ہوگی، اتنے سمندر اور بھی لے آؤ پھر بھی تعریف ختم نہیں ہوگی۔

آج لوگ جنت کو تو کھول کر بیان کرتے ہیں، اس کی نعمتوں کو بیان کرتے ہیں، لیکن اس کے بنانے والے کی طاقت کو، اس کی قدرت کو، اس ذات کو کوئی بیان نہیں کرتا، اس کا علم کیسا کامل، اس کا دیکھنا کتنا کامل ہے، سارے خزانے اس کے، سارے لشکر اس کے ﴿ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ (اللہ ہی کے سارے لشکر ہیں) ﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ﴾ (اللہ کے لشکر کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔ جب حضور ﷺ معراج پر گئے تو چوتھے آسمان پر پہنچے تو ایک لشکر آپ کو گزرتا ہوا نظر آیا، ان کے جسم اتنے

لمبے چوڑے تھے کہ سر سے پیر تک چلا جائے تو ہزار سال لگ جائے، وہ جا رہا ہے، آپ ﷺ نے آگے دیکھا تو کوئی سرا نہیں، پیچھے دیکھا تو کوئی سرا نہیں، نہ شروعات نظر آتی ہے، نہ اس کا آخری حصہ، آپ نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! جب سے میں وحی لے کر اتر رہا ہوں اور آسمان پر چڑھ رہا ہوں، میں اس لشکر کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں، آج تک مجھے اس کے اول اور آخر کا پتہ نہیں چل سکا، اور پھر یہ آیت پڑھی ﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ﴾ (تیرے رب کے لشکروں کو بس تیرا رب ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا)۔ اگر اس کی طاقت ہے تو اس کی کوئی حد نہیں، اللہ کا علم ہے تو اس کی کوئی حد نہیں، اللہ کی پکڑ ہے تو اس کی کوئی حد نہیں، اللہ کی رحمت ہے تو اس کی کوئی حد نہیں، اس کا دینا ہے تو اس کی کوئی حد نہیں، کس کس طرح اس کو لایا جائے الفاظ میں اس کی کوئی حد نہیں ﴿ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ﴾۔

والسلام علی من اتبع الھدی .

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۱۰)

تصوف کی چار سیروں کے بارے میں

(بنام عارف ملتانی)

باسمہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حق تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سنتِ محمدیہ ﷺ کی تابعداری پر استقامت عطا فرمائے۔

اے بھائی! جاننا چاہیے یہ راستہ چار سیروں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) **سیر الی اللہ**: اس میں سالک اپنے آپ کو اور تمام موجودات کو مٹاتا ہے اور ایک ذاتِ حق کو ثابت کرتا ہے، سیر کے اس دائرہ کو دائرۂ امکان (مجموعہ لطائف عالم خلق وامر) کہتے ہیں۔ اور اس مقام کو مقامِ فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے صاحب پر ولی کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(۲) **سیر فی اللہ**: اب ولایتِ صغریٰ میں وہ سیر شروع ہوتی ہے، جو اولیاء اللہ کی ولایت ہے۔ پہلی سیر الی اللہ ولایتِ کبریٰ اور انبیاء علیہم السلام کی ولایت خیال کرتے ہیں، اور اسی حالتِ سکر میں ''أنا اللہ'' کہہ بیٹھتے ہیں، حالاں کہ حق تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے، ولایتِ صغری میں سالک اسماء وصفاتِ الٰہی کے ظل کی سیر کرتا ہے، دائرہ ظلال کے قطع کرنے کے بعد اسماء وصفاتِ الٰہی میں مسمّٰی کے لحاظ کے بغیر سیر کرتا ہے، جس کو ولایتِ کبریٰ، یعنی انبیاء علیہم السلام کی ولایت کہتے ہیں، یہ ولایتِ کبریٰ کے نیچے کا نصف حصہ ہے، جو اسماء وصفاتِ زائدہ کو شامل ہے۔ سیر واقع ہوتی ہے، یہ ولایتِ ملأ اعلیٰ، یعنی فرشتوں کی ولایت کہلاتی ہے اور ان تینوں ولایتوں میں خاک کے سوا باقی تینوں عناصر: آگ، ہوا، پانی موردِ فیض ہوتے ہیں، ان تینوں ولایتوں کے حاصل ہونے پر فنائے

نفس حاصل ہو جاتی ہے، اس کے بعد محض فضل خداوندی سے کمالاتِ نبوت، رسالت اور اولوالعزم میں سیر واقع ہوتی ہے، جس میں عنصرِ خاک کا زیادہ حصہ ہے، اسی ولایتِ سہ گانہ کے کمالات کی سیر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور اسی مقام کو مقامِ بقاء کہتے ہیں۔

(۳) **سیر عن اللہ باللہ:** مستہلکین جو ہر وقت مشاہدہ جمالِ الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں، سیر فی اللہ کے تمام کرنے کے بعد سالکین کے دو گروہ (گروپ) ہو جاتے ہیں: (۱) مستہلکین: یعنی وہ لوگ جو ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو گئے اور جمالِ الٰہی کے مشاہدہ میں ہی رہ گئے۔ (۲) راجعین الی الدعوۃ: ان کو واپس مقامِ قلب میں لایا جاتا ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ میرے بندوں کو اسی راستہ سے جس سے تم آئے ہو میری طرف لاؤ اور مخلوق کے ساتھ میل جول رکھو، تمہارا مشاہدہ اب بند نہ ہوگا، کیوں کہ سالک تعلیم و تلقین اور ترغیب سے مریدوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور اس تعلیم میں حق تعالیٰ اپنا مشاہدہ اس کو دیتا رہتا ہے، تو اس حالت میں سالکِ ہادی کا ہر فعل باعثِ مشاہدہ ہوتا ہے۔ پس اس قسم کے صاحبِ دولت کو جب دنیا کی طرف لانا چاہیں اور مخلوق کو اس کے وجودِ شریف کی برکت سے نفسانی اندھیروں سے نکالنا چاہیں تو اس کو صوفیوں کی اصطلاح میں سیر عن اللہ باللہ کے طریقہ پر جہان کی طرف لے آتے ہیں۔

(۴) **سیر فی الاشیاء باللہ:** سالک کی چوتھی سیر ہے، جو رجوع کے بعد اشیاء میں ہے، اور سیر اوّل میں جو اشیاء کے علوم بالکل مٹ گئے تھے، اب پھر ایک کے بعد دیگر حاصل ہو جاتے ہیں اور سالک بظاہر کلی طور پر مخلوق کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے، اور اگرچہ ظاہر میں اس کے تمام افعال عوام کی طرح دنیا کی مشغولی میں گزرتے ہیں، لیکن وہ اصل اس شعر کا مصداق ہوتا ہے ''اپنے باطن میں ذاتِ حق سے واقف ہو جا اور ظاہر میں بے گانوں کی طرح رہ'' اور اس قسم کے طریقہ والے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ راجعین کو مخلوق کی طرف لوٹا کر ان کی اصلاح میں مشغول کر دیا جاتا ہے اور عام مخلوق

کے ساتھ ان کے ساتھ ظاہر کو خلط ملط کر کے احکامِ شرعیہ ان کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے جاتے ہیں، اس کی توجہ تمام تر مخلوق کی طرف ہوتی ہے، لیکن اس کو مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری نہیں ہوتی، اگرچہ ظاہر میں وہ مبتدی (یعنی فسٹ سٹیپ پر چلنے والا) کا شریکِ حال ہے، لیکن گرفتاری اور عدم گرفتاری میں بڑا فرق ہے، اور مخلوق کی طرف توجہ کرنا اس منتہی (تمام ہونے والا) کے حق میں بے اختیاری ہے اور اس میں وہ اپنی رغبت کچھ نہیں رکھتا، بلکہ اس توجہ میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے، برخلاف مبتدی کے اس میں اپنی ذاتی رغبت اور حق تعالیٰ کی نا رضامندی ہے، اس سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں، شرافت مستہلکین کے لیے ہے اور فضیلت راجعین کے لیے ہے۔

جس قدر کسی کا عروج کامل ہوگا رجوع بھی اسی قدر کامل ہوگا اور جس قدر کوئی شخص شریعت وسنت کی پیروی کرے گا اور تقویٰ میں کمال پیدا کر کے خالص اللہ کی عبادت کرے گا اتنا ہی عروج و رجوع کامل ہوگا ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَآءُ ﴾۔

والسلام

یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۱۱)

مرید اور مراد کے بارے میں

(بنام عارف ملتانی)

باسمہ تعالی

الحمد لله الذي أَدَّبَنا بالآدابِ النَّبوِيَّة ، وَهَدَانَا بِأَخْلَاقِ المُصْطَفٰى ﷺ .

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو آدابِ نبوی کے ساتھ مؤدب بنایا اور اخلاق مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہم کو ہدایت دی۔

جاننا چاہیے کہ اس راہ (تصوف) کے سالک دو حال سے خالی نہیں: یا مرید ہے یا مراد۔ اگر مراد ہے تو ان کے لیے مبارک بادی ہے، محبت و جذب کی راہ میں ان کو کھینچ کھینچ کر لے آئیں گے اور مطلب اعلیٰ تک پہنچا دیں گے، اور جو ادب ان کے لیے درکار ہوگا بے وسیلہ یا بلا وسیلہ ان کو سکھا دیں گے۔ اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے گی تو ان کو جلدی سے اس سے آگاہ کر دیں گے، اور حق تعالیٰ ان پر اس کا مؤاخذہ نہ کریں گے، اور اگر پیر (شیخ) ظاہر کی ان کو حاجت ہوگی تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت کی طرف ان کی رہنمائی کریں گے۔

غرض! حق تعالیٰ کی عنایت ان بزرگواروں کے شاملِ حال ہوتی ہے بسبب یا بے سبب ان کے کام بنا دیتے ہیں ﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے)۔

اور اگر مرید ہے تو کامل مکمل پیر (شیخ) کے وسیلہ کے بغیر ان کا کام دشوار ہے۔ پیر ایسا ہونا چاہیے جو جذب اور سلوک کی دولت سے مشرف ہوا ہو اور فنا و بقاء کی سعادت سے بہرور ہوا ہو۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کو انجام تک پہنچایا ہو اور اس کا جذب اس کے

سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت سے تربیت یافتہ ہو تو اس کا وجود نعمت ہے، اس کا کلام دوا اور اس کی نظر شفاء ہے، مردہ دل اس کی توجہ سے زندہ ہوتے ہیں۔

اگر حق تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا کامل مکمل پیر (شیخ) مل جائے تو چاہیے کہ اس کے وجود کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالہ کر دے اور اپنی سعادت اس کی رضامندی میں اور اپنی بدبختی اس کی ناراضگی میں جانے۔ غرض! اپنی خواہش کو اس کی رضاء کے تابع بنا دے۔

جاننا چاہیے کہ صحبت کے آداب اور شرائط کو مدِّنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے، تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے، ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ بعض ضروری آداب و شرائط لکھے جاتے ہیں:

طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر (شیخ) کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں اس کے اذن (اجازت) کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہو، اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے رہے، حتی کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں نماز فرض وسنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے، جب دنیا کے وسائل کے لیے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہے تو وصول الی اللہ کے وسائل کے لیے ان آداب کی رعایت نہایت ہی کامل طور پر ضروری ہوگی، اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ بھی کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سایہ پر پڑتا ہو اور اس کے مُصلّٰی پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ میں طہارت نہ کرے، اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے حضور میں پانی نہ پئے، کھانا نہ کھائے، اور کسی سے گفتگو نہ کرے، بلکہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو اور تھوک بھی اس طرف نہ پھینکے، اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب و بہتر جانے، اگرچہ بہتر معلوم نہ ہو، کیوں کہ جو کچھ وہ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ

تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں اس کا الہام میں خطاء کا ہونا ممکن ہے، لیکن خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی طرح ہے اور ملامت واعتراض اس پر جائز نہیں، اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو بے توقف عرض کردے اگر حل نہ ہو، اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب نہ کرے، اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے، بے ادبی میں داخل ہے۔

بس یہ کچھ آداب لکھے ہیں، حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۱۲)

بچے کی موت پر تعزیت کے بارے میں

(بنام عارف ملتانی)

باسمہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بچی کے انتقال سے صدمہ ہوا، حق تعالیٰ اس کی والدہ کے لیے فرط اور ذخیرہ عظیمہ بنائے۔ آمین

میرے عزیز! اولاد کی محبت یوں تو طبعی ہے، مگر غور وتدبر سے دیکھا جائے تو موجب شکر وسرور (خوشی) ہے، چوں کہ اولاد سے مختلف قسم کے دنیاوی منافع کی امید ہوتی ہے، اس لیے ان کے مرنے سے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے، مگر غور سے کام لیا جائے تو مرنا اور خصوصاً اس زمانہ میں زندہ رہنے سے زیادہ خوشی کا باعث ہے، زندہ رہنے والی اولاد بہت سے دنیاوی زندگی میں کارآمد ہوسکتی ہے، وہ بھی اس وقت ہے جب اولاد صالح اور قابل ہو جو کہ اس زمانہ میں شاذ ونادر ہے، دیکھا یہی جاتا ہے کہ اولاد بڑی ہونے کے بعد بھی ماں باپ کے لیے روح کو تکلیف پہنچانے والی ہوتی ہے، مگر ذرا مرنے والی نابالغ اولاد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں، حسبِ ارشاد نبی کریم ﷺ جو کہ نہایت صحیح اور مستند احادیث کے مضامین سے مفہوم ہوتا ہے ”نابالغ مرنے والے بچے ماں باپ کے لیے دوزخ سے بچانے والے اور حجاب ہوں گے“ یہاں تک فرمایا گیا کہ جو حمل ساقط ہوگیا ہو وہ بھی اپنے ماں باپ کے لیے حق تعالیٰ سے جھگڑا (لڑیں گے) کریں گے اور بالآخر رحمتِ الٰہی حاصل کر کے اس خطاب کا مستحق ہوگا ” أيها الساقط المراغم ربه أخرج أبويك من النار “ (یعنی اے ساقط ہوجانے والے حمل اپنے پروردگار سے بہت جھگڑا (لڑیں گے) کرنے

والے! جا اپنے ماں باپ کو دوزخ سے نکال لے) اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں، جن میں صبر اور شکر کی بھی بعض مقام پر شرط ہے۔ اب خیال کیجیے کہ آخرت کی زندگی ایک پائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اس کے حصول کے لیے یہ مرجانے والی اولاد بالخصوص جب کہ صبر اور شکر سے کام لیا گیا ہو، تریاق کا کام دینے والی ہے اور آخرت کا عذاب وہ عذاب ہے کہ دنیا کی جملہ انواع کی تکالیف ایک طرف اور آخرت کے عذابوں کی ایک قسم کی تکلیف چند منٹوں کی ایک طرف ہو تو یہ آخرت والی تکلیف غالب آجائے گی اور یہ مرنے والی اولاد آخرت کے تمام عذابوں سے بچانے والی ہے، لہٰذا یہ فقیر سمجھتا ہے کہ اگر کسی کو دنیا میں بچپن میں ایک یا زیادہ اولاد کے مرنے کی صورت پیش آگئی ہو تو اس کو بہت خوش ہونا چاہیے کہ الحمد للہ ہماری مغفرت کا سامان حق تعالیٰ نے پیدا کر دیا اور یہ اولاد ہماری ہم سے پہلے بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئی۔ ہمارا خاتمہ حق تعالیٰ ایمان پر کردے، تو اس سے بڑھ کر ہمارے لیے کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔

دوسری بات غور کرنے کی یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت رکھتا ہے تو ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جب تک اس کی امانت اس کو واپس نہیں دی جاتی بوجھ ہلکا نہیں ہوتا، ہم کو جو کچھ اس دارِ فانی میں عطا کیا گیا ہے وہ سب حق تعالیٰ کی امانت ہے، خصوصاً اولاد جس کی پرورش تعلیم وغیرہ ہم پر لازم ہوتی ہے اور کمی کرنے کی صورت میں ہر وقت مواخذہ (پوچھ تاچھ) کا کھٹکا سر پر رہتا ہے، اس امانت کا رکھنے والا جب اپنی امانت کو واپس لیتا ہے تو ہم اگر رنجیدہ خاطر ہوں تو آپ ہی بتائیں کہ ہم خائن کہلانے کے مستحق ہوں گے یا امانت دار؟ اور کیا ہم عتاب کے مستحق ہوں گے یا ثواب کے؟

افسوس ہے کہ کس قدر قبیح اور شدید غلطی میں مبتلا ہیں، ہم امانتوں کو اپنی ملک (مالکی کی چیز) اور کفرانِ نعمت کو شکر اور احسان کو کفران سمجھتے ہیں۔ اولاد کا مرنا خوشی کا مقام تھا، رنج کرنا سراسر غلطی ہے، خود بھی خوش ہوئیے اور بچی کی والدہ کو بھی مطمئن کیجیے، یہ قلق

اور بے چینی غیر اللہ سے دل لگانے کا نتیجہ ہے﴿ إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾دل صرف محبوبِ حقیقی سے لگانا چاہیے، باقی اور دائم رہنے والے سے دل لگائیے اور اس کی یاد میں محور ہیے۔حقوقِ شرعیہ سب کے سب ادا کیجئے،مگر محبت صرف حق تعالیٰ سے رکھئے۔

والسلام علی من اتبع الھدی .

فقیر یوسف احمد نقشبندی

مکتوب نمبر (۱۳)

فنا و بقاء کے بارے میں

(بنام عارف ملتانی)

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی .

یہاں کے احوال حمد کے لائق ہے، امید ہے کہ برادر عارف آپ جناب بھی عافیت سے ہوں گے۔

میرے عزیز! صوفیائے کرام حقیقی حق تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنے اور ان کا شکر ادا کرنے اور لوگوں کو عمل کی ترغیب دینے کے لیے (ان) نعمتوں کو جو حق تعالیٰ نے ان پر کی ہیں بیان کیا کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کو بھی یہ برکت حاصل ہو جائے ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (جن لوگوں نے ہمارے واسطے مشقت اٹھائی ہے، ہم ان کو اپنے راستے ضرور بتلا دیں گے) بہرحال ان وجوہ سے صوفیاء اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان تو کرتے ہیں، مگر نعمت کا بیان کرنے والا بس یوں کہے گا کہ حق تعالیٰ نے مجھے فلاں بات کی خبر دی اور فلاں علم عطا فرمایا اور مجھے اس قسم کی خیر و برکت سے نوازا ہے، یوں بھی نہ کہے گا تم سے اچھا ہوں، بزرگ ہوں، بھلا مجھے تم سے کس بات نے اچھا کر دیا؟ جو کچھ ہے محض اللہ کا فضل ہے۔

عارفین اللہ کی نعمتیں بیان کرتے ہوئے اس سے بہت ڈرتے ہیں کہ یہ نعمتیں تکبر و غرور میں مبتلا نہ کردے، کہ اس صورت میں وہ قہر کے مصداق ہوں گے، اگر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ o ﴾ (میرا شکر کرو اور ناشکری مت کرو) ﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ o ﴾ (اور تیرے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہنا)۔ یہ آیتیں نہ ہوتیں تو عقلمند آدمی تو اپنا منہ سوئی سے سی لیتا اور کبھی کسی کا ذکر نہ کرتا، مگر شکر نعمت واجب

ہے اور شکر کا طریقہ نعمت کو بیان کرنا ہے، اس لیے مجبوراً بیان کرتا ہے، اور وہ عجب و کبر سے اپنے آپ کو بچاتا رہتا ہے۔

میرے عزیز! بیعت ہونے کے بعد شاید آپ سرد پڑ گئے ہیں، سستی اور غفلت میں پڑ گئے ہیں، طریقت میراث نہیں ہے، شجرہ پڑھنے کا نام طریقت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے، دل میں حق تعالیٰ کے اسرار اور اس کے قرب کی برکت کیوں کر ڈالی جائے کہ وہ تو دوسرے حجابوں میں گرفتار ہو کر حق تعالیٰ سے غافل ہو رہا ہے، جس کو تم نیکی سمجھتے ہو وہ دراصل حجاب ہے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ o﴾ (ہم نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا) " لیعبدون " کی تفسیر " أي ليعرفون " مطلب معرفت سے کی گئی ہے تو اس آیت کا مطلب ہوا '' ہم نے جنات اور انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا'' یہ عقل کس کام کی جو نورِ معرفت سے کوری ہو؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے تو ایک اعرابی (دیہاتی) کو مسجد میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہا ہے، اے اللہ! میں آپ سے ایک بکری مانگتا ہوں اور دوسری طرف ایک کونہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ یوں عرض کرر ہے تھے، اے اللہ! میں آپ سے آپ کو مانگتا ہوں، دونوں کی مرادوں میں کتنا فرق ہے؟ دونوں کی ہمتوں میں کتنا فاصلہ ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ سے دنیا نہیں مانگنی چاہیے، ہر چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے، ہمت کو بلند کر لے، اللہ سے اللہ ہی کو مانگے، جب وہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ آرزوئیں لوگوں کی عقلوں سے کھیل رہی ہیں، دنیا سے آگے لوگوں کی عقل و ہمت بڑھتی ہی نہیں۔

آپ جان لیں کہ فنائے قلب (دل) حق تعالیٰ کے ما سوا کے نسیان (بھلانا) اور غیر اللہ کا خیال دل میں نہ آنے سے عبارت ہے، اس قلب کی بقاء اس چیز کے ساتھ ہے،

جس کے ظہور سے اس قلب کی فنا حاصل ہوئی ہے اور وہ چیز دل پر حق تعالیٰ کی تجلی فعل کا ظہور ہے، جب تجلی فعل کے ظہور سے قلب فانی ہوجاتا ہے اور اس فنا میں سالک کے فعل کی نفی ہوجاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلوب الفعل پاتا ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ کے فعل سے باقی ہوجاتا ہے، اس کے بعد فنائے روح ہے اور فنائے روح حق تعالیٰ کی تجلی صفات کے ظہور سے حاصل ہوتی ہے اور بقائے روح بھی انہیں صفاتِ قدس کے ساتھ ہوتی ہے، اس کے بعد فنائے ''سر'' اس کے بعد فنائے ''خفی'' ہے، اس کے بعد فنائے ''اخفیٰ'' ہے، یہ تو مختصر ذکر کردیا ہے جب سیر یہاں تک پہنچ جاتی ہے، تو ولایت عالمِ امر کے درجات اپنی انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں، یہ لطائفِ خمسہ (پانچ لطائف) مرتبۂ ولایت میں ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ کا فضل مدد فرمائے تو عالمِ خلق کے لطائفِ خمسہ کے کمالات میں سیر شروع ہو جائے گی، جو کہ نفسِ انسانی اور عناصرِ اربع ہے اور عالمِ خلق کے یہ لطائفِ خمسہ عالمِ امر کے لطائفِ خمسہ کی اصل ہے، لطیفۂ نفس کا معاملہ قلب کے معاملہ کی اصل ہے اور لطیفۂ ہوا کا معاملہ لطیفۂ روح کے معاملہ کی اصل ہے اور لطیفۂ پانی کا معاملہ لطیفۂ سر کے معاملہ کی اصل ہے اور لطیفۂ آگ کا معاملہ لطیفۂ خفی کے معاملہ اصل ہے اور لطیفۂ خاک کا معاملہ لطیفۂ اخفاء کے معاملہ کی اصل ہے۔

جاننا چاہیے کہ فنا کا فائدہ صفاتِ بشریہ کا زائل اور شرکِ خفی کا رفع ہونا ہے، ولایتِ خمسہ کے مرتبۂ میں اس شرک خفی کے رفع سے چارہ نہیں ہے اور جس قدر یہ لطائف زیادہ لطیف و نورانی ہوں گے ان کا شرک اسی قدر زیادہ خفی ہوگا اور اس شرک کا رفع کرنا اسی قدر زیادہ دقیق ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ بعض شخصوں کو فنائے قلب و روح حاصل ہوجائے اور فنائے سر حاصل نہ ہو اور بعض کو فنائے سر حاصل ہوجائے اور ان دونوں لطیفوں خفی و اِخفاء کی فنا حاصل نہ ہو جو کہ اس کے بعد ہے اور اس کو انہیں تین لطیفوں ''لطیفۂ قلب، روح اور سر'' پر اکتفاء ہو اور وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہو، لیکن جب کل قیامت کے روز

ان لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ کے حقائق جلوہ گیر ہوں گے تو جو لطائف کہ اس دنیا فنا وبقاء کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہوں گے وہ وہاں پر اس فنا و بقاء کے مناسب نتائج سے کامل فائدہ حاصل نہیں کریں گے ﴿ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيْلًا ٥ ﴾ **(جوشخص اس (دنیا) میں اندھا رہا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا)۔**

والسلام علی من اتبع الھدی .

فقیر یوسف احمد نقشبندی

شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ

حمد کل ہے یا الٰہی تجھ خدا کے واسطے
اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے

نور حق سے کر منور روح ایماں کر نصیب
رہبرِ بر حق محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے

نبی کی طاعت میں الٰہی رکھ مجھے تو جا فدا
حضرتِ صدیق اکبرؓ با صفا کے واسطے

مغضوب کر نہ ضال کر دکھا دے راہِ مستقیم
حضرتِ سلمان فارسؓ حق فدا کے واسطے

عِلمِ دین دے فہم دین دے فہم مومن کر نصیب
پوتے یارِ غار قاسمؒ پور صفا کے واسطے

دولتِ رشد و ہدایت کر عنایت اے کریم
حضرتِ جعفر صادقؒ آل مجتبیٰ کے واسطے

دین قیوم پر عنایت استقامت کر الٰہی
حضرت شیخ بایزیدؒ ذو العلی کے واسطے

یا الٰہی حال میرے پر نگاہِ خاص کر
شیخ خرقہ ابوالحسنؒ سے اصفیاء کے واسطے

بر و تقویٰ کر عنایت دولتِ اخلاص دے
شیخ ابوالقاسمؒ غرغہ با وفا کے واسطے

بنا نہ مجھ کو غافلوں میں فکرِ فردا کر نصیب
قطبِ عالم بوعلی شاہؒ پارسا کے واسطے

نورِ وحدت میرے دل میں کر الٰہی جاگزیں
شیخ یوسف شاہؒ حمدہ پور ضیاء کے واسطے

اپنے در کی یا الٰہی کر گدائی تو نصیب
عبد الخالق غزدوانیؒ حق نما کے واسطے

دوئی کے سب نقش دھو دے میرے دل سے اے کریم!
محمد عارفؒ مردِ حق سے دل رُبا کے واسطے

نفس نفس لے نام تیرا ایسا پاس انفاس دے
فگنوی محمودؒ خواجہ خوش ادا کے واسطے

بے بسر مہجور ہوں میں وصل اپنا کر نصیب
عزیزہ علی رایمتنیؒ شمس الضحیٰ کے واسطے

دشمنِ شے شور میرے نفس کو مغلوب کر
نفس کشا بابا سماسیؒ ذی لقاء کے واسطے

حسن باطن سے الٰہی کر مجھے تو سرفراز
شاہ کلالؒ مردِ برحق پور سخا کے واسطے

بار جس سے پا سکوں وہ سوز مجھ کو کر نصیب
بہاؤ الدین نقشبندؒ سے بے بہا کے واسطے

تر تپ طلب ہو دل میں تیری ما سوا کو چھوڑ دوں
علاء الدینؒ ولی کامل پیشوا کے واسطے

عاقبت کی بہتری کا کر دے مولیٰ انتظام
حضرتِ یعقوب چرخیؒ با عطا کے واسطے

یا الٰہی مجھ کو اپنی یاد میں سرشار رکھ
عبید اللہ احرارؒ شیخ اتقیاء کے واسطے

سیم وزر کا نہیں میں طالب اپنی حب تو کر نصیب
ولی بر حق محمد زاہدؒ عطا کے واسطے

نورِعرفاں سے الٰہی دل میرا پور نور کر
خواجہ درویش محمدؒ دل کشا کے واسطے

ظلمات بدعت سے بچا کر راہِ سنت پر جما
شیخ برحق محمد واقفؒ با رضاء کے واسطے

چشم گریاں کر عطا تو دل کو سوز وساز دے
حضرت خواجہ باقی باللہؒ سخا کے واسطے

بدل دے فضل خاص گناہ میرے حسنات میں
مجدد خواجہ احمدؒ دی فدا کے واسطے

سیرتِ رسول کے پرتو سے روشن کر ضمیر
حضرتِ معصومؒ محمد رہنما کے واسطے

ملک نیم شب کی یارب تاجداری کر نصیب
شیخ کامل سیف الدینؒ سے ازکیاء کے واسطے

رذائل کر پاک مجھ کو شرف وعزت کر نصیب
حافظ قرآن محسنؒ مقتدی کے واسطے

باطن ناپاک کو تو کر دے مولیٰ پاک باز
حضرتِ سید نور محمدؒ ذو العلا کے واسطے

قلبِ روشن قلبِ خاشع قلبِ سالم کر نصیب
مرزا مظہر جانِ جاناںؒ جاں فدا کے واسطے

ظلمتِ عصیاں کو یارب میرے دل سے دور کر
مردِ حق عبد اللہ شاہؒ سے اولیاء کے واسطے

شیطان کے شر سے الٰہی مجھ کو تو محفوظ رکھ
خواجہ بو سعید احمدؒ ذو العلا کے واسطے

اعمال میرے کردے خالص جڑ ریا کی کاٹ دے
دہلوی احمد سعیدؒ جیسے بے ریا کے واسطے

بیرون دل کر حب دینا حب نبوی ﷺ کر نصیب
خواجہ حضرت محمدؒ دل صفا کے واسطے

نبی ﷺ نے تجھ سے جو بھی مانگا مجھ کو بھی وہ کر نصیب
شیخ داما خواجہ عثمان حق نما کے واسطے

پناہیں مانگی جو نبی ﷺ نے میرے حق میں بھی کر قبول
سراجِ دینؒ دین کے رہبر با خدا کے واسطے

ہاتھ ہو گر کام میں تو دل ہو تیری یاد میں
فضل علیؒ سے شیخ کامل ذی غنا کے واسطے

بخش دے ہم سب کو تو
خواجہ عبد المالکؒ صدیقی اس رہنما کے واسطے

نقش دوئی کا مٹے مرکزِ توحید سے پاتے ہیں فیض
پیر غلام حبیبؒ باخدا کے واسطے

یا الٰہی یاد میں تیری مجھے تو سرشار رکھ
شیخ کامل حضرت مولانا اسماعیل واڈی دامت برکاتہم کے واسطے

مومنوں سی موت پاؤں ہو قبر روشن میری
روزِ محشر بخشا جاؤں مصطفیٰ کے واسطے

نقشبندی سلسلہ کے جس قدر ہیں مقتدی
سب پر کر بارانِ رحمت مجتبیٰ کے واسطے

روزِ محشر سب کے سب وہ پائیں اعلیٰ تر مقام
میں بھی ان کا ساتھ پاؤں تجھ خدا کے واسطے

جو جڑے اس سلسلہ سے ان پر ہو بارانِ فیض
فیض سے با فیض ہو وہ اولیاء کے واسطے

جو پڑھے یا جو سنے یہ سلسلۂ عالیہ
کردے تو ان سب کی بخشش اصفیاء کے واسطے

بحمد اللہ تعالیٰ